عمران سیریز

جلد نمبر
32

خطرناک انگلیاں

112 - پتھر کا آدمی
113 - دوسرا پتھر
114 - خطرناک انگلیاں

ابن صفی

عمران سیریز نمبر112

پتھر کا آدمی

(پہلا حصہ)

پیشرس

جاسوسی دنیا کے ناول "صحرائی دیوانہ" کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ....! جی ہاں، اسے بھی دو ہی حصوں میں پیش کرنا پڑا تھا اور مجبوری بھی آپ پر واضح کردی گئی تھی۔ دراصل طویل سلسلوں کے پڑھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جو کہانی ایک ہی جلد میں ختم ہو جائے، اسے پڑھ کر لوگ زیادہ خوش نہیں ہوتے۔ دراصل لوگ لذتِ انتظار سے آشنا ہوگئے ہیں۔ پسندیدہ کہانیوں کے آگے بڑھنے کا اسی طرح انتظار کرتے ہیں جیسے کسی پسندیدہ مہمان کی آمد کے منتظر ہوں۔

اسے پیش بندی نہ سمجھئے گا۔ یہ حقیقت ہے۔ مجھے بھی اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ایک کہانی یاد آرہی ہے، اس وقت.... عمران ہی کا ناول "ادھورا آدمی" تھا۔ جس کی کہانی، ایک ہی جلد میں ختم ہوگئی تھی۔ لہٰذا خاصی لے دے ہوئی تھی، اور مجھے اس کہانی کو دوبارہ کھینچنا پڑا تھا اور "ایڈلاوا" کا سلسلہ تشکیل پاگیا تھا۔ کیسا تھا وہ سلسلہ؟ کتنی بے چینی سے آپ، اس سلسلے کی کتاب کا انتظار کرتے تھے۔

سواب پتھر کا آدمی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ خود ہی اندازہ لگالیں گے کہ ایک سو بارہ صفحات میں یہ کہانی بھی نہیں نپٹائی جاسکتی تھی۔ آپ فرمائیں گے کہ پوری لکھ لینے کے بعد چھاپتے۔ لہٰذا میں عرض کروں گا کہ مجھے کسی سکندرِ اعظم کی طرف سے وظیفہ تو ملتا نہیں ہے کہ اطمینان سے چار ماہ تک بیٹھا، ایک ہی کہانی مکمل کرتا رہوں اور پھر کئی بار گزارش کر چکا ہوں کہ میرے پڑھنے والے زیادہ تر کتاب خرید کر پڑھتے ہیں۔ لہٰذا چاہتے ہیں کہ وہ زیادہ قیمت کی نہ ہو۔ ٹکڑوں میں وہ سو روپے کی کتاب بھی خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یکمشت نہیں خرید سکتے۔

آخر میں اُن تمام احباب کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جو مجھے اب تک عید کارڈ بھیجے جارہے ہیں۔ باسی ہی سہی لیکن میں اُن کے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ عید تو ایک دن کی ہے لیکن آپ کا خلوص، میری ہر روز کی خوشی ہے۔

ابنِ صفی

۲۵ر ستمبر ۱۹۷۹ء



اس بار، اس زور سے پتھر لگا تھا کہ اس کی آواز دور تک سنی گئی تھی اور ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ پتھر انسانی جسم کی بجائے پتھر ہی کی کسی شے سے ٹکرایا ہو۔

آس پاس کے لوگوں نے ان بچوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا جو اس پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ لیکن خود اُس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا، بدستور جھومتا ہوا چلا جارہا تھا۔ نہ پل بھر کے لئے رکا اور نہ مڑ کر دیکھا۔

راہ گیروں نے اُن بچوں میں سے ایک آدھ کی پٹائی بھی کردی تھی جو اُس پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ بچے بھاگ گئے اور وہ معمول کے مطابق اپنا راستہ طے کرتا رہا۔ تن و توش کے اعتبار سے دیوزاد لگتا تھا۔ بڑے بڑے اُلجھے ہوئے بالوں اور بڑھے ہوئے شیو میں بھی اس کی ذاتی وجاہت کی جھلکیاں صاف نظر آتی تھیں۔ لباس ڈھیلا ڈھالا اور بے ہنگم تھا۔ اس کے باوجود بھی ایسا لگتا تھا جیسے اُس میں بھی کسی قسم کے سلیقے کو دخل ہو۔

کچھ دور تک وہ اسی طرح چلتا رہا پھر دوسرے علاقے کے بچوں نے اُس پر خشت باری شروع کر دی اور وہ اسی اطمینان اور سکون سے چلتا رہا۔ یہاں بھی کچھ لوگ آڑے آئے تھے اور بچوں کو بھگا دیا تھا لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک کر پوچھتا کہ وہ کون ہے اور بچوں کے ہاتھوں، اس طرح اپنی درگت کیوں بنواتا رہتا ہے؟ اگر کبھی کوئی اس ارادے سے اُس کی طرف بڑھتا بھی تو نظر ملتے ہی پیچھے ہٹ جاتا! اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کا پورا جسم، برقی جھٹکے سے ہل کر رہ گیا ہو۔ بڑی بڑی اور غیر معمولی طور پر چمکیلی آنکھیں پل بھر کے لئے بھی کسی کو اپنے سامنے نہ ٹکنے دیتیں.... لیکن آخر بچے، اس پر پتھراؤ کیوں کرتے تھے....؟ لوگوں کا کہنا تھا کہ کبھی اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی جسے دیوانگی پر محمول کیا جاسکتا۔ بچے،

اس پر پتھراؤ کرتے تھے لیکن اس نے پلٹ کر کبھی اُن پر پتھر نہیں چلایا تھا، کبھی اس قسم کی بکواس بھی نہیں کی تھی کہ بچے اس کو چھیڑتے۔

پچھلے ایک ماہ سے وہ شہر میں دیکھا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہاں تھا یا کس حال میں تھا کوئی نہیں جانتا تھا لیکن آج کیپٹن فیاض کے اسسٹنٹ انسپکٹر شاہد نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کوئی بے حد خطرناک آدمی ہے اور شاید اس طرح اپنی پبلسٹی کر رہا ہے۔ مقصد خواہ کچھ بھی ہو۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا.... اور کئی جگہ پر اس پتھراؤ کے مناظر دیکھے لیکن نہ تو اُس نے مڑ کر دیکھا اور نہ اس کی رفتار ہی میں فرق آیا۔ پھر انسپکٹر شاہد کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ بھی پتھر ہی کا آدمی ہو۔

چلتے چلتے وہ ایک بڑی لانڈری کے سامنے رک گیا۔ بچے یہاں بھی موجود تھے اور اُن کے ارادے بھی صاف ظاہر تھے لیکن لانڈری کے ملازمین نے انہیں بھگا دیا۔ پھر شاہد نے اُسے لانڈری میں داخل ہوتے دیکھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو اس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا تھا۔

سلام کا جواب دے کر اُس نے بائیں جانب اشارہ کیا اور وہ اسی طرف بڑھتا چلا گیا اور بالآخر ایک دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

اس کے بعد شاہد، لانڈری میں داخل ہوا اور کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"ہمارا دھوبی ہے، کیوں؟"

شاہد نے اپنا شناختی کارڈ، اس کے سامنے رکھ دیا، جس پر نظر پڑتے ہی وہ کرسی سے اٹھ گیا اور بوکھلا کر بولا۔ "مگر کیوں جناب؟"

"اس کے بارے میں ہمیں معلومات درکار ہیں۔"

"بے حد شریف اور ایماندار آدمی ہے جناب! دوسروں سے کم اجرت لیتا ہے اور بہت تھوڑے وقت میں اپنا کام نپٹا دیتا ہے۔"

"کہاں کا باشندہ ہے؟ کہاں قیام کرتا ہے؟ کیا نام ہے؟"

"نام سنگزاد بتاتا ہے اور بس.... اس سے زیادہ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے،

اُجرت روزانہ ادا کردی جاتی ہے۔ دوسرے دھوبی پچاس روپے سینکڑہ کے حساب سے دھوتے ہیں اور یہ صرف دس روپے سینکڑہ دھلائی لیتا ہے۔ کبھی کوئی.... بے ایمانی نہیں کی۔ بیس دن سے ہمارے پاس کام کر رہا ہے۔"

"لانڈری کا مالک کون ہے؟" شاہد نے پوچھا۔

"میں خود ہوں، جناب!"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ اپنے ایک ملازم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"یہ ملازم نہیں ہے، جناب! روزانہ اُجرت پر کام کرتا ہے اور یہیں کرتا ہے۔ کپڑے دھونے کے لئے اپنے گھر نہیں لے جاتا۔ سارے دھوبی یہاں اسی طرح کام کرتے ہیں۔ رہ گئے ملازمین.... تو ان کا ریکارڈ ہے، میرے پاس۔"

"کس کے توسط سے یہاں آیا تھا؟"

"ایک دھوبی، اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔"

"کیا وہ دھوبی، اس وقت یہاں موجود ہے؟"

"جی ہاں...."

"اُسے بلوائیے۔"

"بہت بہتر۔" کہتے ہوئے اُس نے گھنٹی بجائی اور کاؤنٹر کے دائیں جانب والا دروازہ کھول کر ایک آدمی وہاں پہنچ گیا۔

"سیدو کو بلاؤ۔"

وہ چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دوسرا آدمی بائیں جانب والے دروازے سے داخل ہوا۔

"صاحب کا تعلق پولیس سے ہے۔" لانڈری کے مالک نے شاہد کی طرف دیکھ کر اس سے کہا۔ "اور یہ سنگزاد کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"پپ.... پولیس.... لل.... لیکن کیوں؟"

"تم، اُسے کب سے جانتے ہو؟" شاہد نے کسی قدر سخت لہجے میں پوچھا۔

"جج.... جی.... یہی کوئی ایک ماہ سے۔"

"کہاں رہتا ہے؟"

"میرا پڑوسی ہے، جناب!"

"تم کہاں رہتے ہو؟"

"جمرو نالے کی جھونپڑیوں میں۔"

"اور تم، اُسے صرف ایک ماہ سے جانتے ہو؟"

"جی ہاں، ایک ماہ ہوا، اس نے میرے برابر والی جھونپڑی خریدی تھی۔ بیکار تھا، میں نے اُسے کام سے لگوادیا۔"

"کیا وہ پاگل ہے؟"

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"پھر بچے اس پر پتھراؤ کیوں کرتے ہیں؟"

"بس، کیا بتاؤں جناب؟ پتا نہیں کس حرامی کی حرکت ہے؟ میں نے تو سنا ہے، دیکھا نہیں کہ وہ کون حرامزدہ تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"کسی نے ایک دن، ایک شریر بچے سے کہا کہ اگر وہ اُسے پتھر مار کر بھاگ جائے تو وہ پانچ روپے دے گا۔ بچے نے بڑا سا پتھر اٹھا کر اُس کی پیٹھ پر رسید کیا اور بھاگ گیا لیکن نہ تو اس نے مڑ کر دیکھا اور نہ کچھ کہا۔ دوسرے بچوں نے یہ واقعہ دیکھا اور پھر اُن میں سے بھی کسی نے یہی حرکت کی لیکن وہ اسی طرح چلتا رہا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ بس پھر تو ایک نیا کھیل بچوں کے ہاتھ آ گیا۔ یہ ہے ساری کتھا۔ نہ وہ پاگل ہے اور نہ بدمعاش۔ بے حد شریف آدمی ہے۔ میں نے پوچھا تھا کہ آخر وہ بچوں کو اس حرکت سے روکتا کیوں نہیں؟ ہنس کر بولا۔ "جب چوٹ ہی نہیں لگتی تو پھر کچھ کہنے سے کیا فائدہ.... کھیلنے دو، بیچاروں کو۔"

"کہاں سے آیا ہے؟"

"وہ خود بھی نہیں جانتا۔"

"کیا مطلب؟"

"جناب عالی! وہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور اُس کا نام کیا ہے۔"

"لیکن یہ سنگزاد....!"

"اس نے خود ہی یہ نام رکھ لیا ہے۔" لانڈری کے مالک نے کہا۔ "کہتا ہے جب مجھے پتھر سے چوٹ نہیں لگتی تو پھر مجھے کسی پتھر ہی نے جنم دیا ہوگا۔ لہٰذا یہ نام سنگزاد ہی مناسب رہے گا۔"

"کیا پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے؟"

"جناب عالی! بس کیا عرض کروں؟" لانڈری کا مالک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ شاہد، اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

"جی ہاں، مجھے تو وہ خاصا پڑھا لکھا لگتا ہے۔"

"اب میں، اسی سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

لانڈری کے مالک نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اُسے طلب کیا اور پھر جیسے ہی شاہد کا سامنا اس سے ہوا، حلق کی خشکی حواس پر چھا گئی۔

"یہ ایک پولیس آفیسر ہیں۔" لانڈری کے مالک نے کہا۔ "تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

عجیب سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ جو کم از کم شاہد کے نزدیک غصہ ہی دلانے والی تھی لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ویسے وہ اُس کی آنکھوں میں.... براہِ راست دیکھنے کی سکت خود میں نہیں پا رہا تھا۔

آخر اُس پراسرار اجنبی نے لانڈری کے مالک سے پوچھا۔ "کیا میں اپنے بارے میں کچھ جانتا ہوں؟"

"میں کیا بتاؤں؟"

"میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"اور خود کو صحیح الدماغ بھی سمجھتے ہو؟" شاہد نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"بالکل، ان سے پوچھئے.... کیا یہ لوگ، مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے؟"

"بچے، تمہیں پتھر کیوں مارتے ہیں؟"

"یہ بچوں سے پوچھئے۔ میں کیا بتاؤں؟"

"تمہیں، اس پر اعتراض کیوں نہیں ہوتا؟"

"کیا اعتراض نہ ہونا جرم ہے؟"

شاہد بغلیں جھانک کر رہ گیا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "تم کہاں سے آئے ہو؟"

"جہاں سے سب آئے ہیں۔"

"اے، سیدھی طرح بات کرو۔"

"کیا میں نے کوئی ٹیڑھی بات کی ہے؟" اجنبی نے لانڈری کے مالک سے سوال کیا اور وہ زیرِ لب کچھ بڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہاں آنے سے پہلے کہاں رہتے تھے؟" شاہد کو غصہ آ گیا تھا۔

"میں عرض کر چکا ہوں کہ میں نہیں جانتا۔ بس، یہاں سے میری یادداشت شروع ہوتی ہے کہ میں نے سیدو بھائی کے برابر والی جھونپڑی خریدی تھی۔"

"جھونپڑی خریدنے کے لئے رقم کہاں سے آئی تھی؟"

"میری جیب میں تھی۔"

"جیب میں کہاں سے آئی تھی؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا تم سے مشتبہ افراد کا سا برتاؤ کیا جائے؟"

"وہ کیسے ہوتا ہے؟"

"مشتبہ افراد کو ہم بند کر دیتے ہیں اور اس وقت تک نہیں چھوڑتے، جب تک اُن کے بارے میں پوری طرح معلومات نہ حاصل کر لیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا اگر میرے بارے میں معلومات فراہم کر دیں۔"

شاہد بڑی دشواری سے اپنے غصے پر قابو پا سکا تھا۔ یہی دل چاہ رہا تھا کہ ریوالور نکال کر اُسے شوٹ کر دے۔ لیکن اس کی بجائے محض نوٹ بک نکالنے پر قناعت کرنا پڑا۔

"تم اپنا صحیح پتہ بتاؤ" اُس نے سیدو دھوبی سے کہا۔ اور وہ اُسے اپنا پتہ بتانے لگا۔ نوٹ بک کے صفحے پر قلم چلتا رہا پھر شاہد نے سر اٹھا کر سیدو سے کہا۔ "اگر یہ کہیں غائب ہو گیا تو تم سے جواب طلب کیا جائے گا۔"

اجنبی کے ہونٹوں پر تحقیر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ

خواہ مخواہ دوسروں کو ملوث کر رہے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلئے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" شاہد پیر پٹخ کر بولا۔ "ہم تمہاری نگرانی کرائیں گے۔"

"وقت اور انرجی کی بربادی۔"

"زبان بند کرو۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

پھر شاہد وہاں نہیں رکا تھا۔ خواہ مخواہ اُسے چھیڑ بیٹھا تھا۔ اس سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا۔ بچے پتھر مارتے تھے اور وہ اس کا نوٹس نہیں لیتا تھا۔ بس اتنی سی بات تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ واقعی اپنے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو، کسی حادثے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو۔ اگر اُسے مشتبہ قرار دیتا تو سوال پیدا ہوتا کہ کس سلسلے میں مشتبہ سمجھا جا رہا ہے؟

لانڈری سے نکلا ہی تھا کہ ایک اخبار کے کرائم رپورٹر پر نظر پڑی، جو شاید وہاں اسی کا منتظر تھا۔ تیزی سے اس کی طرف آیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"فرمائیے....؟" شاہد اس پر الٹ پڑا۔

"شاید بات نہیں بنی۔" رپورٹر مسکرا کر بولا۔ "میں خود کئی دنوں سے جھک مار رہا ہوں۔"

"اچھا....!" شاہد نرمی سے بولا۔ رپورٹر اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اکثر و بیشتر دونوں کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

"وہ ایسی باتیں کرتا ہے، جیسے یادداشت کھو بیٹھا ہو۔" رپورٹر نے کہا۔

"لیکن بے حسی کو کس خانے میں فٹ کرو گے؟" شاہد بولا۔

"واقعی حیرت انگیز ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ پتھر مارنے کا سلسلہ کیسے شروع ہوا ہو گا؟"

"یہاں تم مجھ سے پیچھے رہ گئے ہو۔" شاہد طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھا....؟" رپورٹر چلتے چلتے رک گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ پتھر مارنے کا سلسلہ کیسے شروع ہوا تھا۔"

"میری طرف سے چائے کی دعوت قبول کرو۔ ہیگرٹی کے جھینگے تمہیں بہت پسند ہیں، مجھے علم ہے۔" رپورٹر مسکرا کر بولا۔

"لیکن اس کے باوجود بھی میں نہیں بتاؤں گا۔"

"اگر یہ معلوم ہوجائے تو میرا فیچر مکمل ہوجائے گا اور کل کے شمارے میں تمہاری پبلسٹی بھی ہوجائے گی۔ اس طرح فلیش کروں گا، تمہیں کہ تمہاری آئندہ نسلیں بھی تم پر فخر کریں گی۔ اور اس کا فائدہ تمہارے محکمے کو بھی پہنچے گا کہ وہ شہر میں ہونے والے سارے واقعات پر نظر رکھتا ہے۔"

شاہد نے سوچا۔ بات تو ٹھیک ہے۔ پھر اُسے ہیگرٹی کے جھینگوں کی دعوت قبول کرلینی چاہئے۔



فیچر بڑی خوبصورتی سے چھاپا گیا تھا۔ سنگزاد کی متعدد تصاویر تھیں۔ جن میں کہیں اس پر پتھر برس رہے تھے.... اور کہیں راہگیر، اُسے بچوں کی یلغار سے بچانے کی کوشش کررہے تھے، ساتھ ہی مضمون کی دلچسپی نے اُس کی مزید قدر و قیمت بڑھادی تھی۔

اس میں انسپکٹر شاہد کا مختصر سا قصیدہ بھی تھا جس نے اس واقعے کی طرف خصوصی توجہ دے کر یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس بے ضرر آدمی پر پتھراؤ کرنے کی پہل کس طرح ہوئی تھی اور اب وہ اُس آدمی کی تلاش میں تھا جس نے ایک بچے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔

ترغیب دینے والے نے یہ فیچر پڑھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُس سے تو کہا گیا تھا کہ یہ محض ایک تفریحی سلسلہ ہے لیکن پھر پولیس کہاں سے آکودی۔ محکمہ سراغ رسانی کے کسی آفیسر کو اس سے کیا سروکار، جب کہ خود پتھر کھانے والے کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

جہانگیر بہت معمولی قسم کا فریب کار تھا کبھی سڑک پر مجمع لگا کر اوٹ پٹانگ قسم کی ادویات فروخت کرتا تھا اور کبھی منجم بن کر بھولے بھالے دیہاتیوں سے کمائی کرلیتا تھا.... ان دنوں بے کار تھا کہ ایک اچھی خاصی رقم کے عوض یہ معمولی سا کام مل گیا۔ ایک بچے کو پانچ روپے دیئے اور اس نے سنگزاد کی پشت پر پتھر جڑ دیا لیکن جہانگیر کو یقین تھا کہ اُس وقت وہاں، اُن بچوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا اور پھر وہی بچہ، اُس سے ذرا دیر کو واقف ہوا تھا جسے اُس نے پانچ روپے دیئے تھے۔

تو کیا اُس بچے ہی سے پولیس آفیسر کو اُس کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا؟.... بہر حال اُسے اِس سلسلے میں اُس آدمی سے بات کرنی چاہئے، جس نے اُسے اس کام پر مامور کیا تھا۔

وہ چائے خانے سے باہر آگیا۔ تھوڑی دور پر ایک دوا فروش کی دکان تھی۔ وہاں سے وہ فون

پر اس آدمی سے رابطہ قائم کرسکتا تھا۔

خوش قسمتی ہے اس کی کال، اُسی آدمی نے ریسیو کی۔ ورنہ وہ تو سمجھا تھا شاید اُسے کئی بار کوشش کرنی پڑے گی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم پریشان ہوجاؤ گے۔" دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔

"کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے؟" جہانگیر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"قطعی نہیں.... کیا رکھا ہے ان باتوں میں.... وہ تم تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا اور اگر تمہیں خدشہ ہے کہ اس کا سامنا ہو ہی جائے گا تو میرے پاس چلے آؤ۔ میں اُس سے نپٹنے کی تدبیر بتادوں۔"

"کیا ابھی آجاؤں؟"

"ہاں، ہاں، آجاؤ۔"

ریسیور کریڈل پر رکھ کر اُس نے کال کے پیسے ادا کیے اور دکان سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رکشے میں بیٹھا ماڈل ٹاؤن کی طرف جارہا تھا۔

اُسے یہ بھی تو نہیں معلوم تھا کہ اس کھیل کا مقصد کیا ہوسکتا ہے۔ ویسے اس آدمی سنگزاد کی شخصیت اُس کے لئے بھی حیران کن تھی.... اور وہ خود بھی تو اُس کی ٹوہ میں رہنے لگا تھا۔ لیکن یہ معلوم کرکے اُسے بڑی مایوسی ہوئی تھی کہ وہ ایک لانڈری میں کپڑے دھوتا ہے.... پھر کیا یہ بھی عجیب بات نہیں تھی کہ اس پر پتھر برسوانے والا ماڈل ٹاؤن کی ایک عظیم الشان کوٹھی کا مکین ہے۔ بھلا اس دولت مند آدمی کو ایک دھوبی سے کیا سروکار۔ اگر اُسے انتقامی کارروائی سمجھا جائے تو کیا طریق کار عجیب نہیں تھا۔

رکشہ، اُس نے ایک کوٹھی کے پھاٹک کے سامنے رکوایا اور کرایہ ادا کرکے پھاٹک کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پٹھان چوکیدار نے ذیلی کھڑکی کھول کر سر نکالا۔

"تم جہانگیر ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں، بھائی....!"

"اندر آجاؤ۔ صاحب ہمیں پہلے سے ہی بولا تھا۔"

وہ ذیلی کھڑکی سے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ ایک بار پہلے بھی یہاں آچکا تھا۔ لہٰذا جانتا تھا کہ اُسے عمارت کے کس حصے میں جانا ہے۔

وہ اُسے برآمدے ہی میں مل گیا۔ چھوٹے سے قد کا ایک دبلا پتلا اور بوڑھا آدمی تھا لیکن چال ڈھال سے خاصا پھرتیلا معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں سے تو بے پناہ توانائی کا اظہار ہوتا تھا۔

جہانگیر سے مصافحہ کرتے وقت ہنس پڑا۔ جہانگیر بھی بے دلی سے ہنسا تھا۔

"آؤ، اندر آجاؤ۔" بوڑھا سٹنگ روم کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ یہاں اعلیٰ درجے کا فرنیچر بہت سلیقے سے لگایا گیا تھا۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ایسی بھی کیا پریشانی۔" اُس نے صوفے کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"صاحب! یہ پولیس کا چکر سمجھ میں نہیں آیا؟"

"ارے، وہ.... کچھ نہیں۔ اخبار والوں نے ایک خوبصورت سی کہانی بنائی ہے اور اس آفیسر کی تھوڑی سی پبلسٹی کردی ہے۔"

"لیکن صاحب، آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اتنے سے کام کے لئے آپ نے مجھے پانچ سو روپے دیئے تھے.... اور اب یہ پولیس والا....!"

"کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟"

"جی نہیں.... ایسی صورت میں اسے جرم نہیں کہا جاسکتا۔ جب کہ پتھر کھانے والے کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"گڈ.... خاصے سمجھ دار آدمی ہو۔ اس لئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور پھر مجھے یقین ہے کہ وہ تم تک پہنچ ہی نہ سکے گا۔"

"ہوسکتا ہے لیکن آپ میری یہ الجھن رفع کردیں۔ وہ ایک معمولی سا دھوبی ہے اور آپ اتنے بڑے آدمی۔"

"تم نہیں سمجھے۔ اچھا چلو، میں تمہیں اس کی ماں سے ملاؤں۔ وہ پتھروں سے سر ٹکراتی ہے۔ پتھر چور چور ہوجاتے ہیں لیکن اس کے سر پر معمولی سی خراش بھی نہیں آتی۔"

"کمال ہے۔"

"چلو، اٹھو.... تمہیں سنگزاد کی کہانی بھی وہی سنائے گی۔"

"کہاں چلنا ہوگا؟"

"بندرگاہ تک۔ وہاں میری ایک کشتی بھی ہے۔ جس کے عملے کے لئے وہ کھانا پکاتی ہے۔

میں جو کچھ بھی کررہا ہوں اُسی کے لئے کررہا ہوں۔"

"میں ضرور چلوں گا، جناب!" جہانگیر اٹھتا ہوا بولا۔

"اور پھر تمہارا دل چاہے تو تم بھی فی الحال اُسی کشتی پر رک جانا۔ جب معاملہ ٹھنڈا پڑجائے تو واپس آجانا۔ کشتی کو دیکھ کر خوش ہوجاؤ گے۔ ساری آسائشیں اس پر مہیا ہیں۔ بس ایک تیرتا ہوا مکان سمجھ لو، اُسے۔"

"بہت بہتر جناب! میں وہیں رک جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی کار کوٹھی کے کمپاؤنڈ سے نکلی جسے بوڑھا خود ہی ڈرائیو کررہا تھا اور جہانگیر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"میں بڑے آدمیوں کی تفریح کی کشتیوں کے بارے میں سنا کرتا تھا۔ آج دیکھ بھی لوں گا۔" جہانگیر نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"بلکہ اس پر کچھ دن قیام بھی کرو گے۔"

"خوش قسمتی میری۔"

ساحل پر پہنچ کر گاڑی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کردی گئی اور وہ ڈاک کی طرف بڑھے۔ لیکن جہانگیر کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی، جب اُس نے بوڑھے کو ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ پر چڑھتے دیکھا۔ یہ اتنی چھوٹی تھی کہ اس پر بمشکل پانچ یا چھ افراد ہی بیٹھ سکتے تھے۔

"یہ کشتی...." اُس نے کسی قدر ہچکچاہٹ سے کہا۔

"ارے نہیں...." بوڑھا زور سے ہنس کر بولا۔ "اس پر بیٹھ کر ہم اُس کشتی تک پہنچیں گے۔ دراصل میرے کچھ مہمان، اُسے مچھلیوں کے شکار کے لئے آگے لے گئے ہیں۔"

"اچھا.... اچھا۔" جہانگیر نے کہا اور خود بھی موٹر بوٹ میں بیٹھ گیا۔

بوڑھے نے موٹر بوٹ کا انجن اسٹارٹ کیا اور اُسے گہرے پانی کی طرف موڑتا ہوا زور سے بولا۔ "تم آخری سرے پر بیٹھ جاؤ، تاکہ بیلنس رہے۔"

"بہت اچھا جناب!" جہانگیر درمیانی سیٹ سے اٹھ کر دوسرے سرے پر چلا گیا۔ یہاں سمندر پُرسکون تھا لیکن جہانگیر سوچ رہا تھا کہ آگے تلاطم ضرور ہوگا۔ اس لئے سنبھل کر بیٹھنا چاہئے۔

بوڑھا دوسرے سرے پر اُس کے مقابل بیٹھا عجیب انداز میں مسکراتا رہا تھا۔ کشتی جلد ہی

کھلے سمندر میں آگئی۔ دور دور تک کوئی دوسری کشتی نظر نہیں آرہی تھی۔ جہانگیر خاموش بیٹھا، اس کی مسکراہٹ کو کوئی معنی پہنانے کی کوشش کررہا تھا۔

دفعتاً بوڑھے نے جیب سے ریوالور نکال کر اُس کا رخ جہانگیر کی طرف کردیا۔

"جج....جی....کک....کیا مطلب؟" جہانگیر نے بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کی اور ٹھیک اُسی وقت سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے بے آواز فائر ہوا۔ گولی جہانگیر کی پیشانی پر لگی اور وہ پانی میں الٹ گیا۔

موٹر بوٹ آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔



آئی۔ ایس۔ آئی۔ کے ڈائریکٹر کرنل فیضی نے سنگزاد والا فیچر اخبار میں پڑھا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ چہرے کے تاثرات سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مسئلے پر یقین و تشکیک کی کشمکش میں مبتلا ہو۔ پھر اُس نے انٹرکام کا بٹن دبا کر کسی کو مخاطب کیا۔ "گرین فائل تھرٹین چاہیے۔ فوراً۔"

"اوکے، سر!" کسی نے جواب دیا۔

انٹرکام کا سوئچ آف کر کے کرنل فیضی نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور ایک سگریٹ منتخب کر کے سلگانے ہی والا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے سرخ انسٹرومنٹ کا بزر بول اٹھا۔

"یس سر...." اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیا تم مصروف ہو؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی ہاں، ایک مسئلہ ابھی ابھی سامنے آیا ہے اور فوری توجہ کا طلب گار ہے۔"

"کیا اسٹار کے اس فیچر کی طرف اشارہ ہے؟"

"درست ہے، جناب! میں نے گرین فائل تھرٹین نکلوایا ہے۔"

"گڈ...!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "فائل سمیت میرے آفس میں آجاؤ۔"

"بہت بہتر، جناب!" کرنل فیضی نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

یہ ڈائریکٹر جنرل کی آواز تھی۔ سگریٹ سلگاتے وقت، اُس نے اپنے ہاتھ میں لرزش

محسوس کی۔

اس کا پرسنل اسسٹنٹ تھوڑی دیر بعد ایک فائل لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ٹھیک ہے، بس جاؤ۔" اس نے اُسے فائل میز پر رکھ دینے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

پرسنل اسسٹنٹ کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے۔ شاید کرنل فیضی کا یہ انداز اس کے لئے غیر معمولی تھا۔

بہر حال، وہ اس کے حکم کی تعمیل کر کے الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ کرنل فیضی نے سگریٹ کے کئی گہرے گہرے کش لئے اور اُسے ایش ٹرے میں رگڑتا ہوا اٹھ گیا۔

ڈائریکٹر جنرل کے آفس میں داخلے کے لئے اُسے چند منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔

آئی۔ ایس۔ آئی کا ڈائریکٹر جنرل راؤ ایک بے حد خشک مزاج آدمی تھا۔ ماتحت اُس کا سامنا کرنے سے خائف رہتے تھے۔

خود کرنل فیضی اپنے گھٹنوں میں لرزش سی محسوس کررہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اُس نے کرنل فیضی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تھینک یو سر!" کہتا ہوا کرنل فیضی بیٹھ گیا۔

"فائل...." جنرل نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھادیا۔ کرنل فیضی نے اتنی احتیاط سے فائل اُس کے ہاتھ میں دیا تھا جیسے وہ شیشے کا ہو۔ اسٹار کا تازہ شمارہ بھی میز پر پڑا ہوا تھا۔ جنرل، فائل کی ورق گردانی کر کے اُس کی بعض تصویریں، اسٹار میں شائع ہونے والی تصویروں سے ملاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد طویل سانس لے کر بولا۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔"

فیضی کچھ نہ بولا۔

آخر جنرل ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "فی الحال، اس کی صرف نگرانی کراؤ لیکن اُس آدمی کا سراغ ملنا بے حد ضروری ہے جس نے بچوں کو اس پر پتھر چلانے کی ترغیب دی تھی۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا، جناب!"

"اس آدمی انسپکٹر شاہد کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کرو۔"

"اور سنگزاد کی صرف نگرانی کرائی جائے؟" کرنل فیضی نے پوچھا۔

"ہاں.... اور اُس کے تحفظ کا بھی خیال رکھا جائے۔"

"بہت بہتر جناب!"

جنرل راؤ نے فائل، اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو اس طرح جنبش دی جیسے ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہو۔

کرنل فیضی، اُس کے آفس سے باہر آگیا۔ اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔



کیپٹن فیاض آپے سے باہر ہو رہا تھا اور انسپکٹر شاہد اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا جیسے اس سے بڑی غلطی پہلے کبھی سرزد نہ ہوئی ہو۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی کہ اس حد تک جاتے؟" فیاض پھر گرجا۔ "آخر کس بات کا شبہ تھا، اس پر۔"

"بب.... بس کیا عرض کروں، جناب.... بس شامت....!"

"اگر بچپن کی کوئی جبلت ابھر آئی تھی تو اس کرائم رپورٹر سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنے طور پر اُس عجوبے سے متعلق فیچر چھاپ سکتا تھا۔ اس کا پیشہ ٹھہرا۔ اسی کی روٹی کھاتا ہے۔"

شاہد خاموش ہی رہا۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ "روٹی" کے حوالے پر اُن جھینگوں کا تذکرہ کر بیٹھتا جو رپورٹر نے اسے کھلائے تھے۔

"اب دیکھنا، کیسا دماغ خراب کرتے ہیں، آئی۔ ایس۔ آئی والے۔" کیپٹن فیاض اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "پتا نہیں کیا چکر ہے؟"

"آخر آئی۔ ایس۔ آئی والے کیوں؟"

"میں نہیں جانتا۔ آئی۔ ایس۔ آئی کا ڈائریکٹر کرنل فیضی تم سے ملنا چاہتا ہے۔ آج شام کو پانچ بجے آرمی آفیسرز کلب میں اُس سے ملو۔"

"لیکن وہاں میرا داخلہ کس طرح ہوگا؟"

"کرنل فیضی کے حوالے سے۔ کلب کا کوئی ذمہ دار آدمی تمہیں اس کی میز پر پہنچا دے گا۔"

"کس جنجال میں پڑ گیا؟"

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ بہت دنوں سے یہ سلسلہ جاری تھا۔"

"جی ہاں۔" شاہد نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "لیکن کسی نے بھی اس طرف توجہ نہیں دی

تھی اور فیچر چھپتے ہی آئی۔ ایس۔ آئی والے بھی چڑھ دوڑے اور وہ مردود کرائم رپورٹر...."

"اُسے گالیاں کیوں دے رہے ہو؟" فیاض اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"میری اس حماقت سے پہلے ہی اُس نے فیچر کیوں نہیں چھاپ دیا تھا۔"

"تمہارے تذکرے کے بغیر اُس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی۔ اس میں اتنا سسپنس ہرگز پیدا نہ ہوتا۔"

"بہرحال...." وہ طویل سانس لے کر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ فیاض استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا، جناب!" شاہد نے بالآخر کہا۔

"ٹھہرو!" فیاض نے ہاتھ اٹھا کر پُر تفکر لہجے میں کہا۔ "فیچر میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ پتھر چلانے کی ابتدا کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا تھا۔"

"سیدو دھوبی نے بتایا تھا۔ وہ اس کا پڑوسی ہے۔"

"شاید تم نے رپورٹر سے ذریعے کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

"جی نہیں۔"

"یہ تم نے اچھا کیا تھا۔ اب کم از کم تم آئی۔ ایس۔ آئی والوں سے اپنا پیچھا تو چھڑا سکو گے۔"

"میں نہیں سمجھا، جناب؟"

"وہ تم سے کوئی ایسی بات معلوم کیے بغیر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جس کا ذکر فیچر میں نہ ہو۔"

"اوہ.... تو سیدو دھوبی کے حوالے پر میں، انہیں مطمئن کر سکوں گا؟"

"بالکل.... اگر وہ انہی کا کوئی دردِ سر ہے تو خود سیدو دھوبی کو کھنگالیں گے۔"

"اس رہنمائی پر میرا شکریہ قبول فرمایئے۔ جناب! اب میں سارا زور سیدو دھوبی ہی پر صرف کردوں گا۔"

"بس، جاؤ.... ٹھیک پانچ بجے.... آرمی آفیسرز کلب.... کرنل فیضی نام یاد رکھنا۔"

شاہد سلیوٹ کر کے باہر آگیا۔ لیکن شاید ابھی مزید حماقتیں اس کے مقدر میں لکھی ہوئی تھیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ سیدو دھوبی کا قصہ اپنی جگہ.... لیکن اگر کرنل فیضی، سنگزاد کے بارے میں پوچھ بیٹھا تو کیا بتائے گا.... ضرور پوچھے گا کہ اُسے اس پر کس نوعیت کا شبہ تھا۔

کیا بتائے گا، آخر؟ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔ فیاض سے صرف ڈانٹ سنی تھی یا پھر سید و دھوبی والا نکتہ ملا تھا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ آخر اُس نے سنجیدگی سے اس کا تعاقب کیوں شروع کیا تھا؟ سرکاری آفیسر اس لئے نہیں ہوتے کہ دیوانوں کے پیچھے دوڑتے پھریں۔ لیکن آئی ایس آئی والوں کے الرٹ ہو جانے کا یہ مطلب تھا کہ واقعی کوئی خاص بات تھی۔ اگر اُن کے نزدیک کوئی خاص بات تھی تو وہ اُس سے ایک ایک لمحے کا حساب لیں گے۔

اسی الجھن میں اُسے احمق اعظم عمران کا دھیان آیا اور وہ اچھل پڑا۔ ہر چند کہ فیاض کے توسط سے وہ عمران پر غراتا ہی رہتا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ جس طرح عمران، فیاض کے کام آتا تھا، اسی طرح اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دے گا، یعنی وہ سنگزاد کے تعاقب کی کوئی معقول وجہ ضرور تلاش کر لے گا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے عمران کے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کیے۔ دوسری طرف سے نسوانی آواز سنائی دی۔

"کیا عمران صاحب تشریف رکھتے ہیں؟" شاہد نے پوچھا۔

"رکھتے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں انسپکٹر شاہد بول رہا ہوں۔"

"ایک منٹ ہولڈ کیجئے۔"

دوسری بار اس نے سلیمان کی آواز سنی۔ جس نے بہت کڑک کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"تمہارے لئے ایک کلو امرتیاں خریدی ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ پھر کب تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے خوب یاد رکھا کہ مجھے امرتیاں پسند ہیں۔"

"میرے پہنچنے تک عمران صاحب کو فلیٹ ہی میں روکے رکھو۔"

"وہ تو رکے ہوئے ہی ہیں۔ لوبان کی دھونی لے رہے ہیں۔ اس کے بعد بیسن کے لڈو اور بالائی کھائیں گے۔ کم از کم پون گھنٹے کا نسخہ ہے۔ آپ بے فکری سے آجایئے۔"

"اچھا...." کہہ کر شاہد نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ عمران، فیاض سے اس ملاقات کا تذکرہ کرے گا۔

اس نے باہر آکر موٹر سائیکل سنبھالی اور عمران کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں حسبِ وعدہ سلیمان کے لئے امرتیاں بھی خریدی تھیں۔

سلیمان نے سٹنگ روم میں اس کا استقبال کیا اور امرتیوں کا ڈبہ سنبھالتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "ابھی دھونی ہی لے رہے ہیں۔"

"کیا واقعی؟" شاہد نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں، جب سے مر کر زندہ ہوئے ہیں، یہی حال ہے۔ روزانہ لوبان کی دھونی لیتے ہیں اور بیسن کے لڈو، بالائی کے ساتھ کھاتے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"کل ایک پڑوسی کو باری کے بخار کا تعویذ بھی دیا تھا۔ شیو نہیں کرتے۔ کہتے ہیں ڈاڑھی رکھوں گا۔ کل گلرخ نے رو رو کر اُن کا شیو کرایا تھا۔"

"کیا قصہ ہے؟"

"آج رات قوالوں کو بھی بلوایا ہے۔ آپ بھی آیئے گا.... ٹھہریئے میں آپ کے لئے کافی لاتا ہوں۔"

"تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں انتظار کروں گا۔"

"ویسے میں نے اطلاع دے دی ہے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن شاید اب اُنہیں پولیس والوں سے ملنا گوارا نہیں ہے۔"

"یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو؟"

"آج صبح کسی سے فون پر کہہ رہے تھے۔ اچھا جی بس، میں ابھی آیا۔ آپ کے لئے کافی لا رہا ہوں۔" سلیمان نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

شاہد تنہا بیٹھا رہا.... پھر کافی آنے سے پہلے ہی عمران کمرے میں داخل ہوا۔ شاید باہر جانے کے لئے تیار تھا۔

"اوہ.... ہلو!" اس نے شاہد کو دیکھتے ہی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

شاہد نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا لیکن عمران، اُسے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا

جیسے اُس کی دماغی صحت پر یقین نہ ہو۔

"غالباً آپ مجھے بھولے نہ ہوں گے؟" شاہد نے کہا۔

"عذاب قبر بھی مجھے ہر وقت یاد رہتا ہے۔"

"مجھ پر طنز نہ کیجئے۔ میں کیپٹن فیاض کا ماتحت ہوں۔ جو کچھ بھی کرتا ہوں، انہی کے حکم سے کرتا ہوں۔ لیکن جتنی قدر آپ کی میرے دل میں ہے اس کا اظہار ممکن نہیں ہے۔"

"تو کیا کیپٹن فیاض صاحب نے مجھے یاد فرمایا ہے۔"

"جی نہیں، اپنی ایک ضرورت لائی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تشریف رکھئے۔"

شاہد بیٹھ گیا اور عمران اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ اتنے میں سلیمان کافی لے آیا۔ ایک پلیٹ میں دو امرتیاں بھی بڑے اہتمام سے رکھ کر لایا تھا۔ امرتیوں پر نظر پڑتے ہی عمران نے دیدے نچائے اور پھر سلیمان کو گھورنے لگا۔

"انسپکٹر صاحب، میرے لئے لائے تھے۔" سلیمان جلدی سے بولا۔

عمران نے طویل سانس لی اور پوری طرح شاہد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ نے آج کا اسٹار دیکھا؟" شاہد نے عمران سے پوچھا۔

"نہیں۔ میرے پاس صرف اردو کے اخبار آتے ہیں۔"

"بہر حال ذرا اسے ملاحظہ فرمائیے۔" شاہد نے فیچر والا صفحہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہوں، اچھا.... آپ کافی پیجئے۔"

"اور امرتیاں بھی کھائیے۔" سلیمان بولا۔ عمران نے ہاتھ ہلا کر اُسے دفع ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے فیچر دیکھ رہا تھا۔

"خوب..." تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر رہ گیا اور فیچر پڑھتا رہا۔ شاہد خاموشی سے کافی پی رہا تھا۔

"بہت اچھے جا رہے ہیں، آپ!" بالآخر عمران سر اٹھا کر بولا۔

"اچھا جا رہا ہوں یا مجھ سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔" شاہد نے قدرے بسور کر کہا۔

"یہی مطلب تھا میرا.... حماقت کی رفعتیں کوئی مجھ سے پوچھے۔"

"میں سنجیدگی سے اس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"حماقت اور سنجیدگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آپ حق بجانب ہیں۔"

"آپ کو اس میں کوئی خاص بات نظر آئی۔"

"ایک خامی نظر آئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس ذریعے کی وضاحت نہیں ہے جس کے مطابق کسی نے ایک بچے کو پتھر مارنے پر اکسایا تھا۔"

"جی ہاں، میں نے دیدہ و دانستہ یہ بات رپورٹر کو نہیں بتائی تھی۔"

"دوسری بات یہ کہ یاد داشت ختم ہو جانے کی بناء پر آدمی، اس حد تک بے حس نہیں ہو جاتا کہ اُسے چوٹ نہ لگے۔"

"جی ہاں...."

"اس کے علاوہ اور کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ آخر کس شبہے کی بناء پر میں نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا؟"

"یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں، میں نے تو یونہی خواہ مخواہ تعاقب شروع کیا تھا لیکن اب جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

"ارے فیاض.... وہ کیوں جواب طلب کرے گا؟"

"اُن کی بات نہیں ہے۔ آئی ایس آئی والے اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"واقعی....؟" عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، اسی پر تو حیرت ہے۔ اسی فیچر کے حوالے سے ڈائریکٹر کرنل فیضی، مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

عمران نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پھر بولا۔ "امرتیاں کیوں نہیں کھائیں؟"

"آپ بھی لیجئے۔"

"میں ابھی ابھی بیسن کے لڈو کھا چکا ہوں۔"

"کیا واقعی.... لیکن لوبان کی دھونی کیوں؟"

"خدا کی پناہ! تو یہ گھر کا بھیدی....!"

"کچھ نہ کہئے گا، بیچارے کو، بے ساختگی میں کہہ گیا تھا۔"

"ہاں، تو یہ کرنل فیضی....!"

"مجھ سے یہ ضرور معلوم کرنا چاہے گا کہ میں نے کس شبہے کے تحت اُس کا تعاقب شروع کیا تھا۔"

"اور تم بتانا نہیں چاہتے۔"

"میں بتاؤں گا کیا، جب کہ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔"

"بس یہی کہہ دینا۔"

"وہ یقین نہیں کرے گا، اگر یہ کوئی سیریس معاملہ ہے۔"

"تو پھر کیا، کیا جائے؟" عمران طویل سانس لے کر بولا۔

"آپ کوئی معقول سی وجہ سوچئے۔ تاکہ میں اُسے مطمئن کر سکوں۔"

"ہوں، اچھا.... لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ تم مجھے وہ بھی بتادو، جو اسٹار کے کرائم رپورٹر کو نہیں بتایا تھا۔"

"ضرور بتاؤں گا۔" شاہد نے کہا اور اُسے سیدو دھوبی کے بارے میں بتانے لگا جس سے سنگزاد کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔

"اور وہ اس آدمی کی نشان دہی نہیں کر سکا تھا۔ جس نے بچوں کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔"

"جی نہیں، اُسے یاد نہیں کہ اُس نے کس سے سنا تھا۔"

"خیر، ہاں تو تم نہایت اطمینان سے کہہ سکتے ہو کہ شہر میں خواتین کو چھیڑنے کے واقعات بکثرت ہورہے ہیں۔ لہٰذا تم سمجھے تھے کہ وہ شخص محض خواتین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس طرح پتھر کھاتا ہے۔ اس لئے تم اس معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔"

"گڈ...." شاہد اچھل پڑا۔ "میں جانتا تھا کہ آپ کے علاوہ اور کوئی میری یہ مشکل نہیں حل کر سکے گا۔"

"لہٰذا اب سیدو دھوبی اور اس لانڈری کا پتہ بھی بتادو۔"

عمران نے دونوں پتے اپنی نوٹ بک میں درج کیے تھے۔ شاہد حیرت سے اُسے دیکھتا رہا پھر

بولا۔ "کیا یہ آپ کی بھی دلچسپی کی چیز ہے؟"

"دیکھوں گا۔ شاید آئی ایس آئی والوں سے بھی کچھ کمائی ہو جائے۔ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد سے میری حالت کچھ پتلی ہو گئی ہے۔"

"آخر قصہ کیا تھا؟ عرصے تک سب یہی سمجھتے رہے تھے کہ آپ، سمندر میں غرق ہو چکے ہیں۔"

"سمندر بھی مجھ نالائق کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔ مچھلیوں کا ہاضمہ خراب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔"

"آپ اپنی تہہ تک کسی کو بھی نہیں پہنچنے دیتے۔"

"یہ لوبان کی دھونی کا کمال ہے۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

"سلیمان کہہ رہا تھا کہ کل آپ نے کسی کو باری کے بخار کا تعویذ بھی دیا تھا؟"

"بواسیر کا فقیری نسخہ بھی ہے میرے پاس۔"

"اچھا، اب اجازت دیجئے۔" شاہد اٹھتا ہوا بولا۔

"بسم اللہ....!"

شاہد، عمران کے فلیٹ سے برآمد ہو کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ ایک موٹر سائیکل سوار اُس کے قریب سے گزرتا ہوا اس کا دایاں گال نوچ کر نکلا چلا گیا۔ تحیر زدہ آواز میں ایک گندی سی گالی شاہد کی زبان سے نکلی اور پھر اُس نے آپے سے باہر ہو کر اپنی موٹر سائیکل اس کے پیچھے دوڑا دی۔

اس نے اسے اچھی طرح دیکھا تھا۔ وہ اس کا کوئی بے تکلف دوست نہیں تھا۔ شاید شناسا بھی نہ تھا ورنہ اسے کسی قدر تذبذب ضرور ہوتا۔

اگلا سوار ٹریفک کے درمیان سے اپنی موٹر سائیکل نکال لے جانے میں کافی مشاقی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ شاہد اس کے مقابلے میں کسی قدر ہچکچاہٹ سے گاڑی چلا رہا تھا.... لیکن نظر اسی پر جمی ہوئی تھی کہ کہیں نکل ہی نہ جائے، وہ اُسے اس بے ہودگی کی خاطر خواہ سزا دینا چاہتا تھا۔

کیا وہ پاگل تھا؟ یا یہ محض شرارت تھی؟ لیکن شرارت.... ایک سرکاری آفیسر کے ساتھ۔ شاہد کا خون بُری طرح کھول رہا تھا۔ دونوں گاڑیوں کی دوڑ جاری رہی۔ حتیٰ کہ وہ شہری

آبادی سے باہر آ گئے۔

شاہد کا غصہ اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی تک اُسے نہیں پکڑ پایا تھا۔ دونوں کے درمیان اب بھی دوڈھائی سو گز کا فاصلہ برقرار تھا۔

اچانک اگلے سوار نے اپنی گاڑی ایک ایسے باغ میں موڑ دی جس کے گرد اونچی اونچی جھاڑیاں احاطہ کیے ہوئی تھیں۔ شاہد نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ کسی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ بھی اپنی گاڑی اسی طرف لیتا چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ متعاقب کی گاڑی باغ کے وسط میں ایک کھلی جگہ پر چکر لگا رہی ہے۔

شاہد پر نظر پڑتے ہی اس نے گاڑی روک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بے ساختہ قہقہے لگانے لگا۔

شاہد اس کے قریب پہنچ کر دھاڑا۔ "شٹ اپ!"

لیکن وہ ہنستا ہی رہا اور شاہد کے بازو کی مچھلیوں میں اکڑن پیدا ہونے لگی۔ موٹر سائیکل کا انجن بند کر کے وہ اس کی طرف بڑھا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ چھوٹتے ہی ایک ہاتھ جھاڑ دے گا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ عقب کی جھاڑیوں سے دو افراد برآمد ہو کر آہستہ آہستہ خود اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پھر قبل اس کے کہ شاہد موٹر سائیکل سوار پر جھپٹتا وہ دونوں اس پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ بے خبری میں ہوا تھا۔ اس لئے شاہد کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے اُس کی ناک پر تہہ کیا ہوا رومال ڈال کر ہاتھ سے دبائے رکھا تھا۔ شاہد کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔



رات کے آٹھ بجے تھے اور کیپٹن فیاض بے چینی سے ٹہل رہا تھا.... بار بار فون کی طرف اس طرح دیکھتا جیسے کسی کال کا منتظر ہو.... دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور وہ تیزی سے اُس کی طرف جھپٹا۔

"ہیلو....!"

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ کرنل صاحب!" فیاض جلدی سے بولا۔ "فیاض...."

"کچھ پتا لگا آپ کے انسپکٹر کا؟"

"تلاش جاری ہے، جناب! ہمیں خود تشویش ہے۔"

"اسے میرا پیغام کس وقت ملا تھا؟"

"جیسے ہی وہ دفتر آیا تھا۔ کوئی ساڑھے نو بجے کی بات ہے۔"

"اس کے بعد سے اُس کی نقل و حرکت کے بارے میں آپ کے پاس کیا اطلاعات ہیں؟"

"گیارہ بجے، وہ دفتر سے نکل گیا تھا۔"

"کہاں گیا تھا؟"

"روانگی کی رپورٹ لکھے بغیر آفس سے نکلا تھا۔"

"کیا یہی طریقہ رائج ہے، آپ کے دفتر میں؟"

"جی نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ روانگی کی رپورٹ اسی وقت درج کی جاتی ہے جب کسی سرکاری کام کے لئے روانگی ہوتی ہے۔ نجی ضرورت کے تحت باہر جانا ہو تو عموماً یونہی چلے جاتے ہیں۔"

"کیپٹن فیاض! انسپکٹر شاہد کا اس طرح غائب ہو جانا، آپ لوگوں کو دشواریوں میں بھی مبتلا کر سکتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں، جناب! یقیناً اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، ورنہ اس طرح غائب ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"کیا اُس معاملے میں آپ سے اس کی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"تو آپ کو اس کا علم ہو گا کہ سنگزاد پر پتھراؤ کی ابتدا کیسے ہوئی تھی؟"

"جی ہاں، اس نے مجھے بتایا تھا۔"

"اور یہ بھی بتایا ہو گا کہ اُسے اس کا علم کس سے ہوا تھا؟"

"جی ہاں.... اسی لانڈری کے ایک دھوبی سے، جس کا نام سیدو ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ جیسے ہی انسپکٹر شاہد کا سراغ ملے، مجھے مطلع کیجئے گا۔"

"بہت بہتر جناب!" فیاض نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

فوراً ہی پھر گھنٹی بجی اور اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والے

کی آواز سن کر طویل سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو، چھ بجے سے اس وقت تک کئی بار رنگ کر چکا ہوں۔"

"کیا کسی فقیری نسخے کی ضرورت پیش آگئی ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"سنو! میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" فیاض نے جھنجھلا کر کہا.... "سنجیدگی سے میری بات سنو۔"

"بیان جاری رکھو۔ جب سے مر کر دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔ سنجیدگی کے مارے بُرا حال ہے۔"

"تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان انسپکٹر شاہد تمہارے پاس تھا۔"

"انکار کیوں کروں گا۔ شاہد ہی تھا۔ شاہدہ تو نہیں تھی۔"

"وہ، تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟"

"ایک کلو امرتیاں بھی لایا تھا، سلیمان کے لئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کیوں گیا تھا، تمہارے پاس؟"

"تمہارا کیا خیال ہے، کیوں آیا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتا۔ تم سے پوچھ رہا ہوں؟"

"اس لئے آیا تھا کہ اس کا آفیسر بالکل چغد ہے اُسے یہ نہیں بتا سکا تھا کہ آئی ایس آئی والوں کو سنگزاد کے تعاقب کی کیا وجہ بتائے گا۔"

"یہ میں بتاتا، اُسے؟ دیکھو عمران ہوش کے ناخن لو۔ میں نے ابھی تک کرنل فیضی کو یہ نہیں بتایا کہ وہ دفتر سے نکل کر تمہارے پاس آیا تھا۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

"وہ غائب ہو گیا ہے۔ مقررہ وقت پر کرنل فیضی کے پاس نہیں پہنچا۔ کرنل فیضی، مجھ سے اس کی نقل و حرکت کا چارٹ طلب کر رہا ہے۔"

"تو کیا واقعی، یہ کوئی بہت اہم معاملہ ہے؟"

"میں نہیں جانتا.... لیکن آئی ایس آئی والوں کی بے چینی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"بہر حال، تم دشواری میں پڑ گئے ہو۔" عمران کی آواز آئی۔

"قطعاً نہیں۔ اگر میں کرنل فیضی کو یہ بتادوں کہ وہ دفتر سے نکل کر کہاں گیا تھا۔"

"کیوں نہیں بتادیا؟"

"محض اس لئے کہ کہیں تمہیں پھر نہ غرق ہونا پڑے۔"

"کیوں ہانک رہے ہو؟"

"اچھا تو کیا مجھے علم نہیں ہے کہ آئی۔ ایس۔ آئی والوں سے پیچھا چھڑانے ہی کے لئے تم، جوزف سمیت غرق ہو گئے تھے۔"[ل]

"بہت باخبر ہوتے جا رہے ہو۔" عمران نے کہا۔ "اچھی بات ہے تو تم ان لوگوں سے اپنا پیچھا چھڑا لو۔"

"یعنی کرنل فیضی کو آگاہ کر دوں کہ شاہد تم سے ملا تھا؟"

"بالکل آگاہ کر دو۔" عمران نے کہا اور رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

فیاض نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ریسیور کو گھورتا رہ گیا۔ پھر اس نے کریڈل دبا کر شاید کرنل فیضی ہی کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"کیپٹن فیاض، سر!"

"کیا خبر ہے؟"

"بارہ بجے تک وہ مسٹر علی عمران کے ساتھ رہا تھا۔ مسٹر علی عمران، ہمارے ڈائریکٹر جنرل صاحب کے فرزند ہیں۔"

"اُس کے بعد....؟"

"مسٹر علی عمران نے لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہم خود دیکھ لیں گے۔ آپ بری الذمہ"

"شکریہ جناب!"

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ فیاض کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔



عمران کی ٹو سیٹر، سر سلطان کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انہوں نے اُسے فوری طور پر طلب کیا تھا۔ فیاض کی کال کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی فون پر اُن کی کال آئی تھی اور عمران فوراً

[ل] اس داستان کے لئے "موت کی آہٹ" سے "لرزتی لکیریں" تک کا سلسلہ ملاحظہ فرمائیے۔

روانہ ہو گیا تھا۔

سر سلطان، اُس کے منتظر تھے۔ اس پر نظر پڑتے ہی بولے۔ ”تم نے آج کا اسٹار دیکھا؟“

عمران کھوپڑی سہلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ ”جی نہیں۔ میں نے تو نہیں دیکھا لیکن شاید آپ بھی سنگزاد ہی کے سلسلے میں پوچھ رہے ہیں؟“

”آپ بھی سے کیا مراد ہے.... کیا پہلے بھی کوئی پوچھ چکا ہے؟“

”آئی ایس آئی والے بھی اُسی کے چکر میں ہیں۔“

”اگر نہ ہوں تو مجھے حیرت ہو گی۔“

”لیکن آپ کو بہت دیر میں خیال آیا ہے۔ اس وقت رات کے نو بجے ہیں۔ آئی ایس آئی والے تو صبح ہی سے حرکت میں آگئے تھے۔“

”میں ہر ایک کا صورت آشنا تو نہیں ہوں۔ جب محکمے کے ایک ذمہ دار فرد نے اُس کی طرف توجہ دلائی تو مجھے حالات کا علم ہوا۔“

”قصہ کیا ہے؟“

”یہ شخص، جو خود کو سنگزاد کہتا ہے۔ افریقہ کے ایک ملک میں ہمارے سفارت خانے کا فوجی اتاشی تھا۔ اصل نام شہزاد ہے۔ وہاں سے اچانک غائب ہو گیا۔ اس کی تحویل میں میرے محکمے کے بھی کچھ کاغذات تھے۔ جن کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔“

”کب کا واقعہ ہے؟“

”دو سال پہلے کی بات ہے۔ میرے محکمے سے تعلق رکھنے والے کاغذات بے حد اہم تھے! اور کئی ملکوں سے تعلقات پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ اگر آئی ایس آئی والے بھی چونک پڑے ہیں تو یقین کرو کہ یہ شخص کرنل شہزاد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“

”پتا نہیں کب سے وہ یہیں مقیم ہو۔“ عمران نے کہا۔ ”لیکن ہمیں پتا اُس وقت چلا جب اُس پر پتھراؤ ہونے لگا۔“

”اچھا تو پھر....؟“

”اور پتھراؤ بھی خواہ مخواہ.... نہ وہ پاگل پن کی حرکتیں کرتا ہے اور نہ کسی سے کوئی غرض ہی رکھتا ہے۔“

”کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”خاص طور پر ہماری توجہ اُس کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔“ عمران نے کہا اور انہیں بتانے لگا کہ سنگباری کی ابتداء کیسے ہوئی تھی۔

”بڑی عجیب بات ہے اور اس پر سنگباری کا کوئی اثر بھی نہیں ہوتا اور وہ یاد داشت بھی کھو بیٹھا ہے۔ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”جانتا ہوتا تو کرنل سے دھوبی کیوں بن جاتا؟ بہر حال اس کی طرف توجہ مبذول کرانے ہی کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔“

”کس نے کیا ہے اور کیوں؟“

”یہی دیکھنا پڑے گا۔ اس شخص کا پتا نہیں چل سکا جس نے ایک بچے کو پانچ روپے کا نوٹ دے کر پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔“

”کیا تم نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی؟“

”میں نے تو اس سلسلے میں ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔ انسپکٹر شاہد کا بیان ہے کہ سیدو دھوبی اس شخص کی نشاندہی نہیں کر سکا تھا۔“

”بہر حال، اب تمہیں بھی کچھ کرنا ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہوا کہ ہم سے بھی اس کا کچھ نہ کچھ تعلق پیدا ہی ہو گیا۔ ورنہ کرنل فیضی خواہ مخواہ سر ہوتا۔“

”کیا قصہ ہے؟“

عمران، انہیں کیپٹن فیاض کی کال سے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ ”اب میں ذرا گھر فون کر کے پتہ کرلوں کہ کوئی خاص واقعہ تو نہیں پیش آیا۔ میرا مطلب ہے فیاض کی زبان سے میرا نام سنتے ہی کرنل فیضی آپے سے باہر ہو گیا ہو گا۔“

”فکر مت کرو۔ اُن لوگوں سے میں نپٹوں گا۔“

عمران نے فون پر فلیٹ کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے سلیمان کی آواز آئی۔

”نیچے ایک جیپ کھڑی ہوئی ہے.... اور سٹنگ روم میں ایک کپتان صاحب تشریف فرما ہیں۔“

”کیوں تشریف فرما ہیں؟“

"آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اچھا سن، ہوسکتا ہے، وہ تجھ سے پوچھیں کہ کس کی کال تھی۔ اُن سے کہہ دینا کہ صاحب کی ایک گرل فرینڈ خیریت دریافت کر رہی تھی۔"

"اور وہ یہیں دھرے رہیں گے۔"

"فکر نہ کر۔ اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ فی الحال اُن سے پوچھ لے کہ چائے پئیں گے یا کافی۔"

"ٹھنڈا پانی پہلے ہی پی چکے ہیں۔"

"بس، بکواس بند۔" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور سر سلطان کی طرف مڑ کر بولا۔ "کرنل فیضی کے آدمی وہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"تمہارے فلیٹ میں۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھہرو.... میں دیکھتا ہوں۔" سر سلطان نے کہا اور فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کر کے کہا۔

"کرنل فیضی، پلیز!"

"گھر پر ہوں گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"گھر پر ہی ملاؤ۔"

"یور آئیڈنٹی، پلیز!"

"سیکریٹری برائے امور خارجہ۔"

"ہولڈ آن کیجئے، جناب!"

"تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ "فیضی...."

"میں سلطان ہوں۔"

"فرمایئے.... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ کو مطلع کرنا ہے کہ علی عمران باقاعدہ طور پر وزارتِ خارجہ کے لئے کام کرتا ہے اور سنگزاد سے وزارتِ خارجہ کو بھی اتنی ہی دلچسپی ہو سکتی ہے جتنی آئی ایس آئی کو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کرنل شہزاد کی تحویل میں ہمارے بھی کاغذات تھے۔ جب وہ غائب ہوا تھا۔"

"لیکن ابھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ سنگزاد شہزاد ہی ہے۔"

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس وقت آپ کے کچھ لوگ عمران کے فلیٹ میں موجود ہیں۔"

"جی ہاں، مسٹر علی سے انسپکٹر شاہد سے متعلق پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

"وہ اس وقت یہیں میرے پاس موجود ہے۔ کیا میں اُسے ریسیور دوں؟"

"بہت بہت شکریہ۔"

سر سلطان نے ریسیور عمران کی طرف بڑھا دیا۔ عمران نے ہونٹ بھینچ کر عجیب سی شکل بنائی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو....!"

"مسٹر عمران۔"

"فرمایئے....؟"

"انسپکٹر شاہد، آپ کے پاس سے کہاں گیا تھا؟"

"یہ تو نہیں بتایا تھا، اُس نے۔"

"آپ کے پاس کیوں آیا تھا؟"

"آتا ہی رہتا ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ جب بھی پرنس سویٹ مارٹ کی طرف سے گزرتا ہے ہمارے لئے امرتیاں ضرور لاتا ہے۔"

"کیا سنگزاد سے متعلق بھی کچھ گفتگو ہوئی تھی؟"

"ظاہر ہے کہ ہوئی تھی کیونکہ....!"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ کیا خود سنگزاد نے اُسے بتایا تھا کہ کسی نے کسی بچے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی؟"

"جی نہیں.... ایک دھوبی نے جو سنگزاد کا پڑوسی ہے۔"

"کیا آپ کو اس دھوبی کا نام یاد ہے؟"

"کیوں نہیں، سیدو دھوبی.... اور وہ بھی اُسی لانڈری میں کام کرتا ہے۔"

"شکریہ، مسٹر عمران! مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ بھی تعاون کریں گے۔"

"لیکن اس سلسلے میں یہ بھی واضح کردوں کہ سیدو دھوبی اُس شخص کی نشاندہی نہیں کر سکتا جس نے سنگباری کی ترغیب دی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سیدو کہتا ہے کہ میں نے سنا تھا لیکن یہ یاد نہیں کہ کس سے سنا تھا۔"

"تب تو بات نہیں بنتی۔"

"لیکن شاہد پروگرام کے مطابق آپ سے کیوں نہیں ملا؟"

"یہی تشویش کا باعث ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی نے اُسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔"

"آخر کیوں؟"

"ہوسکتا ہے کہ مقصد یہی ہو کہ وہ آپ سے نہ مل سکے۔"

"میں سمجھتا ہوں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"وہ شخص اس سلسلے میں اہم ہے، جس نے سنگباری کی ترغیب دی تھی۔"

"بہرحال، اگر ہم آپس میں معلومات کا تبادلہ کرتے رہیں تو دونوں کے لئے بہتر ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"شکریہ، ضرورت پڑنے پر میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

"ہمہ وقت۔" عمران نے بائیں آنکھ دبا کر کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور رکھ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا رویہ درست تھا۔" سر سلطان مسکرا کر بولے۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار پائے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اگر کوئی پارٹی، سنگزاد کی تشہیر ہی کرنا چاہتی ہے تو شاہد کے غائب ہوجانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟"

"شاید تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کرنل فیضی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔" سر سلطان بولے۔

"یہ بات تو نہیں تھی۔ دراصل وہ تعاقب کا کوئی جواز چاہتا تھا اور مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد خاصا مطمئن ہوگیا تھا۔ بہرحال اپنے نکتہ نظر سے ہمیں فی الحال اس فرد کو تلاش کرنا چاہئے جس نے کسی بچے کو ترغیب دی تھی۔ اس کے لئے سب سے پہلے اُس بچے کو تلاش کرنا ہوگا۔"

"اس بچے کو تو وہ جانتا ہی ہوگا۔"

"جی نہیں! سیدو دھوبی نے اس کے بارے میں بھی سنا ہی تھا۔"

"خاصا دشوار مسئلہ ہے۔"



سیدو دھوبی کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی تھی۔ پتا نہیں کتنے لوگ اس سے پوچھ گچھ کر چکے تھے اور آخر تنگ آکر اُس نے ہر ایک سے کہنا شروع کردیا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ سنگزاد کا معاملہ ہے۔ اسی سے پوچھو جاکر۔

لانڈری سے دونوں ساتھ ہی نکلے تھے اور اپنی جھونپڑی کی طرف چل پڑے تھے۔

"او، بھائی سنگزاد.... آخر یہ کیا چکر ہے؟" سیدو نے کہا۔

"میں کیا جانوں، بھائی؟"

"ایسے ایسے لوگوں نے تمہارے بارے میں پوچھا ہے کہ کیا بتاؤں۔"

"اخبار میں تصویر چھپنے کی وجہ سے؟"

"تصویر یوں چھپی ہے کہ تمہارے چوٹ نہیں لگتی۔ ہماری تصویر تو چھاپ دے کوئی مائی کا لال۔"

"یہ چوٹ آخر کیا ہوتی ہے؟"

"ہائیں.... تم چوٹ بھی نہیں جانتے؟"

"نہیں بھائی!"

"کیا واقعی پتھر کے ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"کیا آسمان سے ٹپکے ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

اندھیرا ہوگیا تھا۔ اس لئے وہ سکون سے چلے جارہے تھے۔ اس وقت بچے اُن پر پتھراؤ نہیں کررہے تھے لیکن ہوشمندوں کی ایک بھیڑ، اُن کے پیچھے چل رہی تھی۔ اکثر لوگوں نے سنگزاد سے گفتگو بھی کرنی چاہی تھی لیکن وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

اس طرح وہ اپنی جھونپڑیوں تک پہنچ گئے تھے۔ سنگزاد چپ چاپ جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔

اور سیدو اس آدمی سے الجھ پڑا جو شاید اُس کی جھونپڑی کے قریب اس کا منتظر تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جاؤ، اسی سے پوچھو، جو کچھ پوچھنا ہو۔"

"اس کے پاس تو ایک ہی جواب ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔" اجنبی نے کہا۔

"تو پھر کیا میں، اس کا باوا لگتا ہوں کہ مجھے معلوم ہوگا؟"

"اس کے پڑوسی اور مددگار تو ہو۔"

"جب وہ اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو میں کیا جانوں گا؟"

"کبھی کوئی اس سے ملنے بھی آتا ہے؟"

"جی نہیں.... دیکھئے، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔"

"سنو.... میرا تعلق پولیس سے ہے۔"

"ایک پولیس والے صاحب تو لانڈری ہی میں پوچھ گچھ کر چکے ہیں۔ اُسی کے بعد تو اخبار میں اس کی تصویر چھپی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دوسری طرح کے سوال کروں گا۔"

"کیجئے صاحب!" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

"یہاں اس بستی میں اُسے کون پہنچا گیا تھا؟"

"کوئی بھی نہیں۔ خود ہی آیا تھا، رہنے کی جگہ تلاش کرتا ہوا۔"

"لانڈری سے آنے کے بعد وہ کیا کرتا ہے؟"

"کھانا پکاتا ہے اور پڑ رہتا ہے۔"

"کہیں گھومنے پھرنے بھی نہیں جاتا؟"

"جی نہیں۔ میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔ جھونپڑی سے لانڈری اور لانڈری سے جھونپڑی۔"

"تم نے کس شخص سے اس آدمی کے بارے میں سنا تھا جس نے کسی بچے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی؟"

"یہی تو یاد نہیں آتا۔" وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"چلو، یہی بتا دو کہ بچہ کون تھا؟"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم، جناب!"

"کیسے معلوم ہوگا؟"

"کل صبح آجایئے اور اُن بچوں سے معلوم کرنے کی کوشش کیجئے جو اُسے پتھر مارا کرتے ہیں۔"

"ہاں، شاید اس طرح معلوم ہو جائے۔ اچھا سیدو صاحب بہت بہت شکریہ!" اجنبی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"سیدو صاحب...." سیدو نے آہستہ سے دہرایا اور "صاحب" کی لذت میں کھویا ہوا جھونپڑی میں داخل ہوا۔

"کون تھا، رے؟" اس کی بیوی نے پوچھا۔

"ارے وہی۔ پوچھنے والے چلے ہی آرہے ہیں۔"

"کیا پوچھ رہا تھا؟"

"اُس لونڈے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جس نے اُسے پہلا پتھر مارا تھا۔"

"تو بتا کیوں نہیں دیا۔"

"میں کیا جانوں، کون خدائی خوار تھا؟"

"میں جانتی ہوں۔"

"کون تھا....؟" سیدو اچھل پڑا۔

"ہوتا کون.... وہی شدے کا لونڈا.... گامو...."

"ارے نہیں...."

"ہاں، ہاں.... اُس کی چاچی نے مجھے بتایا ہے۔"

"سیدو الٹے پاؤں باہر بھاگا کہ اجنبی کو اس سے آگاہ کر دے۔ دراصل شدے سے اُس کی بہت پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ اُس نے سوچا یہ بہترین موقع ہے پولیس والے سالے کو پریشان کر ڈالیں گے۔"

آخر کار پلیا کے قریب اس نے اجنبی کو جا لیا۔

"رکیے، جناب.... ٹھہریئے، جناب...." اس نے کسی قدر فاصلے ہی سے اُسے آوازیں دینی شروع کر دیں۔ اجنبی رک کر اُس کی طرف مڑا۔

"آپ کے... چلے آنے... کے بعد... میری گھر والی.... نے بتایا...." وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"اچھا... اچھا... کیا بتایا؟"

"شدے کے لونڈے گامو کو کسی نے پانچ روپے دے کر پتھر مروایا تھا۔"

"شدے کون ہے؟"

"دھوبی ہی ہے، جناب! میرے گھر کے پاس رہتا ہے۔ اس کا لونڈا ہے، گامو.... باپ ہی کی طرح حرامی ہے۔"

"اچھا.... اچھا میں دیکھوں گا۔"

"ابھی دیکھ لیجئے۔ اس وقت، باپ، بیٹا دونوں جھگی ہی میں ہوں گے۔ لیکن جناب! میرا نہ معلوم ہونے پائے۔"

"نہیں.... نہیں، سیدو صاحب! بھلا ایسا بھی کیا۔ اُسے ہرگز یہ نہیں معلوم ہوگا.... کہ اس کا نام آپ نے لیا تھا۔"

اجنبی پھر جھونپڑیوں کی طرف مڑ گیا اور سیدو وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ آخر یہ کیسا پولیس والا ہے۔ اتنا نرم مزاج اور صورت ہی سے یتیم لگتا ہے.... یتیم نہیں، بیوقوف.... صورت ہی سے بے وقوف لگتا ہے.... ابے کہیں خفیہ پولیس والا نہ ہو.... خفیہ پولیس میں تو ایسے ہی آدمی رکھے جاتے ہوں گے جو صورت سے پولیس والے نہ لگیں۔ بالکل بے وقوف معلوم ہوں.... آ گئی شامت، سالے شدے کی۔



ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کرنل فیضی کی آواز آئی۔

"معلومات کے تبادلے کی بات ٹھہری تھی۔" عمران نے کہا۔

"ہمارے پاس فی الحال کوئی خاص اطلاع نہیں ہے۔"

"تو پھر تبادلہ کیسے ہوگا، کرنل صاحب؟" عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا، مسٹر عمران! کہ آپ کے پاس کوئی اطلاع ہے؟"

"بالکل ہے، لیکن پہلے آپ؟"

"مسٹر عمران...."

"کرنل پلیز.... میرے پاس کوئی اہم اطلاع نہیں ہے لیکن ایک تجویز ضرور ہے۔"

"کیسی تجویز....؟"

"مسنگزاد کو لانڈری سے کسی تجربہ گاہ میں منتقل کر دیا جائے۔"

"اس صورت میں وہ لوگ ہاتھ نہیں آ سکیں گے، جنہوں نے اُس کی پبلسٹی کرائی ہے۔ اصل میں یہی دیکھنا ہے کہ اُس کی اس انداز میں واپسی کیا معنی رکھتی ہے؟"

"اچھا، اگر وہ اس دوران میں کہیں غائب ہو گیا تو....؟"

"مشکل ہے، غائب ہو جانے کے باوجود بھی ہمارے علم ہی میں رہے گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر سنئے۔ اطلاع یہ ہے کہ اس شخص کا نام اور پتا معلوم ہو گیا ہے جس نے پہلے بچے کو پتھر مارنے کی ترغیب دی تھی۔"

"گڈ.... کون ہے؟"

"جہانگیر نامی ایک جگلر ہے۔ زیادہ تر سڑکوں کے کنارے مجمع لگا کر دوائیں بیچتا ہے۔ بوراجی اسٹریٹ کی عمارت، رانی لاج کے ایک فلیٹ نمبر بائیس میں رہتا ہے۔"

"آپ نے اس سے کیا معلوم کیا؟"

"فیچر شائع ہونے پر گیارہ بجے کے بعد سے اُس کی نقل و حرکت کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ ساڑھے دس بجے کے قریب وہ بوراجی اسٹریٹ کے مستان ہوٹل میں تھا۔ وہاں سے نکل کر گورا میڈیکل اسٹور میں گیا تھا۔ جہاں سے اس نے کسی کو فون کال کی تھی۔"

"پھر اس کے بعد....؟"

"اس کے بعد بلیک آؤٹ۔ کوئی بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے اس کے بعد کی نقل و حرکت کے بارے میں معلوم ہو سکتا۔"

"شکریہ، مسٹر عمران! ذرا اس کا پتہ دوبارہ بتائیے گا۔"

عمران نے جہانگیر کا پتہ دہراتے ہوئے کہا۔ "فلیٹ مقفل ہے اور اس کا کوئی پڑوسی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا۔"

"ہم دیکھیں گے۔" کرنل فیضی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ عمران ریسیور

کریڈل پر رکھ کر صفدر کی طرف مڑا۔

"آپ نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔" صفدر نے کہا۔

"کیسی جلد بازی....؟"

"ابھی پتا نہ بتانا چاہئے تھا۔ پہلے ہم اُس کے فلیٹ کی تلاشی لے لیتے۔" صفدر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا تم مجھے بہت عقلمند سمجھتے ہو؟" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"اپنی باتیں آپ خود ہی جانیں۔"

"میں پچھلی رات ہی کو سارے مراحل سے گزر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"پچھلی شام کو اس لڑکے کا سراغ مل گیا تھا۔ اس نے جہانگیر کی نشاندہی کی اور میں اُس کے فلیٹ تک جا پہنچا اور دو بجے شب کو فلیٹ کی تلاشی لے کر اُسے دوبارہ مقفل کر چکا تھا۔"

"کچھ ملا....؟"

"یقیناً.... یہ دیکھو۔" عمران نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر صفدر کو تھما دیا جس پر تحریر تھا۔ "ٹڈا.... ۷۱ ۸۸۳"

"یہ کیا ہے؟" صفدر نے حیرت سے کہا۔

"تم بتاؤ....؟"

"میں کیا بتاؤں.... ٹڈا اور یہ ہندسے.... بھلا کیا بات ہوئی؟"

"ٹھہرو! ایک نوٹ بک بھی ملی تھی۔" عمران نے پھر جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"اس میں کچھ یادداشتیں تحریر ہیں۔ جنہیں پڑھ کر تم، شاید کسی نتیجے پر پہنچ سکو۔"

اس نے نوٹ بک کھول کر ایک صفحہ، صفدر کے سامنے کر دیا۔

"لاحول ولا قوۃ...." صفدر ہنس پڑا اور پھر تحریر کو بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ "بکرے کے ذمے ساڑھے چار روپے۔ مرغا پلاس لے گیا تھا، ابھی تک واپس نہیں کیا۔ گلہری کے ذمے سات روپے، نچ بٹن کے ڈیڑھ روپے دے دیئے ہیں۔ بھینسا قینچی لے گیا ہے۔"

"لیکن، بھینسا قینچی لے گیا ہے، کو قلمزد کر دیا گیا ہے۔" اس نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ممکن ہے، بھینسا قینچی واپس کر گیا ہو۔" عمران نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"قینچی واپس مل جانے پر اُس نے اُسے قلمزد کر دیا ہو۔"

"یہ آخر ہے کیا بلا؟"

"تم اپنے ایک پڑوسی کو نیولا کیوں کہا کرتے تھے؟"

"اوہ تو یہ بات ہے۔"

"اچھا بھلا آدمی تھا، بیچارہ.... لیکن کسی وجہ سے تم اُسے نیولا کہتے تھے۔"

"راہ چلتے بالکل نیولوں کی طرح پلٹ پلٹ کر دیکھا کرتا تھا، خواہ مخواہ۔"

"بعض لوگ اسی طرح کی کچھ علامتیں مقرر کر لیتے ہیں اور اپنے شناساؤں کو انہی علامتوں کے حوالے سے یاد کرتے ہیں۔ جہانگیر میں یہ مرض کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر گیا ہے۔"

"ممکن ہے، آپ کا خیال درست ہو۔"

"بکرے، مرغے اور گلہری سے تو شاید ہماری ملاقات نہ ہو سکے لیکن ٹڈا شاید مل جائے۔ اس صورت میں کہ اگر یہ اُس کے فون نمبر ہوئے۔"

"یہ ہندسے....؟"

"ہاں، یہ فون نمبر بھی ہو سکتے ہیں اور جس کے فون نمبر ہوں وہ جہانگیر کو ٹڈے سے مشابہ لگتا ہو۔"

"ضروری نہیں کہ فون نمبر ہی ہوں۔"

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟" عمران نے کہا اور پھر فون کی طرف پلٹ گیا۔ نمبر ڈائیل کیے۔ ریسیور کان سے لگایا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ دفعتاً آواز آئی۔ "ڈاکٹر فوریل کی قیام گاہ۔"

"سوری، رانگ نمبر" کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"کیا واقعی کسی کے فون نمبر ہی تھے؟" صفدر نے پوچھا۔

"بالکل.... کسی ڈاکٹر فوریل کے گھر کے نمبر۔" عمران نے کہا۔ "اور اب تم یہ معلوم کرو گے کہ جس عمارت کا یہ فون نمبر ہے، وہ کہاں واقع ہے اور یہ ڈاکٹر فوریل کون ہے، اور کیا اس عمارت میں کوئی ایسا فرد بھی موجود ہے جس پر ٹڈے والی علامت فٹ ہو سکے؟"

"کتنا وقت دیں گے؟"

"دو گھنٹے کافی ہوں گے۔"

"فون نمبر سے جگہ کی نشاندہی کے لئے زیادہ وقت چاہئے۔"

"قطعی نہیں، دس منٹ کی بات ہے۔"

"آج یوں بھی چھٹی کا دن ہے۔"

"شاید تم اونگھ رہے ہو۔" عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "سائیکو مینشن کے آپریشن روم میں کبھی چھٹی نہیں ہوتی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ سائیکو مینشن اپنی اسپیشل ٹیلی فون ڈائریکٹری رکھتا ہے۔"

"واقعی شاید میں اونگھ ہی رہا تھا۔ پارٹ تھری میں فون نمبروں سے جگہوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔"

"پارٹ فور میں۔"

"بہر حال...." صفدر طویل سانس لے کر بولا۔ "میں جلد سے جلد معلومات فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"میں یہاں ملوں گا یا کیپٹن فیاض کے گھر.. اس کے فون نمبر تو ہوں گے... تمہارے پاس؟"

"جی ہاں۔" صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا انسپکٹر شاہد ابھی تک نہیں پلٹا؟"

"کوئی بڑا چکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سراغ ابھی تک نہیں مل سکا۔"

"آخر کس قسم کا چکر ہو سکتا ہے؟"

عمران گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "تم وقت ضائع کر رہے ہو۔"

"واقعی...." صفدر اٹھتا ہوا بولا اور فلیٹ سے نکل گیا۔

عمران نے سلیمان کو آواز دی لیکن اس کی بجائے گلرخ آئی۔

"تو سلیمان کب سے ہو گئی ہے؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

"وہ آرام فرما رہے ہیں پچھلی رات سیکنڈ شو میں تشریف لے گئے تھے۔"

"آپ نہیں تشریف لے گئی تھیں۔"

"اُس کے ساتھ جاؤں گی.... تھرڈ ریٹ فلمیں دیکھتا ہے۔ "ککڑ دی ککڑی" جیسی فلم میں نے دیکھ لی تو میرا کیا حال ہو گا؟"

"حال تو واقعی مناسب نہ ہوگا۔ لیکن آخر اس کا بھی تو دل چاہتا ہو گا کہ تو اُس کے ساتھ گھومنے پھرنے جایا کرے۔"

"بس...." وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "اپنی نصیحتیں اپنے پاس ہی رکھئے۔"

"جی بہت بہتر۔" عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"کس لئے آواز دی تھی، اُسے؟"

"یہ پوچھنے کے لئے کہ ٹانگوں والے مرغ بازار میں ابھی آئے یا نہیں؟"

گل رخ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"واقعی بہت دنوں سے آپ کو مرغ کی ٹانگیں نہیں ملیں۔ وہ کہتا ہے کہ اتنا بڑا آدمی ٹانگیں کیا کھائے گا.... اور ایک خود کھا لیتا ہے اور دوسری مجھے کھلا دیتا ہے۔"

"اتنا بڑا آدمی.... یہ کس کا ذکر ہے؟"

"آپ کا صاحب جی!" وہ لہک کر بولی۔

"اچھا...." عمران اس سے بھی زیادہ خوش ہو کر بولا۔ "پورا مرغ، تم دونوں کھا لیا کرو۔ میں بھیک مانگ کر گزارہ کر لیا کروں گا۔"

"خدا نہ کرے۔"

"تم دونوں مجھے اتنا بڑا آدمی سمجھتے ہو تو اب یہی سہی۔"

"میں ہر معاملے میں بے قصور ہوں۔ یہ سب کچھ وہی کرتا ہے۔"

"تجھ سے شادی بھی تو اُسی نے کی تھی۔"

"بڑے سرکار کی دھونس تھی ورنہ میں تو اُسے جوتی کی نوک پر بھی نہ مارتی۔ چوہدری سلیمان ہونہہ.... ایسے ہی جٹ کے پلے باندھنا تھا تو پھر مجھے میٹرک تک پڑھوایا کیوں تھا؟"

"اتنے قابل آدمی کو جٹ کہہ کر کیوں اپنی عاقبت خراب کرتی ہے؟"

"قابل...." وہ ہنس پڑی۔

"خیر.... خیر.... ہاں تو میں باہر جا رہا ہوں۔ میری کوئی کال آئے تو کہہ دینا کہ میں.... لیکن کیا کہہ دینا؟" عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اور گلرخ بولی۔

"کہہ دوں کہ اوورسیز فلائی کر گئے ہیں۔"

"نہیں۔ بٹر فلائی پکڑنے گئے ہیں۔"

"یہ آخر تتلی کو بٹر فلائی کیوں کہتے ہیں۔ بٹر کے معنی ہیں مکھن.... اور فلائی مکھی کو کہتے ہیں۔ مکھن مکھی.... کیا بات ہوئی۔"

"بڑا خوش قسمت ہے، سلیمان کہ تو اس سے اتنے بے ڈھب سوال نہیں پوچھ سکتی۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"یہ انگریز ہوتے ہی ہیں، بونگے!"

"اچھا.... اچھا.... کہہ دیجیو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔" عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور فلیٹ سے باہر آگیا۔

انسپکٹر شاہد کے سلسلے میں، اُسے بھی تشویش تھی۔ لہٰذا وہ کیپٹن فیاض کی طرف چل پڑا۔ چھٹی کا دن تھا اس لئے گھر ہی پر ملاقات ہو سکتی تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ چھٹی گھر ہی پر گزارتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد اس کی ٹو سیٹر، فیاض کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور فیاض کا ملازم، عمران کو دیکھ کر دوڑا آیا۔

"صاحب اور بیگم صاحب تو موجود نہیں ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"کیوں بکواس کر رہا ہے؟" اس کے عقب سے آواز آئی اور عمران چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کراٹے کی باڑھ کے پیچھے سے ایک چہرہ اُبھرا تھا.... اور پھر وہ شخصیت پوری کی پوری سامنے آگئی۔

یہ ایک ستر سالہ بوڑھا تھا۔ کلین شیو اور بے حد بھڑکدار رنگین بشرٹ اور گہری نیلی پتلون میں کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ چہرے پر لاتعداد جھریاں تھیں لیکن آنکھوں میں بچوں کی آنکھوں کی سی شوخی پائی جاتی تھی۔

ملازم اس کی طرف مڑا اور اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم ہر ایک کو یہی اطلاع دے کر رخصت کر دیتے ہو۔"

"پھر کیا کروں، جناب؟"

"ہو سکتا ہے یہ مجھ سے ملنے آئے ہوں.... کیوں جناب؟"

"جج.... جی.... ہاں۔" عمران ہکلا کر بولا اور اُس کے چہرے پر حماقتوں کے ڈونگرے برسنے لگے۔

"آیئے، آیئے.... تو پھر اُتر آیئے، گاڑی سے۔"

"جج.... جی.... بہت اچھا۔" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور گاڑی سے اُتر آیا۔ فیاض کا ملازم طویل سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ عمران کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ بوڑھا، عمران کو ڈرائینگ روم میں لے آیا۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے عمران سے کہا۔

"مم.... مجھے افسوس ہے کہ نہیں لا سکا۔"

"کیا نہیں لا سکے؟"

"تت.... ترشیف...."

"میں نے کہا تھا، تشریف رکھئے.... یعنی بیٹھ جایئے۔"

"شکریہ، شکریہ.... میری اردو کچھ گڑبڑ سی ہے۔ بچپن ہی میں انگلستان بھیج دیا گیا تھا۔"

"اوہ.... اچھا، اچھا...." بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "میں، فیاض کا سسر ہوں۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں؟" عمران بے یقینی سے ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب؟" بوڑھا سنجیدہ ہو گیا۔

عمران گڑبڑا کر بولا۔ "مم.... مطلب یہ کہ آپ اتنے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ سسر کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"جانتے ہو سسر کسے کہتے ہیں۔"

"شاید کچھ واہیات سی بات ہے۔ کیونکہ میرا دودھ والا اپنے ملازم کو ابے سسرے کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔"

"بکواس، بعض جاہل لوگ، الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ سسر، بیوی کے والد کو کہتے ہیں۔"

"اوہو، تو آپ بیگم صاحب کے والد ہیں۔" عمران خوشی کے اظہار میں اچھل پڑا اور بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں جناب! لیکن لفظ سسر پر مجھے اب بھی اعتراض ہے۔ ارے بیوی کے والد کو سکندرِ اعظم ہونا چاہئے۔"

”کیا اب میرا مذاق اڑاؤ گے؟“

”ہرگز نہیں جناب!“ عمران دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹتا ہوا بولا۔ ”اور بیوی کی والدہ صاحبہ کیا کہلاتی ہیں؟“

”آپ کی بیوی کی والدہ صاحبہ کیا کہلاتی ہیں؟“ بوڑھے نے بھنا کر پوچھا۔

عمران نے شرما کر نہ صرف سر جھکا لیا بلکہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بھی مروڑنے لگا۔

”جواب نہیں دیا آپ نے؟“

”جج.... جی.... ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔“

”اچھا.... اچھا“ بوڑھا اُسے دلچسپی سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”بیوی کی والدہ کو خوشدامن کہتے ہیں۔“

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن آپ جیسا اسمارٹ اور ہینڈسم آدمی سسر کہلائے، یہ مجھے گوارا نہیں.... خوشدامن، واہ وا.... میں تو اپنے ہونے والے سسر کو ہرگز سسر نہیں کہوں گا۔ خوش پگڑی یا خوش ٹوپی کیسا رہے گا، خوشدامن کی مناسبت سے؟“

”تم دماغ سے تو اُترے ہوئے نہیں ہو؟“ بوڑھا اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”جی نہیں۔ بالکل نہیں۔“

”تم آخر ہو کون؟ اور فیاض سے کیوں ملنے آئے ہو؟“ بوڑھے نے اُسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر یک بیک چونک کر بولا۔ ”تمہارا نام عمران تو نہیں ہے؟“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“ عمران ایک بار پھر اچھل پڑا۔

”یار، تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ بے بی سے تمہارے بڑے تذکرے سنے ہیں۔“

”لیکن بات سسر ہی پر رکی رہے گی۔“

”ختم بھی کرو۔ یہ لفظ مجھے بھی اچھا نہیں لگتا لیکن کیا کیجئے کہ اپنے یہاں یہی رائج ہے۔“

”چلئے، آپ کہتے ہیں تو میں بصد افسوس اس موضوع کو ترک کرتا ہوں۔“

”بہت اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ میں شدت سے بور ہو رہا تھا۔ یہاں آؤ تو کوئی بات کرنے کو نہیں ملتا.... بے بی سدا کی کم سخن ہے اور رہے فیاض صاحب! تو انہیں کبھی فرصت ہی نہیں ملتی۔“

”تو پھر آپ آتے ہی کیوں ہیں؟“

”مجبوراً آنا پڑتا ہے۔ اس بار ایک اہم مسئلہ کھینچ لایا ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ بے بی لاولد ہے۔ میرے ایک دوست نے اطلاع دی تھی کہ یہاں آج کل ایک غیر ملکی لیڈی ڈاکٹر مسز فوریل مقیم ہے جو اس معاملے کی ماہر ہے۔ بے شمار لاولد لوگ اس کی کوششوں سے بامراد ہو چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں بھی دیکھوں۔“

فوریل کے نام پر عمران کے کان پہلے ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ سکون سے سنتا رہا۔ بوڑھا کہہ رہا تھا۔ ”میرا وہ دوست بھی ڈاکٹر ہی ہے اور مسز فوریل کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے طریق کار کا مطالعہ کرے۔“

”تو آپ بیگم فیاض کا علاج کرائیں گے؟“

”ہاں، میں اسی لئے آیا ہوں۔“

”تو پھر اس لیڈی ڈاکٹر کو دکھا دیا؟“

”ابھی نہیں۔“ بوڑھے نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر ڈیوڈ یعنی میرا دوست مجھ سے ملنے آ رہا ہے۔ پندرہ منٹ بعد یہاں پہنچ جائے گا۔“

”تو یہ ڈاکٹر ڈیوڈ ہی مسز فوریل کے ساتھ کام کر رہا ہے؟“

”ہاں۔ اس کا کہنا ہے کہ فوریل حیرت انگیز عورت ہے۔ متعدد مایوس خواتین، اُس کے طریق علاج سے بامراد ہو چکی ہیں۔“

”تب تو بڑی اچھی بات ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”آخر تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟“

”کسی سے شادی کی درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے اور ڈیڈی کہتے ہیں کہ جہاں دل چاہے، شادی کر لو۔ میں دخل نہیں دوں گا۔“

”بڑے خوش قسمت ہو۔ میرے ڈیڈی اس معاملے میں بے حد سخت ہیں۔“

”آپ کے ڈیڈی....!“ عمران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”ہاں ہاں.... وہ زندہ ہیں اور مجھ سے بھی زیادہ زندہ دل واقع ہوئے ہیں۔ پچانوے سال عمر ہے۔ مجھ سے زیادہ تندرست ہیں اور پچھلے ہی سال ایک گونگی خاتون سے شادی کی ہے۔“

”جینئس!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"گونگی خاتون.... واہ، اس عمر میں اتنی عاقبت اندیشی، ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ میں بھی ان کی زیارت ضرور کروں گا۔"

"اب میرے باپ کا مذاق اڑاؤ گے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ سب لاجواب ہیں۔ کیا فیاض صاحب کی خوشدامن تشریف نہیں لائیں؟"

"دس سال ہوئے، وہ دوسری دنیا میں تشریف لے گئیں۔"

"ہائیں، تو کیا آپ نے پھر شادی نہیں کی؟"

"نہیں...." وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"والد، والد ہی ہوتا ہے۔" عمران معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کے والد نے پچانوے سال کی عمر میں شادی کی اور آپ اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"انہیں میرے لئے بھی کسی گونگی ہی کی تلاش ہے۔"

"ارے تو اسی سے کر دیتے، جس سے خود کی ہے۔"

"کیوں بکواس کرتے ہو۔ اُن سے تو اُن کا رومان چل رہا تھا۔"

"رومان بھی۔" عمران کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم نے آکر کسی کی آمد کی اطلاع دی اور بوڑھا عمران کو وہیں چھوڑ کر خود اس کے استقبال کے لئے دوڑا چلا گیا۔

عمران نے دیدے نچائے اور ٹھنڈی سانس لے کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد بوڑھا ایک عجیب الخلقت آدمی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ بھی بوڑھا ہی تھا.... عمر کے اعتبار سے غیر معمولی طور پر چاق و چوبند اور پھرتیلا نظر آ رہا تھا۔

"میرے دوست۔ ڈاکٹر ڈیوڈ۔" فیاض کے سسر نے تعارف کرایا۔ "اور یہ ہیں مسٹر عمران۔"

"ہاؤ ڈو یو ڈو۔" بوڑھے نے لاپرواہی سے عمران کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اُس کی توجہ فیاض کے سسر ہی کی جانب تھی۔ لیکن پھر اُسے چونکنا ہی پڑا۔ جب عمران نے مصافحہ کرنے کی بجائے اُس کی ہتھیلی کو انگلی سے سہلا کر ہاتھ ہٹا لیا۔

وہ عمران کو گھورتا رہا۔ فیاض کا سسر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم پھر کمرے میں داخل ہو کر عمران سے بولا۔ "آپ کی فون کال ہے، صاحب!"

"مم.... میری....!" عمران چونک کر بولا۔ "اچھا۔"

وہ ملازم کے ساتھ اُس کمرے کی طرف چل پڑا۔ جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

"ان سسر صاحب کا نام کیا ہے؟" عمران نے اس سے پوچھا۔

"آپ نہیں جانتے؟" ملازم نے حیرت سے پوچھا۔

"میں پہلی بار ملا ہوں۔"

"شبلی صاحب کہلاتے ہیں۔ مغز چاٹ ڈالتے ہیں۔ ہر وقت کوئی باتیں کرنے کو چاہیئے۔"

عمران نے سر کو جنبش دے کر ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے صفدر کی آواز سنائی دی۔

"اس عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی ٹڈا نہیں تھا۔ جو ابھی ابھی فیاض کے بنگلے میں داخل ہوا ہے۔"

"اور یہ کہ فوریل کوئی مرد نہیں، بلکہ عورت ہے۔" عمران نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں؟"

"ہاں، ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔ عمارت کہاں ہے؟"

"ماڈل ٹاؤن۔ کوٹھی نمبر ایف ایک سو گیارہ۔ واقعی بتایئے، کیا وہ ٹڈا نہیں لگتا؟"

"صد فیصد۔"

"لیکن فیاض کے بنگلے میں اس کا کیا کام؟"

"پھر بتاؤں گا۔" کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈرائنگ روم میں واپس جائے یا یہیں سے رخصت ہو جائے۔ اچانک اس نے فیاض کی آواز سنی جو شاید کسی ملازم کو ہدایات دے رہا تھا۔

"بہت انتظار کراتے ہو۔" عمران نے کمرے سے برآمد ہو کر کہا اور فیاض چونک کر اُسے

حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے بالآخر سوال کیا۔

"تمہارے خوش پگڑی نے روک لیا تھا۔ ورنہ میں تو واپس جا رہا تھا۔"

"خوش پگڑی....!"

"وہ بد تمیزی کا لفظ میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"شبلی صاحب نے روک لیا۔"

"اوہ...." فیاض طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"تم نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا کہ کوئی ایسی شے بھی تمہاری زندگی میں پائی جاتی ہے۔"

"میں نے تمہاری آمد کا مقصد پوچھا تھا۔"

"انسپکٹر شاہد۔"

"تمہیں اس سے کیا سروکار؟"

"تم نے خواہ مخواہ آئی ایس آئی والوں کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"وہ آخر تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟"

"پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ کبھی کبھی مجھ سے ملتا رہا ہے۔ ہاں تو اس کا سراغ ملا یا نہیں؟"

"نہیں۔ شاید تم...." فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں، شاباش.... کہہ ڈالو، جلدی سے۔ کیونکہ شبلی صاحب کے پاس ڈاکٹر ڈیوڈ تمہارا ہی منتظر ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ.... بڑے میاں کا تو دماغ چل گیا ہے۔ ہم جیسے بھی ہیں، ٹھیک ہیں۔"

"اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔

فیاض بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا، خدا حافظ" عمران مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔" فیاض مصافحہ کرتا ہوا بے یقینی سے بولا۔ "تم محض شاہد کے لئے آئے تھے۔"

"یار، تم آئی۔ ایس۔ آئی والوں کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ کرنل فیضی، جونک ہے جونک.... زندگی تلخ کر دی ہے۔"

فیاض ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "اب آئے ہو، پہاڑ تلے۔"

"تمہاری بدولت۔"

"بہت پریشان کیا ہے، تم نے مجھے۔ اب دیکھوں گا۔"

"کیا تم سنگزادہ میں دلچسپی نہیں لے رہے؟"

"قطعی نہیں.... جن معاملات کا براہ راست مجھ سے تعلق نہ ہو۔ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ ناتجربہ کاری کی بناء پر شاہد سے وہ غلطی سرزد ہوئی تھی۔"

"اور پھر اس نامعقول نے مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لپیٹ لیا۔ آخر اس دوران میں میرے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی، اچھا ٹاٹا۔"

وہ تیز خرامی سے باہر نکلا۔ خدشہ تھا کہ کہیں پھر شبلی سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔

ٹوسیٹر کو کمپاؤنڈ سے نکال کر سیدھے راستے پر لگنے کی بجائے سامنے والی عمارت کی طرف لیتا چلا گیا.... اور وہیں ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں سے فیاض کے بنگلے کی نگرانی کر سکتا۔ وہ ڈاکٹر ڈیوڈ کو چیک کرنا چاہتا تھا۔

جہانگیر جیسے لفنگے کے پاس ڈاکٹر فوریل کے فون نمبر کا کیا کام؟ اور پھر فون نمبر کے ساتھ ڈیوڈ کا علامتی نام بھی موجود تھا۔ لہٰذا اُسے نظر انداز کر دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ڈیوڈ کی کار بنگلے کی کمپاؤنڈ سے نکلی اور سڑک پر بائیں جانب مڑ گئی۔

چند لمحوں بعد عمران خاصے فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ جہاں کہیں بھی سراغ کھو دینے کا خدشہ پیدا ہوتا اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا کر اس کے قریب ہو جاتا۔ لیکن ڈیوڈ کی گاڑی ماڈل ٹاؤن کی طرف نہیں جا رہی تھی۔ پھر وہ شہر سے باہر نظر آئی۔

عمران نے اپنی گاڑی کے ایندھن ظاہر کرنے والے میٹر پر نظر ڈالی اور مطمئن ہو گیا۔ وہ ڈکی میں بھی زائد پیٹرول رکھنے کا عادی تھا۔ اس لئے بے فکری سے تعاقب کرتا رہا۔ اچانک اس نے اگلی گاڑی کو ایک کچے راستے پر مڑتے دیکھا اور الجھن میں پڑ گیا۔ لیکن فوری طور پر احساس ہوا کہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک کا موڑ خاصی اونچائی پر واقع ہے۔ وہ اپنی گاڑی آگے لیتا

چلا گیا اور بائیں جانب نظر دوڑائی۔ نشیب میں ڈیوڈ کی گاڑی صاف نظر آ رہی تھی۔

عمران نے اپنی گاڑی، سڑک کے کنارے لگا کر روک دی اور ڈیوڈ کی گاڑی پر نظریں جمائے رہا.... خاصے طویل و عریض میدان کے بعد باغات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان ہی باغات میں سے ایک میں اس نے ڈیوڈ کی گاڑی کو داخل ہوتے دیکھا۔ اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے موڑ دی.... پھر آگے جا کر وہ بھی کچے راستے پر مڑ گیا۔

لیکن باغاتِ کے قریب پہنچ کر اندازہ لگانا دشوار ہو گیا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کس باغ میں داخل ہوئی تھی۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ ان ہی باغات میں سے کسی ایک میں رکا بھی ہو۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی کچا راستہ کسی باغ میں سے بھی گزرا ہو، اور اس کے سفر کا اختتام ہی نہ ہوا ہو۔ بہر حال اُس نے بے یقینی کے عالم میں گاڑی کو ایک باغ کے راستے پر ڈال دیا۔

راستہ ناہموار تھا۔ اس لئے تیز رفتاری سے گاڑی نہیں چلائی جا سکتی تھی.... جھاڑیوں کا سلسلہ ختم ہوتے ہی وہ کھلے میدان میں نکل آیا۔ لیکن ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کہیں نظر نہ آئی۔

وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ آموں کا باغ تھا۔ اس سے گزر کر اس نے گاڑی بائیں جانب موڑی ہی تھی کہ ڈیوڈ کی کار دکھائی دی لیکن وہ خالی تھی اور ڈیوڈ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

وہ اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا اور پھر اُسے جھاڑیوں کے ایک ایسے سلسلے کی اوٹ میں روک دیا جہاں سے وہ ڈیوڈ کی گاڑی پر نظر رکھ سکتا۔ دشواری یہ تھی کہ ڈیوڈ اُسے دیکھ چکا تھا۔ یہاں اُس کی موجودگی اُسے چونکا دیتی۔

اس نے انجن بند کر دیا اور جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر پھاڑنے ہی والا تھا کہ کسی وزنی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ گاڑی بھی اُدھر ہی سے آ رہی تھی، جدھر سے وہ خود آیا تھا۔

دفعتاً ایک وزنی ٹرک ٹھیک ڈیوڈ کی گاڑی کے برابر ہی آ کر رک گیا۔ ذرا دیر انجن کی آواز سناٹے میں گونجتی رہی۔ پھر اُسے بند کر دیا گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے اُترنے والا کسی طرح بھی کوئی پیشہ ور ڈرائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔

وہ ایک طرف چل پڑا۔ لیکن پھر عمران نے اُسے رکتے دیکھا۔ وہ مڑ کر اپنے ٹرک سے کچھ آگے دیکھنے لگا تھا۔ پھر ٹرک ہی کی طرف پلٹ آیا۔ عمران سیدھا ہو بیٹھا۔ شاید اس کی گاڑی کے

پہیوں کے نشانات پر اس کی نظر پڑ گئی تھی۔

اب وہ ان ہی نشانات کو نظر میں رکھے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ عمران نے اگنیشن سے کنجی نکالی اور نیچے اُتر کر بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا پھر گاڑی کو مقفل کر کے جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔



شاہد کی داہنی ٹانگ پر ٹخنے سے ران کے وسط تک پلاستر چڑھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح وہ لیٹا ہی رہ سکتا تھا لیکن سوال تو یہ تھا کہ وہ یہاں کیوں لیٹا ہوا تھا۔ لاوارث تو تھا نہیں کہ صاحب خانہ نے ازراہِ خدا ترسی اُسے یہاں روک رکھا ہو۔ ہوش آنے پر اُسے بتایا گیا تھا کہ اس کی پنڈلی اور ران کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں اور ڈاکٹر نے کروٹ لینے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ لہٰذا چت ہی لیٹا رہ سکتا ہے۔

ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی، اس کی تیماردار تھی۔ اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ باغ میں بیہوش پڑا ملا تھا۔

"اور میری موٹر سائیکل؟" شاہد نے کراہ کر پوچھا۔

"وہ محفوظ ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا تھا؟ "تم یہاں ہمارے باغات میں کیا کر رہے تھے؟"

"مجھے چند لوگوں نے گھیر لیا تھا۔" شاہد نے کہا۔

"یہاں، ہمارے باغات میں؟" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، یہیں.... اگر یہ عمارت کسی باغ ہی میں واقع ہے۔"

"ہماری یہ کوٹھی باغات کے درمیان ہی میں بنی ہوئی ہے لیکن یہاں کوئی کسی کو نہیں گھیر سکتا۔"

"وہ لوگ مجھے گھیر کر یہاں لائے تھے۔" شاہد نے کہا۔

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ باہر ہی کے لوگ رہے ہوں۔"

"اس واقعے کو کتنا وقت گزر چکا ہے۔"

"پرسوں کی بات ہے۔ آپ پورے ڈھائی دن بیہوشی کی سی کیفیت میں رہے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" شاہد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کہتی ہیں کہ میری ٹانگ کی ہڈی دو جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے لیکن میں ذرہ برابر بھی تکلیف نہیں محسوس کر رہا۔"

"یہ ہمارے ڈاکٹر کا کمال ہے۔ وہ آپ کو ایسے انجکشن دے رہا ہے کہ آپ تکلیف نہ محسوس کریں۔"

"میں نے آج تک ایسے انجکشن کے بارے میں نہیں سنا جو ہڈی کی تکلیف کو اس طرح رفع کر سکے۔ یہ اور بات ہے کہ مریض کو مارفیا کا انجکشن دے کر سلا دیا جائے۔"

"میں اس کے بارے میں تفصیل سے نہیں جانتی۔ آپ ڈاکٹر ہی سے پوچھ لیجئے گا۔" لڑکی نے کہا۔

"خیر...." شاہد طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ براہِ کرم میرے آفیسر کو میرے حالات سے مطلع کرا دیجئے۔"

"کس سے اطلاع بھجوا سکتی ہوں۔ یہاں فی الحال میرے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ دراصل ہم لوگ ایک ہفتے کی چھٹیاں گزارنے کے لئے شہر سے یہاں آئے تھے۔ اچانک اطلاع ملی کہ ہمارے ایک عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر آپ بے ہوش پڑے مل گئے۔ آپ کو طبی امداد فراہم کرنے کے بعد خاندان کے دوسرے لوگ شہر واپس چلے گئے اور مجھے یہ ذمے داری سونپ گئے کہ آپ کی دیکھ بھال کروں۔"

"میں آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اپنے بزرگوں میں سے کسی کے نام سے آگاہ کیجئے۔ شاید میں انہیں جانتا ہوں۔"

"میرے ڈیڈی کا نام شہباز چوہدری ہے۔"

"چوہدری ملٹی انڈسٹریز والے تو نہیں؟"

"جی ہاں، وہی۔"

"اوہ.... انہیں کون نہ جانے گا۔ اتنے بڑے سوشل ورکر اور ملک کے متمول ترین افراد میں سے ہیں۔ آپ لوگوں کو میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔"

"بالکل نہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔ "تکلیف میں تو آپ ہیں۔"

"اگر یہاں نہ ہوتا تو یقیناً تکلیف ہی میں ہوتا۔ ٹانگ کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ پتا نہیں کون سے اور کتنے قیمتی انجکشن لگوائے گئے ہیں کہ تکلیف کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہے۔"

"پتا نہیں، ڈیڈی جانیں۔"

"میرا نام شاہد ہے اور میں محکمۂ سراغرسانی کا انسپکٹر ہوں۔"

"خدا کی پناہ۔"

"کیا میری جیب سے میرے کاغذات نہیں برآمد ہوئے تھے؟"

"ہرگز نہیں۔ ورنہ ڈیڈی شہر گئے تھے۔ آپ کے محکمے کے کسی بڑے آفیسر کو ضرور مطلع کر دیتے۔"

"تو ان بدمعاشوں نے میرے کاغذات بھی غائب کر دیئے۔" شاہد طویل سانس لے کر بولا۔

"ہوا کیا تھا؟"

"میں ایک مجرم کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ بھی موٹر سائیکل ہی پر تھا۔ میں شہر سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ وہ ایک باغ میں داخل ہوا اور پھر میری بے خبری میں کئی افراد جھاڑیوں سے نکلے اور مجھ پر ٹوٹ پڑے۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

واقعی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی لیکن شاہد تفصیل سے اُسے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا جلدی سے بولا۔ "اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کہ آخر اُس کے ساتھیوں کو کیسے علم ہو گیا کہ میں، اس کا تعاقب کر رہا ہوں اور وہ پہلے ہی سے یہاں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس بدمعاش نے خود ہی آپ کو تعاقب کی ترغیب دی ہو۔"

"آپ بہت ذہین ہیں۔" شاہد مسکرا کر بولا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اب میں اپنے محکمے کو کس طرح اطلاع دوں؟"

"میں کیا بتاؤں؟ کوئی ملازم بھی موجود نہیں ہے۔"

"بڑی حیرت کی بات ہے کہ گھر والے آپ کو تنہا چھوڑ گئے ہیں۔ جب کہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان باغات میں اس قسم کی وارداتیں ہو سکتی ہیں۔"

"انہیں علم ہے کہ میں اپنی حفاظت آپ ہی کر سکتی ہوں۔" لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔

"کمال ہے۔"

"پچھلے سال میں نے تین غنڈوں کو زخمی کر کے اپنے ایک خزانچی کو لٹنے سے بچایا تھا۔"

لڑکی نے فخر سے گردن اٹھا کر کہا۔

"اوہ.... تو آپ.... مجھے یاد ہے.... کیا نام ہے، آپ کا؟"

"شہلا چوہدری...."

"بڑی خوشی ہوئی، آپ سے مل کر۔ واقعی آپ نے کمال کر دیا تھا۔ تین فائر کیے تھے اور تینوں کی ٹانگیں بے کار ہو گئی تھیں۔"

"میں رائفل کلب سے ٹرافی بھی لے چکی ہوں۔"

"جی ہاں، مجھے علم ہے.... واقعی آپ اپنی حفاظت خود کر سکتی ہیں۔"

"جوڈو اور کراٹے پر بھی دسترس رکھتی ہوں۔"

"ضرور ہو گی.... ضرور ہو گی۔"

"کاش! میں اس وقت وہاں موجود ہوتی، جب وہ بدمعاش آپ پر حملہ آور ہوئے تھے۔"

"بدقسمتی میری کہ ایسا نہ ہو سکا۔"

شہلا چوہدری نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر ابھی تک نہیں آیا۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ آج ہی تو اُسے ہوش آیا تھا اور ڈاکٹر سے ابھی تک اُس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

"کیا نیند آ رہی ہے؟" شہلا نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ کیا میں بیٹھ نہیں سکتا؟"

"ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر نے کروٹ لینے تک کی اجازت نہیں دی۔"

"پیر میں تکلیف تو نہیں ہے۔ پھر کیا حرج ہے؟" شاہد نے کہا۔

"مجبوری ہے، مسٹر شاہد! ڈاکٹر کی ہدایت کے خلاف کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"خیر جیسی آپ کی مرضی۔" شاہد نے ٹھنڈی سانس لی۔ لڑکی نے اُسے متاثر کیا تھا۔

"کھانے کے لئے کچھ لاؤں؟"

"نہیں شکریہ.... ابھی بھوک نہیں ہے۔"

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور شہلا دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر شاہد نے اُسے کہتے سنا۔ "اوہ، ڈاکٹر صاحب! آیئے، آیئے۔"

اور اچانک شاہد کی نظر نووارد پر پڑی۔ عجیب الخلقت آدمی تھا۔ اسے دیکھ کر ذہن کی سطح پر کسی ٹڈے کا تصور ابھرا تھا۔ شاہد ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"کیا حال ہے؟" نووارد نے شہلا سے پوچھا۔

"خود دیکھ لیجئے، اب ہوش میں ہیں۔"

وہ شاہد کے قریب آیا اور خاموشی سے اُسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "ابھی انجکشن لگیں گے۔"

"لل.... لیکن میرے پیر میں ذرہ برابر بھی تکلیف نہیں ہے۔" شاہد نے کہا۔

"یہ میرا طریق علاج ہے۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولا اور اپنے ہینڈ بیگ سے ہائپوڈرمک سرنج نکالی۔

"کیوں نہ ڈاکٹر صاحب، میرے محکمے کو اطلاع دے دیں۔" شاہد نے شہلا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں، یہ ممکن ہے۔" شہلا بولی اور ڈاکٹر سے اس کا تعارف کرانے لگی۔

"اوہ، تو آپ پولیس آفیسر ہیں!" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی ہاں، اور میری غیر حاضری میرے لئے دشواریاں پیدا کر سکتی ہے۔"

"میں، آپ کے آفیسر کو ضرور مطلع کر دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر شاہد اُسے بتانے لگا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا ہو گا۔

ڈاکٹر سرنج کو لوڈ کر چکا تھا۔

شہلا نے اس کا بازو دبا کر رگ اُبھاری اور ڈاکٹر نے انجکشن لگا دیا۔

شاہد کا ذہن ایک بار پھر اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ جانے کیوں اچانک شہلا کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور وہ ڈاکٹر کو کینہ توز نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ دفعتاً ڈاکٹر، اسکی طرف مڑ کر بولا۔ "اب اسے ہوش میں نہیں آنا چاہیے۔"

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گی؟" شہلا نے کسی قدر تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مشین...." ڈاکٹر اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہاں بجلی نہیں ہے۔ مشین کیسے چلے گی؟"

"اس کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے تھوڑی دیر بعد ایک ٹرک یہاں پہنچ جائے گا۔ ٹرک کا انجن چلا کر مشین کا تار اس کے ڈائینامو سے منسلک کر دینا۔ مشین کارآمد ہو جائے گی۔"

"کتنی دیر مشین چلانی ہو گی؟"

"گھڑی دیکھ کر دس منٹ.... ہر تین گھنٹے کے بعد۔"

"مستقل دردِ سر.... اور پھر یہ ایک پولیس آفیسر ہے۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ.... یہاں کا ایک معمولی کانسٹیبل بھی بہت بااختیار ہوتا ہے۔" شہلا نے ناگواری سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔"

"ڈیڈی ایک باعزت آدمی ہیں۔ قانون کا احترام کرتے ہیں۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔"

"تو پھر...."

"تو پھر کچھ بھی نہیں۔ جب میں اسے دوبارہ ہوش میں لاؤں گا تو یہ سب کچھ بھول چکا ہو گا۔ حتیٰ کہ اسے اپنا نام تک یاد نہیں آئے گا۔"

"کیا ہمیشہ کے لئے؟"

"اپنے کام سے کام رکھو، لڑکی! اتنے سوالات کیوں کر رہی ہو؟"

"سوالات اس لئے کر رہی ہوں کہ یہ سب کچھ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"اسے سمجھنا، تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔"

"تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں تمہارے مشوروں پر عمل کیوں کروں؟"

"تمہارا باپ جانتا ہے کہ تم اس کے لئے مجبور ہو۔"

"کیا مطلب؟" شہلا کی بھنویں تن گئیں۔

"ہر سوال کا جواب اپنے باپ سے طلب کرنا.... اور یہ وارننگ ہے کہ اگر تم نے میری ہدایات کے خلاف کچھ کیا تو تمہارے باپ کی گردن میں پھانسی کا پھندا ہو گا۔" ڈاکٹر نے کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔



بالآخر عمران کی نظر اُس عمارت پر پڑی جو باغات کے وسط میں واقع تھی اور وہ پھر پلٹ پڑا۔

جھاڑیاں اس کے قد سے بھی کئی فٹ اونچی تھیں اور اتنی گھنی تھیں کہ وہ بآسانی خود کو چھپائے رکھ سکتا تھا لیکن چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔

پھر وہ اسی جگہ جا پہنچا جہاں اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ ٹرک سے اترنے والا گاڑی کے قریب اکڑوں بیٹھا ہوا نظر آیا اور گاڑی کا ایک گوشہ جھکا ہوا تھا۔ شاید وہ ایک ٹائر کی ہوا نکال چکا تھا اور اب شاید دوسرے پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

عمران جھاڑیوں سے نکل کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"ارے.... ارے.... یہ تم.... مم.... میری گاڑی کی ہوا کیوں نکال رہے ہو؟" اُس نے احمقانہ انداز میں کہا اور ٹرک ڈرائیور یک بیک اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہیں باغ میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"ضض.... ضرورتاً۔" عمران ہکلایا۔ "ضرورتاً مجھے گھنی جھاڑیوں کی تلاش تھی۔"

"بھاگ جاؤ۔"

"کک.... کیسے بھاگ جاؤں؟" عمران نے بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا.... "تت.... تم نے تو ہوا نکال دی ہے۔"

"اسپیئر وہیل نکال کر لگاؤ اور نو دو گیارہ ہو جاؤ۔"

"واہ، میں کیوں لگاؤں، اسپئر وہیل؟ تم نے ہوا نکالی ہے اس لئے تم ہی لگاؤ۔" عمران نے بڑی سادگی سے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ جتنی جلد ممکن ہو، یہاں سے دفع ہو جاؤ، ہری اَپ!"

عمران نے جیب سے کنجی نکال کر ڈگی کھولی اور پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "جیک اور اسپئر وہیل موجود ہیں۔ جلدی سے تبدیل کر دو۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔" ٹرک ڈرائیور اکڑ کر بولا۔ "میں پہیہ تبدیل کروں گا؟"

"زندگی عزیز ہو گی تو ضرور کرو گے۔"

"یہ بات ہے۔" سفاک سی مسکراہٹ، ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ عمران کی طرف بڑھنے لگا۔

عمران اُس کے ارادے سے بخوبی واقف تھا لیکن ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے کھڑا رہا۔

ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے قریب پہنچ کر اس کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر خوشامدانہ لہجے میں کہے گا کہ اچھے بچوں کی طرح خود ہی پہیہ تبدیل کرلو لیکن تین قدم کے فاصلے پر پہنچ کر جھپٹ پڑا۔

عمران نے پھرتی سے بائیں جانب ہٹ کر چھلانگ لگائی اس طرح کہ اس کی داہنی لات، ٹرک ڈرائیور کی بائیں کنپٹی پر پڑی اور وہ اچھل کر دور جاگرا۔ پھر عمران اُسے اٹھنے کی مہلت کب دینے والا تھا۔ دوسری ٹھوکر اس کے بائیں پہلو پر پڑی اور وہ کراہ کر پلٹ گیا۔ تیسری ٹھوکر سر پر پڑی لیکن وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں چیخا۔ "نہیں"

عمران رک گیا اور ٹرک ڈرائیور دونوں ہاتھوں سے بایاں پہلو دبائے رک رک کر سانس لیتا رہا۔

"اٹھو۔۔۔ اور پہیہ تبدیل کرو، ورنہ میں جان سے بھی مار سکتا ہوں۔" عمران اُسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا اور گاڑی کے قریب گھسیٹ لایا۔ اسی دوران میں اس کی جیبیں بھی ٹٹول لی تھیں۔ وہ غیر مسلح تھا۔

"چلو، جلدی کرو۔" عمران نے اُسے ڈگی کی طرف دھکا دیا۔ وہ کھلی ہوئی ڈگی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جھک گیا اور ہانپتا رہا لیکن اُس کے چہرے پر خوف کی بجائے غیض و غضب کے آثار تھے۔

اچانک وہ ڈگی سے جیک نکال کر عمران کی طرف گھوما۔ اگر عمران پھرتی سے بیٹھ نہ گیا ہوتا تو سر کے کئی ٹکڑے ہو جاتے۔ وحشیانہ انداز میں پھینکا ہوا جیک، اُس کے اوپر سے گزرتا چلا گیا۔

وہ پھر ڈگی سے اور کچھ نکال لینے کے لئے مڑا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگائی اور اس بار تو رگڑ ہی کر رکھ دیا۔

نتیجہ ظاہر ہے۔ وہ اس قابل نہ رہا کہ اُس کی خواہش کے مطابق گاڑی کا پہیہ بدل سکتا۔

عمران نے اُس کی ٹائی کھول کر ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور پیروں کی بندش کے لئے اپنی ٹائی استعمال کی۔

شاید عمران کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہا ہے۔ اس لئے اس نے اس بار اُسے ہوش میں نہ رہنے دیا۔

پھر اُسے گاڑی کے پاس سے ہٹا کر جھاڑیوں میں پہنچاتے وقت اُس نے دیکھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ عمارت سے نکل کر اُس طرف جا رہا ہے جہاں اُس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ عمران جلدی

سے اپنی گاڑی میں آبیٹھا تاکہ اُس پر نظر رکھ سکے۔

ڈیوڈ اپنی گاڑی کے قریب کھڑے ٹرک تک آیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید اُسے ٹرک ڈرائیور کی تلاش تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی کھڑا رہا پھر ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

انجن کی آواز سناٹے میں گونجنے لگی اور عمران نے ٹرک کو حرکت میں آتے دیکھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ اُسے موڑ کر عمارت کی طرف لے جا رہا تھا۔ عمران پھر اپنی گاڑی سے اُتر کر جھاڑیوں میں جا گھسا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے ٹرک عمارت کے قریب کھڑا کر دیا تھا۔ دفعتاً عمران کو ایک لڑکی نظر آئی جو عمارت کے برآمدے میں کھڑی تھی۔ ڈاکٹر ڈیوڈ ٹرک سے اُتر کر لڑکی سے کچھ کہنے لگا تھا۔

پھر لڑکی تو وہیں کھڑی رہی تھی اور ڈاکٹر ڈیوڈ شاید واپسی کے لئے مڑ گیا تھا۔ کیا وہ، اس کا تعاقب جاری رکھے؟ عمران نے خود سے سوال کیا۔ وہ پھر اسی مقام پر واپس آگیا جہاں سے ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی پر نظر رکھی تھی اور یہاں پہنچ کر اُسے یاد آیا کہ اس کی گاڑی فی الحال بیکار ہو چکی ہے۔ جتنی دیر میں وہ پہیہ تبدیل کرے گا، ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہو گی۔ وہ طویل سانس لے کر رہ گیا۔

ڈاکٹر ڈیوڈ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف آیا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز عمران نے سنی اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ڈاکٹر ڈیوڈ کی گاڑی کو دائیں جانب مڑتے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر تک گم سم بیٹھے رہنے کے بعد وہ اپنی گاڑی سے اُتر کر جھاڑیوں میں جیک تلاش کرنے لگا۔

ٹرک ڈرائیور اب بھی بے ہوش پڑا تھا۔ جیک مل جانے کے بعد اُس نے سب سے پہلے گاڑی کے گلوڈ پارٹمنٹ سے اڈیسو ٹیپ نکال کر ٹرک ڈرائیور کے ہونٹوں پر چپکا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی عین عمارت کے برآمدے کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ ٹرک بھی وہیں موجود تھا۔ عمران نے گاڑی کا ہارن بجانا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر بعد وہی لڑکی برآمدے میں نظر آئی جسے کچھ دیر پہلے بھی دور سے دیکھ چکا تھا۔ لیکن اُسے قریب سے دیکھ کر اُسے چونکنا پڑا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کو پہچانتا تھا۔

وہ گاڑی سے اُتر آیا اور اس نے محسوس کیا کہ لڑکی اُسے اس طرح دیکھ رہی ہے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

"کیا مجھے یہاں ٹھنڈا پانی مل سکے گا۔" عمران نے احمقانہ انداز میں سلام کے لئے ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

"جج.... جی ہاں.... اوہ.... اندر تشریف لے چلئے۔" لڑکی جلدی سے بولی۔ "شاید میں آپ کو پہچانتی ہوں۔"

"اور.... ششش.... شاید میں بھی آپ کو جانتا ہوں۔ آپ مس شہلا چوہدری ہیں نا؟"

"جی ہاں، جی ہاں۔" لڑکی اظہار مسرت کرتی ہوئی بولی۔ پھر اسے نشست کے کمرے میں لا کر بٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں آپ کے لئے پانی لا رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی اور عمران خاموش بیٹھا، اپنے چہرے پر مزید احمقانہ تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد شہلا پانی کا گلاس لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

"آپ بیگم ثریا سلمان کے بھائی ہی ہیں نا۔"

"ثریا سلمان.... جی ہاں، جی ہاں۔" عمران نے اس سے گلاس لیتے ہوئے بوکھلا کر کہا۔

"اور آپ کے ڈیڈی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل ہیں؟"

"ارے ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔" عمران چونک کر بولا۔

"بیٹھ جائیے نا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

"جی، جی ہاں۔" کہتا ہوا وہ بیٹھ گیا اور غٹ غٹ پانی پینے لگا۔

"میں ایک دشواری میں پڑ گئی ہوں۔ شاید آپ کچھ مدد کر سکیں۔"

"ضرور.... ضرور۔"

"یہاں آپ کے ڈیڈی کے محکمے کا ایک آفیسر بھی موجود ہے۔"

"کک.... کہاں....؟" عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ اٹھ نہیں سکتا۔ اندر بستر پر پڑا ہوا ہے اور اس وقت بیہوش بھی ہے۔"

"میرے ڈیڈی کے محکمے میں آنے کے بعد سب اسی طرح بے ہوش ہو جاتے ہیں۔" عمران خوش ہو کر فخریہ لہجے میں بولا۔

"آپ سمجھے نہیں۔ اس کی ایک ٹانگ پر پلاستر چڑھا ہوا ہے۔"

"دوسری ٹانگ غلطی سے خالی رہ گئی ہو گی۔" عمران نے کہا۔

"اپنا نام شاہد بتاتا ہے، انسپکٹر شاہد۔"

"وہی تو نہیں، جس کی ناک کی نوک پر تل ہے اور دور سے ایسا لگتا ہے، جیسے اس نے ناک پر مکھی بیٹھنے دی ہو؟"

"جی ہاں.... وہی وہی۔"

"لیکن وہ یہاں کیوں بے ہوش پڑا ہے؟"

"یہی تو میں، آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں۔"

"اسے یہاں بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا تھا۔ اور ڈاکٹر ڈیوڈ نے بتایا تھا کہ ٹانگ کی ہڈی دو جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے۔ لہٰذا اس نے پلاستر چڑھا دیا تھا لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ اُس کی ٹانگ کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اُسے یہاں روکے رکھنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہو۔"

"آپ کے علاوہ یہاں اور کون بے ہوش نہیں ہے۔"

"میں تنہا ہوں، اس کی دیکھ بھال کے لئے۔"

"کیا آپ کے ڈیڈی کو اس کا علم ہے؟"

"کیوں نہیں۔ ان ہی کی ہدایت کے مطابق مجھے یہاں رکنا پڑا ہے ورنہ میں، ڈاکٹر ڈیوڈ کو کیا جانوں۔"

"یہ ڈاکٹر ڈیوڈ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ ڈیڈی کے ملاقاتیوں میں سے کوئی ہے۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ۔" عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "وہی تو نہیں۔ وہ انسان نما ٹڈا؟"

"بہت خوب۔" شہلا ہنس کر بولی۔ "بڑی مناسب تشبیہ ہے۔"

"ہے، نا۔" عمران اس سے بھی زیادہ زور سے ہنس کر بولا۔

"واقعی، اسے دیکھ کر کسی خزاں رسیدہ ٹڈے ہی کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔"

"سبحان اللہ.... خزاں رسیدہ بھی۔" عمران اسے ستائش آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اب پوری طرح بات بنی ہے۔ لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ انسپکٹر شاہد کی ٹانگ کی ہڈی

محفوظ ہے؟"

"آج ہی تو وہ ہوش میں آیا تھا اور بتایا تھا کہ اس کی ٹانگ میں کسی جگہ بھی کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"پھر کیسے بے ہوش ہو گیا تھا؟"

"ڈاکٹر ڈیوڈ نے کچھ دیر پہلے بے ہوشی کا انجکشن دیا ہے۔ آخر بے ہوشی کا انجکشن دیا ہی کیوں گیا؟ جب کہ مریض نے کسی قابل برداشت یا ناقابل برداشت تکلیف کی شکایت نہیں کی تھی۔"

"واقعی سوچنے کی بات ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"ڈاکٹر ڈیوڈ چاہتا ہے کہ وہ یہاں اسی طرح بے بس پڑا رہے اور کسی کو بھی نہ معلوم ہونے پائے کہ وہ کہاں ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اب میں اسے ہوش میں نہ آنے دوں۔"

"تو پھر آپ کیا کریں گی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ اسی لئے تو آپ کی آمد پر خوشی ہوئی تھی۔"

"مم.... میں نہیں سمجھا۔"

"آپ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"اگر آپ نے اپنی مرضی سے کچھ کیا تو آپ کے ڈیڈی کیا کریں گے؟"

"میں نہیں جانتی لیکن ڈاکٹر ڈیوڈ کے رویے سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ڈیڈی، اُس کے دباؤ میں ہوں۔"

"بلیک میلنگ!" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اسی کا خدشہ ہے۔"

"تو پھر آپ شاہد کو مسلسل بے ہوش رکھیں گی؟"

"جی ہاں۔ اُس نے یہی کہا ہے۔"

"انجکشن...." عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں، مشین۔"

"مشین.... کیسی مشین؟"

"ٹھہریئے! میں آپ کو لا کر دکھاتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ عمران کی آنکھوں میں فکر مندی کے آثار تھے۔ شہلا کی واپسی جلدی ہی ہوئی

تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ جسے اس نے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور عمران سے بولی۔ "یہ مشین بجلی سے چلتی ہے۔"

عمران اٹھ کر میز کے قریب پہنچ چکا تھا۔ شہلا نے بریف کیس کا ڈھکنا اٹھایا اور بولی۔ "یہ سوئی جو اس نلکی سے لگی ہوئی ہے، کلائی کے جوڑ کی نس کو ابھار کر اس میں داخل کر دی جائے گی پھر اس کے بعد گھڑی دیکھ کر دس منٹ تک مشین چلائی جائے گی۔ ہر تین گھنٹے بعد اس طرح بے ہوشی جاری رہے گی۔"

"کتنے دنوں کا پروگرام ہے؟"

"یہ تو ابھی اس نے نہیں بتایا۔"

"کیا شاہد ہوش میں آنے کے بعد ہوش ہی کی باتیں کرتا رہا تھا۔"

"جی ہاں، بالکل۔ ورنہ مجھے کیسے معلوم ہوتا کہ وہ کون ہیں؟"

"اور پھر ڈیوڈ نے اُسے انجکشن دے کر دوبارہ بے ہوش کیا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اس کے بعد مزید بے ہوش رکھنے کے لئے مشین کا استعمال بتایا گیا ہے۔"

"جی ہاں، انجکشن کو تین گھنٹے گزرنے کے بعد سے مشین کا استعمال شروع کر دیا جائے گا۔"

"آپ نے کہا تھا کہ مشین بجلی سے چلتی ہے لیکن یہاں مجھے بجلی کا کوئی سلسلہ نظر نہیں آیا۔" عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بجلی کے حصول کے لئے، وہ یہاں ایک ٹرک منگوا کر چھوڑ گیا ہے۔ ٹرک کا انجن چلا کر اس کے ڈائینامو سے مشین کا تار منسلک کر دیا جائے گا۔ اس طرح مشین کار آمد ہو جائے گی۔"

"ان ساری باتوں کا علم ہے، آپ کے ڈیڈی کو؟"

"بالکل، لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ مسٹر شاہد کی اصلیت سے بھی واقف ہیں یا نہیں۔"

"کیا وہ، اُن کی موجودگی میں ہوش میں نہیں آیا تھا؟" عمران نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈیڈی نادانستہ طور پر کسی بڑی دشواری میں پڑنے والے ہیں۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔ اسی لئے تو آپ سے ساری باتیں کہہ دی ہیں۔

دراصل اس معاملے میں، میں پہلے ہی سے پریشان رہی ہوں۔"

"کوئی اور قصہ بھی ہے کیا؟"

"جی ہاں، اصل الجھن تو وہیں سے شروع ہوئی تھی۔ ورنہ بے شمار غیر ملکی لوگ ڈیڈی کے مہمان بنتے رہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ غیر ملکی تو نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔ "دیسی عیسائی معلوم ہوتا ہے۔"

"غالباً گوا کا باشندہ ہے۔"

"اس کی بات نہیں ہے۔ ڈیوڈ کے توسط سے ایک غیر ملکی عورت ڈاکٹر فوریل، ڈیڈی کی مہمان بنی تھی۔ اُس کا قیام، ہماری موڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک دیسی آدمی بھی تھا۔ جو بعد میں میرے لئے الجھن کا باعث بن گیا۔ پھر شاید پولیس والے بھی الجھن میں پڑگئے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اخبارات میں اس کے بارے میں بہت کچھ آیا ہے۔ میرا اشارہ سنگواد کی طرف ہے۔ غالباً آپ نے بھی اس کے بارے میں پڑھا ہوگا۔"

"جی ہاں۔ اچھا تو وہ پہلے ڈاکٹر فوریل کے ساتھ تھا؟"

"جی ہاں.... اور پھر میں نے اخبارات میں اس کی تصویریں دیکھیں اور ڈیڈی سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں اس سلسلے میں خاموشی اختیار کروں ورنہ انہیں نقصان پہنچے گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ خائف تھے۔"

"بلیک میلنگ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تو پھر آپ بتایئے کہ میں کیا کروں؟"

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے سب کچھ بتا دیا۔ اب میں شاہد کو یہاں سے اٹھا لے جاؤں گا۔"

"لیکن ہم لوگوں کا کیا بنے گا؟ کیا واقعی ڈیڈی کسی قسم کے مجرم گردانے جائیں گے؟"

"میری کوشش یہی ہوگی کہ آپ لوگوں پر کوئی الزام نہ آنے پائے۔ ہمارے بہتیرے سادہ لوح شہری غیر ملکی ایجنٹوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ پہلے آپ ہی جیسے سمجھدار آدمی سے ملاقات ہوگئی لیکن اگر آپ مسٹر

شاہد کو اٹھا لے گئے تو ڈاکٹر ڈیوڈ سے کیا کہا جائے گا؟"

"اس کا انتظام بھی میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔"

"کیا انتظام کر چکے ہیں؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ میں پہلے ہی سے ڈاکٹر ڈیوڈ کے تعاقب میں تھا۔"

"خدا کی پناہ....!"

"اور اس وقت وہ ٹرک ڈرائیور بھی میرے قبضے میں ہے جو اس ٹرک کو یہاں تک لایا تھا۔" عمران نے کہا اور ٹرک ڈرائیور والا واقعہ اُسے بتانے لگا۔

"تو وہ جھاڑیوں میں بندھا پڑا ہے؟" شہلا نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں اُسے اٹھا کر یہاں ٹرک میں ڈال جاؤں گا اور آپ، ڈاکٹر ڈیوڈ اور اپنے ڈیڈی کو یہ رپورٹ دیجیئے گا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے جانے کے بعد پانچ آدمی آئے تھے اور شاہد کو زبردستی اٹھا لے گئے تھے۔"

"تو گویا ڈیڈی کو آپ کے بارے میں نہ بتایا جائے۔"

"ابھی نہیں۔ ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ یہ تو ہم دونوں مل کر انہیں اس دشواری سے نکالیں گے۔ ورنہ اگر بات ریگولر پولیس تک پہنچ گئی تو آپ کے ڈیڈی کو گرفتار کر کے ان پر فردِ جرم عائد کر دی جائے گی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ، اس رہنمائی پر۔"

"خلقِ خدا کی خدمت، میری زندگی کا نصب العین ہے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر درویشانہ انداز میں کہا۔



شہلا چوہدری کی گاڑی تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ عمران شاہد کو اٹھا لے گیا تھا اور بے ہوش ٹرک ڈرائیور کو ٹرک پر ڈال دیا گیا تھا اور اُس نے شہلا کو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ اسے ٹرک ڈرائیور کے سلسلے میں کیا کرنا ہے۔ لہٰذا شہلا عمران کے چلے جانے کے بعد، ٹرک ڈرائیور کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتی رہی تھی اور پھر جیسے ہی ٹرک

کے اندر سے ہاتھ پیر چلانے کی آوازیں آئی تھیں وہ ٹرک کے پچھلے حصے پر چڑھ گئی تھی۔ ٹرک ڈرائیور نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" شہلا نے ڈپٹ کر پوچھا اور وہ غوں غوں کرنے لگا کیونکہ ہونٹوں پر تو ٹیپ چپکا ہوا تھا۔

"ارے.... اوہ...." شہلا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اُس نے بندھے ہوئے ہاتھوں اور پیروں پر بھی نظر ڈالی اور جھک کر اس کے ہونٹوں سے ٹیپ نکالنے لگی۔

منہ کھلتے ہی ٹرک ڈرائیور زور زور سے کہنے لگا۔ "میں ہی یہ ٹرک یہاں لایا تھا۔ کسی نے عقب سے حملہ کر کے اس حال کو پہنچا دیا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" شہلا نے تیز لہجے میں کہا۔ "یہ ٹرک ڈاکٹر ڈیوڈ یہاں کھڑا کر گئے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد پانچ آدمیوں نے کوٹھی پر حملہ کیا اور ڈاکٹر ڈیوڈ کے مریض کو زبردستی اٹھا لے گئے۔"

"ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ جب ٹرک یہاں آیا تھا تو تم اس پر موجود نہیں تھے۔" شہلا نے کہا۔

"مجھ پر حملہ، اُن جھاڑیوں کے اس طرف ہوا تھا۔ براہِ کرم اب میرے ہاتھ پیر کھول دیجیے۔"

"ناممکن.... ہرگز نہیں۔ میں پہلے ڈاکٹر ڈیوڈ کو اطلاع دوں گی۔"

"میں تکلیف میں ہوں، محترمہ۔"

"ہوا کرو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ اور اب میں یہ ٹیپ دوبارہ تمہارے ہونٹوں پر چپکا دوں گی۔ تاکہ تم میری عدم موجودگی میں شور مچا کر کسی کو اپنے طرف متوجہ نہ کر سکو۔"

"رحم کیجیے محترمہ! میری حالت اچھی نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر ڈیوڈ ہی تمہیں آکر کھولیں گے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔"

"اچھا تو ٹیپ ہی دوبارہ نہ چپکایئے۔"

"یہ بھی ممکن نہیں ہے۔" شہلا نے کہا اور جھک کر دوبارہ ٹیپ اس کے ہونٹوں پر چپکانے لگی۔ وہ مچلنے لگا اور شہلا بولی۔ "مجھے طاقت نہ دکھاؤ۔ میں بھی کمزور نہیں ہوں۔ بہتری اسی میں ہوگی کہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے آنے تک چپ چاپ پڑے رہو۔"

وہ خونخوار نظروں سے اُسے گھورتا رہا اور شہلا کوٹھی کو مقفل کر کے شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

باپ کوٹھی ہی پر موجود تھا۔ شہلا نے بدحواسی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اُسے عمران کی ہدایت کے مطابق اُس وقوعے کی اطلاع دی۔ شہباز چوہدری ایک لمبا تڑنگا اور صحت مند آدمی تھا لیکن اس اطلاع پر اُس کی حالت ایسی ہی نظر آنے لگی جیسے فوری طور پر اعصاب زدگی کا شکار ہو گیا ہو۔

"بہت بُرا ہوا... بہت بُرا ہوا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "اب کیا ہوگا؟ ڈیوڈ شاید ہی اس پر یقین کرے۔"

"نہ کرے۔ جہنم میں جائے۔" شہلا پیر پٹخ کر بولی۔ "میں جھوٹ تو نہیں بول رہی۔"

"نن.... نہیں.... تم جھوٹی نہیں ہو۔ لیکن ڈیوڈ تو کہتا تھا کہ اس مریض کے بارے میں کوئی کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ وہ کون تھا؟"

"نہیں ڈیوڈ نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا۔"

"لیکن میں جانتی ہوں۔ ڈاکٹر ڈیوڈ کے آنے سے پہلے ہی وہ ہوش میں آگیا تھا۔ اور مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"کیا بتایا تھا؟"

"وہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر، انسپکٹر شاہد تھا۔"

"میرے خدا...." شہباز چوہدری توند پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"ظاہر ہے کہ اُسے اٹھالے جانے والے بھی پولیس والے ہی رہے ہوں گے۔"

"انہوں نے کیا کہا تھا؟"

"کچھ نہیں۔ بس ایک آدمی میری طرف ریوالور تانے کھڑا رہا تھا اور بقیہ چار آدمی اُسے اٹھا لے گئے تھے۔"

"ڈیوڈ ہرگز یقین نہیں کرے گا۔"

"نہ کرے، جہنم میں جائے۔"

"تم نہیں سمجھتیں، شہلا.... تم نہیں سمجھ سکتیں۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"کیا نہیں سمجھ سکتی۔ میری ایک جھانپڑ کا ہے، وہ ٹڈا۔"

"پلیز، شہلا! یہ میری عزت کا سوال ہے۔"

"خیر اُسے میری بات کا یقین کرنا ہی پڑے گا۔" شہلا نے طویل سانس لے کر کہا اور اُسے ٹرک ڈرائیور کے بارے میں بتاتے ہوئے بولی۔ "میں اس کو اسی طرح جکڑا بندھا چھوڑ آئی ہوں۔"

"یہ تم نے عقل مندی کا کام کیا ہے۔ ٹھہرو! میں ڈیوڈ کو فون کرتا ہوں۔"

شہلا بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ شہباز کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فون پر نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے خوفزدہ سی آواز میں اس وقوعے کی اطلاع دی اور پھر خاموش رہ کر کچھ سنتا رہا۔ اس کے بعد ریسیور رکھ کر شہلا کی طرف مڑا تو چہرے کی حالت ایسی نظر آرہی تھی جیسے برسوں سے بیمار ہو۔

شہلا نے خاموشی سے اس تغیر کو نوٹ کیا۔ کچھ بولی نہیں۔ شہباز کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

شہلا کو اب پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر ڈیوڈ اس کے باپ کو بلیک میل کر رہا ہے.... لیکن کس سلسلے میں؟.... براہِ راست اس سے پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ عمران کی ہدایات بھی مدِ نظر تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ اپنے باپ کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہونے دینا۔

شہباز تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ڈیوڈ خود آرہا ہے۔"

"آپ کا یہ دوست ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"اوہ.... تم مت سر کھپاؤ، اس معاملے میں۔"

"دیکھئے، اس وقت میں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ جب وہ آدمی سنگزاد ثابت ہوا تھا لیکن یہ براہِ راست پولیس کا معاملہ ہے۔"

"کمال ہے۔ اُس نے جو کچھ تم سے کہا، تم نے اس پر یقین کر لیا۔ اگر وہ خود پولیس والا ہوتا یا اُسے اٹھا لے جانے والے پولیس سے متعلق ہوتے تو کیا وہ خاموشی سے رخصت ہو جاتے۔ تم سے پوچھ گچھ نہ کرتے۔ ارے، اب تک تو انہوں نے میری ہر کوٹھی کے گرد گھیرا ڈال دیا ہوتا۔"

یہ بات بھی معقول ہی تھی لیکن شہلا کو پھر عمران کا خیال آیا اور وہ سوچنے لگی کہ خاموشی کا مظاہرہ تو مصلحتاً ہوا تھا، دونوں کے درمیان ایک سمجھوتے کے تحت۔ لیکن بہر حال یہ دلیل بھی ناقابلِ شکست تھی۔ اس لئے شہلا نے صرف یہ پوچھنے پر اکتفا کی۔ "تو پھر آخر وہ کون تھے؟"

"بدمعاشوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر ڈیوڈ کے کسی ہم پیشہ حریف کی حرکت

معلوم ہوتی ہے۔ دراصل ڈاکٹر ڈیوڈ کو عنقریب ایک سرکاری اعزاز ملنے والا ہے۔"

"اچھا اگر یہ بات ہے تو سنگزاد والے معاملے کو کیا کہا جائے گا؟"

"بہت بھولی ہو، تم بھی۔" شہباز نروس سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اتنا بھی نہیں سمجھتیں۔ ارے سنگزاد تو اس کا ایک طبی کارنامہ ہے، جس کی وہ اس طرح پبلسٹی کر رہا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اُسے چوٹ نہیں لگتی۔ اگر ایک ایسی فوج تیار کی جائے تو وہ ناقابلِ شکست ہو گی۔"

"لیکن اس کی یادداشت بھی تو غائب ہو گئی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ایک بے حد کارآمد آدمی بن گیا ہے۔"

"آدمی یا مشین؟" شہلا نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

"لیکن آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟"

"قدرتی بات ہے، شہلا! میں نے ایک ذمہ داری لی تھی جو پوری نہ ہو سکی۔ وہ بدمعاش بالآخر ڈیوڈ کے مریض کو اٹھا لے گئے۔"

تھوڑی دیر بعد ڈیوڈ وہاں پہنچ گیا۔ بڑے سکون سے اس نے پوری روداد سنی تھی اور خاصا فکرمند نظر آرہا تھا۔

"شہلا کہتی ہے کہ وہ پولیس کے لوگ تھے۔" شہباز بولا۔

"ارے نہیں۔" ڈیوڈ نے ہنس کر کہا۔ اور پھر شہلا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اگر وہ پولیس کے لوگ ہوتے تو ٹرک ڈرائیور کو باندھ کر وہیں کیوں ڈال جاتے؟"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" شہباز بولا۔

"نہیں، بے بی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس ملک کے لئے ایک زبردست کارنامہ انجام دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیا تم نے سنگزاد کو نہیں دیکھا اور کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ پیدائشی طور پر ایسا ہے۔"

"نہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اُسے آدمی سے مشین بنا دیا گیا ہے۔"

"بالکل، بالکل.... اور یہی آدمی کی معراج ہے کہ وہ مشین بن جائے۔ ہر قسم کے دکھ درد

سے آزاد۔"

شہلا بُرا سامنہ بنائے ہوئے اس کمرے سے چلی گئی اور ڈیوڈ نے شہباز کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "اپنی بیٹی کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔"

"وہ قابو ہی میں ہے لیکن جن باتوں کو نہیں جانتی، اُن کے بارے میں پوچھنا قدرتی امر ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ اب میں اس آدمی کو چیک کرنے جارہا ہوں جس نے ٹرک وہاں پہنچایا تھا۔ کوٹھی کی کنجی کہاں ہے؟"

"شہلا کے پاس ہے۔ میں ابھی لایا۔"

"ٹھہرو! اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب اُس کوٹھی کی طرف نہ جائے اور اب کچھ دنوں تک صرف گھر کی چہار دیواری تک محدود رہے تو بہتر ہوگا۔"

"وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتی ہے۔" شہباز نے بے بسی سے کہا۔

"ارے بہلاتے رہو۔" ڈاکٹر ڈیوڈ لاپرواہی سے بولا۔

تھوڑی دیر بعد اُسے کوٹھی کی کنجی مل گئی اور شہباز نے پوچھا۔ "کیا میں بھی چلوں؟"

"نہیں۔ میں خود دیکھوں گا۔" ڈیوڈ ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

وہ وہاں سے روانہ ہو کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے قریب رکا تھا۔ گاڑی سے اُتر کر بوتھ میں داخل ہوا اور کسی کے نمبر ڈائیل کر کے ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میری گاڑی اس وقت پلازہ سینما کے سامنے موجود ہے۔ دس منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچو۔ تمہیں مجھ سے دور رہ کر اس پر نظر رکھنی ہے کہ کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا۔"

"اور اگر ایسا ہو رہا ہو تو پھر مجھے کیا کرنا پڑے گا؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تم پہلے مجھے آگاہ کرو گے۔ پھر مستقل طور پر اُسے نظر میں رکھ کر اس کے بارے میں معلومات فراہم کرو گے۔"

"اوکے، سر!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بس، روانہ ہو جاؤ۔" کہہ کر ڈاکٹر ڈیوڈ نے رابطہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد اُس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا اور اس کا سوئچ آن کر دیا اور آہستہ آہستہ بولنے لگا۔ "ہیلو، ٹام.... کیا تم

پہنچ گئے ہو؟"

جواب میں کچھ نہ سن کر اُس نے اُسے گود میں ڈال لیا لیکن اس کا سوئچ آف نہیں کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "ہیلو، ڈوک! میں پہنچ گیا ہوں۔ اب کیا حکم ہے؟"

"سابقہ ہدایت کے مطابق عمل.... میں روانہ ہو رہا ہوں۔" کہہ کر اُس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ ٹرانسمیٹر کو بدستور گود ہی میں پڑا رہنے دیا تھا۔ خاصی تیز رفتاری سے اس کی گاڑی روانہ ہوئی تھی۔

شہباز کے باغات تک بھی پہنچ گیا.... لیکن اس کے نگراں نے ٹرانسمیٹر پر ممکنہ تعاقب کی اطلاع نہ دی۔ آخر اُسے خود ہی اپنے نگراں کو مخاطب کرنا پڑا۔

"ہیلو، ٹام.... تم نے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی۔"

"آپ کا تعاقب کسی نے بھی نہیں کیا، ڈاکٹر.... اور یہاں تو بس ہماری ہی دونوں گاڑیاں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ تو تم جھاڑیوں کے باہر ہی ٹھہرنا اور میں اپنی گاڑی عمارت تک لے جاؤں گا۔ واپسی کے سفر میں بھی تمہیں دھیان رکھنا ہے۔"

"بہت بہتر۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

ڈاکٹر ڈیوڈ نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے اُسے ڈیش بورڈ کے خانے میں ڈال دیا اور اپنی گاڑی عمارت کی طرف لیتا چلا گیا۔ عین ٹرک کے پیچھے روکی تھی۔ شاید انجن کی آواز سن کر ٹرک ڈرائیور ناک کے ذریعے حلق سے آوازیں نکالنے لگا تھا۔ ڈاکٹر ڈیوڈ چھلانگ مار کر ٹرک پر چڑھ گیا۔

اور پھر جیسے ہی اس نے ڈرائیور کے ہونٹوں سے ٹیپ نکالا وہ چیخنے لگا۔ "مجھ پر بے خبری میں حملہ ہوا تھا۔"

"کہاں اور کب؟" ڈاکٹر نے بہ آہستگی پوچھا۔

"میں ٹرک لے کر پہنچا۔ آپ کی گاڑی کھڑی دیکھی لیکن اُس کے آگے بھی ٹائروں کے نشان دیکھ کر مجھے شبہ ہوا۔ قریب سے دیکھا تو وہ، آپ کی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات سے مختلف تھے اور تازہ معلوم ہوتے تھے۔ میں ان نشانات پر چلتا ہوا، ایک ٹوسیٹر گاڑی تک پہنچا جو خالی ہی تھی۔ میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ میری بے خبری میں کئی آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے اور باندھ کر جھاڑیوں میں ڈال دیا اور پھر ایک انجکشن لگایا جس کے بعد کا مجھے ہوش نہیں۔"

"تو پھر اس ٹرک تک کیسے پہنچے؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ اس کے بعد کا مجھے ہوش نہیں۔"

"گاڑی کا رجسٹریشن نمبر یاد ہے؟"

"جی ہاں، ٹھہریئے! اوہ خدا کے لئے میری ہاتھ پیر بھی تو کھولیے۔"

"اوہ، ہاں.....!" کہہ کر ڈاکٹر جھکا اور اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا۔ پھر بولا۔ "تمہیں ٹرک پر نہ پا کر میں سمجھا تھا کہ تم مزید ہدایات کا انتظار کیے بغیر واپس چلے گئے۔"

"بھلا یہ کیونکر ممکن تھا، جناب!" ٹرک ڈرائیور بولا۔

وہ دونوں ٹرک سے اُتر کر برآمدے میں آکھڑے ہوئے اور ٹرک ڈرائیور نے کہا۔ "ان لوگوں میں سے ایک کی شکل میں دیکھ چکا تھا۔ عجیب بے وقوف، بے وقوف سا آدمی لگتا تھا۔"

"اور تم نے ابھی کسی ٹوسیٹر کا بھی ذکر کیا تھا۔" ڈاکٹر ڈیوڈ چونک کر بولا۔

"جی ہاں، ٹوسیٹر ہی تھی۔"

"تم شاید اس کے نمبر یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"جی ہاں! وہ مجھے یاد ہیں۔ سب سے پہلے میں نے نمبر ہی ذہن نشین کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"یہ بہت اچھی عادت ہے۔" ڈاکٹر ڈیوڈ جیب سے نوٹ بک اور قلم نکالتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ٹرک ڈرائیور کے بتائے ہوئے نمبر نوٹ کیے تھے اور پر تشویش انداز میں کچھ سوچتا رہا تھا۔



شاہد کو دوسری بار ہوش آیا تو اس کی ٹانگ پر پلاسٹر نہیں تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرہ بھی وہ نہیں تھا جس میں پہلی بار ہوش آیا تھا۔

جلدی سے اٹھ بیٹھا اور اس ٹانگ کو جلدی جلدی اُوپر سے نیچے تک ٹٹولنے لگا، جس پر پہلے پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ دوسرا اقدام یہی تو ہو سکتا تھا کہ وہ بستر سے اُتر کر کمرے میں دوڑ لگانے کی کوشش کرتا۔

ٹانگ بالکل ٹھیک تھی۔ نہ کسی جگہ درد تھا اور نہ کہیں کوئی ہلکی سی بھی خراش نظر آئی۔

اپنی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد اُسے وہ حسین چہرہ یاد آیا تھا۔ جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھا اور اُسے کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ دروازہ باہر سے مقفل تھا۔

تھک ہار کر پھر بستر پر آبیٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا اور جیسے ہی ٹیلی فون پر نظر پڑی۔ جھپٹ کر اس کے قریب پہنچا اور ریسیور اٹھا کر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

اور پھر دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہمیں افسوس ہے، جناب! ہم اس نمبر پر آپ کی کال ڈائریکٹ نہیں کر سکیں گے۔"

"کیوں؟" شاہد بھنا کر بولا۔ "یہ کون سا ایکسچینج ہے؟"

"ایکسچینج پوائنٹ بلینک!"

"یہاں تو اس نام کا کوئی ایکسچینج نہیں ہے.... اور ہاں، سنو! میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور اپنے چیف سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو ہولڈ آن کیجئے" دوسری طرف سے آواز آئی۔ شاہد ہونٹ سکوڑ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اُسے جو آواز سنائی دی تھی کچھ جانی پہچانی سی لگی اور وہ بے اختیار چیخ اٹھا۔

"عمران صاحب!"

"آہستہ، آہستہ۔ ورنہ لائن ڈیڈ ہو جائے گی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"گھر سے۔ لیکن تم اس کی پروانہ کرو۔ اب کیا حال ہے تمہارا؟ ٹانگ کی کتنی ہڈیاں ٹوٹی ہیں؟"

"ایک بھی نہیں۔ سب بکواس تھی۔ لل.... لیکن آپ کیا جانیں؟"

"وہ تیمار دار تو یاد نہیں آرہی؟"

"اوہ.... تو کیا میں وہاں نہیں ہوں؟"

"کیا تم وہاں اسی لئے رکھے گئے تھے کہ اپنی اصل حالت سے باخبر ہو سکو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اُن کے ہتھے کیسے چڑھے تھے؟"

"پہلے آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ میں کہاں ہوں؟"

"اُن لوگوں کے قبضے میں بہر حال نہیں ہو۔ ورنہ تمہاری ٹانگ پر اب بھی پلاسٹر چڑھا ہوا ہوتا۔"

شاہد نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور عمران کو بتانے لگا کہ کس طرح ایک موٹر سائیکل سوار، اس کا گال نوچ کر بھاگا تھا اور وہ اس کے تعاقب کے دوران میں اس مصیبت میں پڑ گیا تھا۔

"بس اب اس قصے کو یہیں ختم کر دو۔" عمران پوری بات سن کر بولا۔

"مم.... میں نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب ہے کہ تمہیں اپنی یہ کہانی بدلنی پڑے گی۔"

"میں اب بھی نہیں...."

"اچھا ٹھہرو! میں وہیں پہنچ کر تمہیں سمجھاؤں گا۔ انتظار کرو۔ میں آ رہا ہوں۔ اس دوران میں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مسہری کے تکیئے کی پشت سے لگے ہوئے سبز بٹن کو دبا دینا۔ سبز بٹن یاد رکھنا۔"

"بہر حال، تو اب میں یہ سمجھوں کہ آپ کی تحویل میں ہوں۔"

"بالکل، بالکل۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ شاہد نے ریسیور رکھ دیا اور مڑ کر تکیئے کی پشت پر نظر ڈالی۔ کئی رنگوں کے بٹن ایک ہی قطار میں موجود تھے۔ طویل سانس لے کر وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

اور جب باتھ روم سے برآمد ہوا تو ایک بار پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ عمران کمرے میں موجود تھا۔

"اب تو مجھے یقین کرنا ہی پڑے گا۔" شاہد جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔

"کہ میں بھوت ہوں۔" عمران شرارت آمیز انداز میں مسکرایا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"فی الحال یہ بتانا مشکل ہے۔ ویسے وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ تمہاری ملاقات کرنل فیضی سے ہو سکے اور شاید دوسرا مقصد یہ تھا کہ ایک اور سنگزاد پیدا ہو جائے۔"

"مم.... میں نہیں سمجھا۔"

"وہ تم پر کسی قسم کا تجربہ بھی کرنا چاہتے تھے۔"

"چیتھڑے اڑا دوں گا۔" شاہد غصیلے لہجے میں بولا۔ "مجھے علم ہو چکا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں؟"

"شاید تمہارا اشارہ شہباز چوہدری کی طرف ہے۔"

"جی ہاں۔"

"وہ لوگ صرف تمہاری دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اس حرکت کے ذمہ دار نہیں تھے۔ انہیں بھی بتایا گیا تھا کہ تمہاری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔"

"آخر اس ڈھونگ کی کیا ضرورت تھی؟"

"تاکہ تم چپ چاپ پڑے رہو۔ فرار ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"تو پھر شہباز چوہدری وغیرہ اس کے لئے جوابدہ بھی نہیں ہو سکتے۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم فی الحال اصل واقعات کا اظہار کسی پر بھی نہ کرو۔"

"کپتان صاحب کو کیا جواب دوں گا۔"

"میں نے کہا نا کہ کہانی بدل دو۔ وہی کہانی ہر ایک کو سنا سکو گے۔"

"کہانی کیسے بدل دوں؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

"تو پھر میری سمجھ سے کام لو۔"

"بتایئے.... کیا کہنا ہے؟"

"تم کبھی کبھی خوانچہ فروشوں سے پوٹیٹو چپس کی تھیلیاں خریدا کرتے ہو۔"

"آپ کیا جانیں؟"

"شہر کے سارے ندیدے بچوں سے واقف ہوں۔ بسا اوقات سر راہ پوٹیٹو چپس کھاتے ہوئے پائے گئے ہو۔"

"بچپن کی بعض عادتیں زندگی بھر چمٹی رہتی ہیں۔" شاہد کھسیانا ہو کر بولا۔

"پرواہ نہ کرو۔ ہاں تو تم نے سڑک کے کنارے کسی چلتے پھرتے خوانچہ فروش سے ایک تھیلی خریدی اور دو چار چپس ہی کھائے ہوں گے کہ تم پر غشی طاری ہو گئی۔ دوبارہ ہوش آیا تو کسی کے قیدی تھے لیکن تم اُن لوگوں میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں کر سکو گے، جن سے قید کے دوران میں تمہارا سابقہ پڑتا رہا تھا.... مطلب سمجھ رہے ہو نا، میرا۔ یعنی ایک نقاب پوش قید کے دوران میں تمہاری ضروریات پوری کرتا رہا تھا اور پھر اچانک آج تمہیں آزاد کر دیا گیا۔"

"اس صورت میں مجھے اس جگہ کی نشاندہی تو کرنی ہی پڑے گی، جہاں میں قید تھا۔"

"اس کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد تمہیں وہ جگہ دکھا دی جائے گی۔"

"اس طرح تو کوئی بے گناہ پھنس جائے گا۔"

"وہ فی الحال ایک ایسی جگہ ہے جس کا کوئی بھی دعویدار نہیں ہے۔ جو چاہے اس جگہ کو استعمال کر سکتا ہے۔"

"اب مجھے اس جگہ کے بارے میں بتائیے۔ جہاں اس وقت موجود ہوں۔"

"اس کی نشاندہی تم زندگی بھر نہ کر سکو گے۔"

"کیوں نہ کر سکوں گا؟ آخر آپ مجھے یہاں سے نکالیں گے تو۔"

"تم پر اتنی بے ہوشیاں پہلے بھی طاری ہو چکی ہیں۔ ایک اور سہی۔"

"خدا کی پناہ! اب آپ بھی بے ہوش کریں گے۔"

"اسی میں تمہارے سسرال کی بھلائی ہے۔"

"میری شادی ہی نہیں ہوئی۔ سسرال کہاں سے آ ٹپکی؟"

"تم شاید ہیروئنوں کے ایثار اور قربانی والی فلمیں نہیں دیکھتے۔"

"میں سرے سے دیکھتا ہی نہیں ہوں۔"

"تبھی تو ایسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔"

"خدارا جلدی سے مجھے عقلمند بنا دیجئے۔ اب الجھن ہونے لگی ہے۔"

"شہلا چوہدری جب یہ دیکھے گی کہ تم نے اپنی کہانی میں اس کا یا اس کے باپ کا نام نہیں لیا تو وہ تم سے محبت کرنے لگے گی.... اور اگر اس کے کسی کزن سے تمہاری مار پیٹ نہ ہو گئی تو ظالم سماج کے اعتراضات کے باوجود بھی تمہاری شادی شہلا چوہدری سے ہو جائے گی۔ پس ثابت ہوا کہ تمہاری سسرال کی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی کہانی بدل دو۔ کیپٹن فیاض کے 'سسر' سے ملے ہو۔"

"خدا کی پناہ! ایسا کوئی بوڑھا آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔"

"کیا مطلب؟"

"اب بھی خود کو بیس بائیس برس کا لڑکا سمجھتا ہے۔"

"اور فیاض تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"اچھا تو پھر مجھے ناشتے سے پہلے بیہوش ہونا ہے یا ناشتے کے بعد؟"

"ناشتے کے لئے زرد رنگ کا بٹن دباؤ۔ دس منٹ کے اندر اندر ہی ناشتے کی ٹرالی آ جائے گی۔"

"کہاں لا کر بند کیا ہے، مجھے؟"

"چلو، دباؤ، بٹن!"

شاہد نے فوراً ہی اس مشورے پر عمل کیا تھا.... پھر دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"تن.... نقاب پوش بھی۔" شاہد آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تمہاری کہانی میں تھوڑی سی حقیقت بھی شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ ٹرالی پر پوٹیٹو چپس کی پلیٹ بھی نظر آئی اور وہ غیر شعوری طور پر منہ چلانے لگا۔ عمران کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

ناشتے کے بعد اچانک شاہد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مم.... مجھ پر.... پھر بب.... بیہوشی۔"

جملہ پورا کئے بغیر وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

پتا نہیں کتنی دیر تک بے ہوش رہا تھا۔ آنکھ کھلی تو اس بار خود کو ننگے فرش پر پڑا پایا اور آس پاس کوڑے کرکٹ کی ڈھیریاں نظر آئیں۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اس بار ذہنی کسلمندی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ بس ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے اچھی بھلی نیند کا سلسلہ اچانک ٹوٹ گیا ہو۔

شکستہ حال کمرہ تھا، جس کا دروازہ کھلا ہی ہوا تھا۔ جس کے سامنے اس کی موٹر سائیکل بھی موجود تھی۔ جلدی سے باہر نکلا اور گردو پیش میں نظر دوڑاتے ہی سمجھ گیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

نیشنل ہائی وے کے ساتویں میل پر یہ ویران فارم واقع تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔ اپنے کپڑوں سے گرد جھاڑتا ہوا اٹھا اور موٹر سائیکل کی طرف بڑھا اور اسی وقت اسے شہلا چوہدری کا مہربان مہربان سا چہرہ یاد آیا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟ اسی الجھن کے عالم میں اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔



ڈاکٹر فوریل قہر آلود نظروں سے ڈیوڈ کو گھورے جا رہی تھی اور ڈیوڈ دم بخود تھا۔ ڈاکٹر فوریل کے مقابل وہ ایسا ہی نظر آتا تھا جیسے کسی پہاڑ کے دامن میں کوئی ہجر زدہ بکری اداس اور

تنہا کھڑی ہو۔ ڈاکٹر فوریل ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ جثے کی مناسبت سے آواز میں بھی گھن گرج کی سی کیفیت پائی جاتی تھی اور آنکھیں توانائی کا خزانہ معلوم ہوتی تھیں۔

"تم احمق ہو۔" دفعتاً وہ، ڈیوڈ کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑی اور ڈیوڈ صرف پہلو بدل کر رہ گیا۔ ڈاکٹر فوریل کہہ رہی تھی۔ "ہر کام کا ذمہ لے کر خود ہی اسے نپٹانے کی کوشش کرتے ہو اور بالآخر وہ بگڑ جاتا ہے۔"

"مم.... میں.... پھر کہتا ہوں، ڈاکٹر!" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ "انسپکٹر شاہد کو اٹھالے جانے والے پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے۔"

"کس بناء پر کہہ رہے ہو؟"

"اگر وہ پولیس والے ہوتے تو اب تک شہباز چوہدری کا گھرانا دشواری میں پڑ چکا ہوتا۔"

"اگر مصلحتاً انہوں نے خاموشی اختیار کی ہو تو....؟"

"ارے نہیں...." ڈیوڈ زبردستی ہنس کر بولا۔ "ہماری پولیس اتنی چالاک نہیں ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"پھر وہی بے وقوفی کی باتیں۔" ڈاکٹر فوریل آنکھیں نکال کر بولی۔ "ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ وہ سنگزاد کی طرف نہ صرف متوجہ ہو جائیں بلکہ اُسے پہچان بھی لیں۔ تمہاری حماقت کی وجہ سے انہیں اس کا احساس بھی ہو گیا کہ کسی اور نے ان کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ تو کیا پھر انہیں اس نامعلوم پارٹی کی تلاش نہ ہو گی۔"

"ہاں، یہ ممکن ہے۔" ڈیوڈ جلدی سے بولا۔ "لیکن ایسا ہوا نہیں ہے۔"

"خواب مت دیکھو۔" وہ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑی۔

"میں خواب نہیں دیکھتا۔ کیونکہ معاملے کی تہہ کو پہنچ گیا ہوں۔"

"وہ بھی کوئی خواب ہی ہو گا۔" ڈاکٹر فوریل بے زاری سے بولی۔

"نہیں، ڈاکٹر.... یہاں ایک بلیک میلر ایسا بھی ہے جو اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر پولیس انفارمر بن جاتا ہے۔ میں تحقیقات کر چکا ہوں، اس کے بارے میں۔ وہ ٹوسیٹر گاڑی، جس کا تذکرہ ٹرک ڈرائیور نے کیا تھا، اسی بلیک میلر کی ثابت ہوئی ہے۔"

"کون ہے؟"

"علی عمران نام ہے۔ سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل کا لڑکا ہے۔ اس کی بے راہ روی کی بناء پر ڈائریکٹر جنرل نے اُسے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ لوگوں کی ٹوہ میں رہتا ہے۔ اُن کی کمزوریاں معلوم کر کے انہیں بلیک میل کرتا ہے۔ اگر وہ بلیک میل ہونے سے انکار کر دیتے ہیں تو پولیس کو مطلع کر دیتا ہے۔"

"کیا اس نے اپنا کوئی مطالبہ پیش کیا ہے؟"

"ابھی نہیں.... لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد ہی پیش کر دے گا۔"

"لیکن کیا وہ آفیسر خاموش رہے گا جسے تم نے روک رکھا تھا؟"

"اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا.... لیکن ٹھہرو!" وہ ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "وہ بے ہوش رہا ہو گا، اس وقت، جب اسے اُس عمارت سے ہٹایا گیا ہو گا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اس آفیسر کو اس کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کی تحویل میں ہے۔ لہٰذا ہوش میں آنے کے بعد، اس عمارت کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ اگر اُسے اپنے بارے میں کچھ بھی اندازہ ہو سکا ہوتا تو اب تک پورے علاقے میں تہلکہ مچ جاتا۔"

"کچھ بھی ہو۔ تمہارے دلائل مجھے مطمئن نہیں کر رہے۔ تم نے اس آفیسر کو اٹھانے کا فیصلہ خود ہی کیا تھا۔ تمہیں اس کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔"

"یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ آئی ایس آئی والے سنگزاد کو جلد از جلد اپنی تحویل میں لے لیں۔"

"لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔"

"اسی پر تو مجھے حیرت ہے۔" ڈیوڈ نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ صرف اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔ میں بھی کسی کو جوابدہ ہوں۔"

ڈیوڈ کچھ نہ بولا اور وہ اُسے گھورتی رہی۔ پھر بولی۔ "اصل کام تم نہ کر سکے۔"

"آج شاید ہی ہو سکے کیونکہ وہ اپنے ماتحت کے معاملے میں الجھ گیا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"کیپٹن فیاض کا ماتحت تھا، وہ آفیسر، جسے میں نے اٹھوایا تھا۔"

"خدا کی پناہ!" وہ پیر پٹخ کر بولی۔ "کہیں تمہارا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔"

"لاعلمی، دیوانگی نہیں کہلاتی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیپٹن فیاض ہی کا اسسٹنٹ ہے۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا تھا۔"

"دیکھو...." وہ انگلی اٹھا کر بولی۔ "اگر کھیل بگڑ گیا تو ہم سب فنا ہو جائیں گے۔"

"کھیل نہیں بگڑے گا، ڈاکٹر! تم مطمئن رہو اور بے فکر رہو۔ کیپٹن فیاض کی بیوی تمہارے کلینک میں ضرور داخل ہو گی۔ فی الحال، میں عمران کو نپٹاؤں گا۔"

"پھر وارننگ دے رہی ہوں کہ احتیاط سے۔"

"ارے سب ٹھیک ہے۔ اگر کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو میں اُسے سنبھال بھی سکتا ہوں۔" ڈیوڈ نے لاپرواہی سے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہاری اس غلطی کی اطلاع چیف کو دوں یا نہ دوں۔"

"کیا ضرورت ہے؟" ڈیوڈ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"وہ ایسے کارکنوں کو فیلڈ میں دیکھنا پسند نہیں کرتا جو کسی جگہ کی پولیس کی نظر میں آجائیں۔"

"بس تو پھر اُسے اطلاع نہ دو ورنہ میرے ہی توسط سے تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"اور اگر اُسے اپنے طور پر اس کا علم ہو گیا تو....؟" ڈاکٹر فوریل آنکھیں نکال کر بولی۔

"میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔" ڈیوڈ نے بیزاری سے کہا۔

"اس صورت میں ہمارا انجام عبرت ناک ہو گا۔"

"اپنے طور پر اسے کیونکر علم ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم خود ہی اُس کی معلومات کا ذریعہ ہیں۔"

"اس وہم میں نہ رہنا۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو ہماری نگرانی کر رہے ہوں گے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چیف کو اپنے کارکنوں پر اعتماد نہیں ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ دفعتاً بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگی تھی۔

ڈیوڈ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ بات ابھی اس بلیک میلر سے آگے نہ بڑھی ہو گی۔ اگر وہ قابو میں آجائے تو سمجھو کہ اس غلطی کا ازالہ ہو گیا۔"

"اچھا اب جاؤ اور مجھے سوچنے دو۔" ڈاکٹر فوریل ہاتھ اٹھا کر بولی۔

ڈیوڈ اس کمرے سے نکل آیا۔ یہ ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ اسی کے ایک حصے میں ڈاکٹر فوریل کا کلینک بھی تھا، جہاں وہ لاولد عورتوں کا علاج کیا کرتی تھی۔



عمران کے اس فون کی گھنٹی بجی جو اُسی کے نام پر رجسٹر تھا۔ صفدر کی کال تھی۔

"ہیلو! کیا خبر ہے؟" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"رجسٹریشن آفس سے کسی نے آپ کی ٹوسیٹر کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کس نے....؟"

"یہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ظاہر ہے کہ کسی نے کی ہوں گی۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سے ایسی غلطی کیونکر سرزد ہوئی۔ ٹرک ڈرائیور کو وہیں نہ چھوڑ آنا چاہئے تھا۔"

"وہ غلطی نہیں تھی۔ دیدہ و دانستہ اُسے وہاں چھوڑا تھا۔ میں تمہیں شہلا چوہدری کے بارے میں بتا چکا ہوں۔"

"بہر حال، مجھے یقین ہے کہ اب آپ بھی اُن کی نظر میں آگئے ہیں۔"

"دیکھا جائے گا۔" عمران نے کہا۔ "مجھے یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ شہباز چوہدری ان معاملات میں کس حد تک ملوث ہے۔"

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"بدستور ڈاکٹر ڈیوڈ پر نظر رکھو.... اور ہاں شاہد کی کیا خبر ہے؟"

"آئی ایس آئی والوں کے نرغے میں ہے۔"

"خیر، تم ڈیوڈ کی نگرانی جاری رکھو۔" عمران نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ میز کے

پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ گھنٹی پھر بجی۔ ریسیور اٹھالیا۔ اس بار آواز پہچاننے میں اُسے دشواری ہوئی تھی۔

"کیا بھول گئے، میں شبلی بول رہا ہوں۔"

"اوہ!" عمران بائیں ہاتھ سے سر سہلاتا ہوا بولا۔ "فرمایئے؟"

"تم تو اس طرح غائب ہوئے، جیسے...."

"جی ہاں، جیسے....؟"

"تشبیہ برداشت نہ کرسکو گے۔"

"جی ہاں، سینگ نہیں ہیں، میرے.... اب فرمایئے؟"

"تفریح کی کیا رہی؟"

"تت.... تفریح....!" عمران نے دیدے نچائے۔

"ہاں، سنا ہے، ریالٹو میں آج کل بڑے غضب کا فلور شو ہو رہا ہے۔"

خواہ مخواہ عمران کے دانت نکل پڑے اور اس نے بائیں آنکھ بھی دبائی اور آہستہ سے بولا۔

"اگر کسی کو معلوم ہوگیا تو؟"

"تو کیا ہوا؟.... ارے میاں رقص دیکھیں گے کوئی رقاصہ کی گود میں تو بیٹھنا نہیں ہے۔"

"بالکل.... بالکل...." عمران سر ہلا کر بولا۔ "تو پھر کب حاضر ہو جاؤں؟"

"آسکتے ہو تو ابھی آجاؤ۔ بہت بور ہو رہا ہوں۔"

"بس آیا" عمران نے کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھتا ہوا بڑبڑایا۔ "ارے واہ، بڑے میاں۔"

تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد ملبوسات کی ایک الماری کھول کر روانگی کی تیاریاں کرنے لگا.... اور پھر جب فلیٹ سے نکل رہا تھا تو گلرخ کی نظر اس پر پڑگئی اور اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا کیونکہ عمران سر سے پیر تک عرب معلوم ہو رہا تھا۔ ٹخنوں تک لمبے کرتے اور سر پر عقال و مندیل سے آراستہ ہو کر فیاض کے سسر شبلی صاحب کے پاس جا رہا تھا۔

"کیا کسی یتیم خانے کا افتتاح کرنے جا رہے ہیں صاحب؟" اس نے بدقت ہنسی پر قابو پاکر پوچھا۔

"نہیں، ایک دوست کی بیوی کو یتیم کرنے جا رہا ہوں۔ چل اپنا کام کر۔"

باہر نکلا تو پڑوسیوں کی مسکراہٹوں سے بھی دوچار ہونا پڑا لیکن وہ نکلا چلا گیا۔ ایک ٹیکسی رکوائی اور ٹیکسی سے اس جگہ پہنچا جہاں گیراج میں اس کے محکمے کی کئی گاڑیاں کھڑی رہتی تھیں۔ سیاہ رنگ کی ایک مرسیڈیز نکالی اور فیاض کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا۔

فیاض موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی سے برآمدے ہی میں ملاقات ہوگئی.... پہلے تو شاید وہ اُسے پہچان ہی نہیں سکی تھی پھر پہچان کر بے ساختہ ہنس پڑی اور عمران نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ سوٹ بوٹ والوں پر ہنسی نہیں آتی۔ وہ کب اپنا لباس ہے؟"

"سوال تو یہ ہے کہ غریب خانے کو اس لباس میں کیوں نوازا گیا ہے؟"

"اور نہیں تو کیا جیم خانے کو نوازوں گا؟"

"فیاض صاحب موجود نہیں ہیں۔"

"آپ کے والد صاحب سے ملنے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"ہم دونوں کو کہیں جانا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ ان پر تو کرم ہی فرمایئے۔"

"آواز دوں کہ آپ کی صاحبزادی ہمارے درمیان حائل ہو رہی ہیں۔"

"آخر بات کیا ہے؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میں کیوں بتاؤں بات؟ انہیں مطلع کر دیجئے کہ خادم حاضر ہے۔"

"یہ نہیں ہوسکتا۔"

"گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے، اگر آپ نے ایسی کوئی پابندی لگائی۔"

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شبلی صاحب خود ہی وارد ہوگئے۔ پہلے تو عمران کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا پھر بولے۔ "اُمے یہ کیا ہے؟"

"کہاں کیا ہے؟" عمران ہونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے کہا۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔"

"دیکھئے، جناب! میں اس معاملے میں بہت سنٹی مغل ہوں۔ میں نے تو آپ سے ایسا کوئی سوال نہیں کیا۔"

"مجھ سے کیا سوال کرو گے؟"

"یہی کہ آپ نے خواتین کے غرارے کے کپڑے کی بشرٹ کیوں پہن رکھی ہے۔" فیاض کی بیوی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ عمران کتنا منہ پھٹ واقع ہوا ہے۔ پتا نہیں یہ گفتگو کس حد تک جاتی۔ لہٰذا اُس نے مناسب یہی سمجھا ہوگا کہ وہاں سے چلی ہی جائے۔

عمران نے شبلی کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور مسکرایا بھی!

"گاڑی لائے ہو۔" شبلی نے پوچھا۔

"مرسیڈیز.... اس لباس کے شایانِ شان!"

"آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"آپ سمجھے نہیں!" عمران گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "خیر ابھی سمجھا دوں گا۔"

اور پھر جب مرسیڈیز بنگلے کے کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی، اس نے کہا۔ "رقاصائیں مجھے کوئی عرب شیخ سمجھ کر ہماری ہی میز کے آس پاس منڈلاتی رہیں گی۔ نہیں سمجھے!"

"ابے بہت گہرے ہو تم!" شبلی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "لوگ یونہی خواہ مخواہ تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔"

"کون سمجھتا ہے؟" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ذرا نام تو بتایئے اُسے بھی دیکھ لوں گا؟"

"جھک مارتے ہیں تم دل چھوٹا نہ کرو۔"

"جی بہت اچھا....!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"اور ہاں تم اس تفریح کا ذکر فیاض سے نہیں کرو گے!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"بڑھاپا بھی طاق پر رکھ دینے کے لئے نہیں ہوتا۔!"

"بڑھاپا وغیرہ بھی صرف بیوقوفی کی باتیں ہیں!" عمران نے کہا۔

"زندگی صرف زندگی ہے۔ اُس پر ادوار کی چھاپ نہیں لگنی چاہئے۔"

"مگر دشواری تو یہ ہے کہ ہمیں پیدا ہونا پڑتا ہے۔" عمران نے کہا۔ "بس پیدا ہوئے نہیں کہ ادوار میں تقسیم ہونے لگے۔ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ پٹ سے ٹپک پڑیں۔ کہیں سے پلے پلائے۔"

"اب اسی ایک نکتے کو رگیدتے چلے جاؤ گے!" شبلی نے جھنجھلا کر کہا۔

"پھر جیسا آپ فرمائیں۔"

"حسن کی رنگینیوں کی باتیں کرو، مہ جبینوں کو یاد کرو جن سے کبھی سابقہ رہا ہو۔"

"ارے ہاں، وہ تھی ایک.... لیکن کچھ عجیب سی لگتی تھی!"

"کون تھی!" شبلی نے لہک کر پوچھا۔

"مہ جبین ہی نام تھا! مجھے دیکھ کر رسی تڑانے لگتی تھی!"

"رسی تڑانے لگتی تھی!" شبلی نے حیرت سے پوچھا۔

"بڑے خوفناک سینگوں والی تھی۔"

"کیا بک رہے ہو....!"

"خالہ جان کی بکری تھی جسے وہ پیار سے مہ جبین کہتی تھیں۔"

"ارے تم واقعی گھامڑ لگتے ہو۔ اچھا پہلے موڈل ٹاؤن کی طرف چلو۔ وہ ٹھیک کہتا تھا۔ تھوڑی ہی سی دیر میں اس نے تمہارے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا۔"

"کس کا ذکر ہے؟"

"ڈاکٹر ڈیوڈ کا۔ کہہ رہا تھا کہ تم کسی نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو۔ اگر یہ سقم دور ہو جائے تو شاندار پرسنالٹی نکل آئے گی۔"

"لیکن یہ سقم دور کیسے ہو!" عمران نے دردناک لہجے میں پوچھا۔

"بہت آسانی سے دور ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ نفسیاتی امراض کا ماہر ہے اور وہ تمہارے لئے وقت نکالنے پر آمادہ بھی ہے۔"

"واقعی۔" عمران نے بے حد خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں بھئی۔ وہ میرا گہرا دوست ہے۔"

"تب تو میری شادی بھی ہو سکے گی۔!" اس نے بچکانہ مسرت کا اظہار کیا۔

"بس تو پہلے اُدھر ہی نکل چلو۔ بعد میں اُسے بھی اپنی تفریح میں شریک کر لیں گے۔ خاصا زندہ دل آدمی ہے۔"

"ضرور.... ضرور.... اگلے چوراہے سے گاڑی موڑ لوں گا۔"

"تو تمہیں کبھی کسی لڑکی نے لفٹ نہیں دی۔"

"نہیں جناب! بس میرا مضحکہ اڑاتی رہتی ہیں۔"

"حالانکہ تم خاصے دلکش ہو۔ اگر میں جوانی میں ایسا ہوتا تو سارے شہر کی لڑکیاں میرے پیچھے دوڑ پڑتیں۔"

"پھر آپ کا کیا حشر ہوتا۔" عمران نے بڑی معصومیت سے پوچھا اور شبلی خاموشی سے اُسے گھورنے لگا۔

کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔ "میرے پیچھے بھی دوڑتیں ہیں لڑکیاں لیکن ننگے پاؤں۔"

"ننگے پاؤں کیوں؟"

"چپلیں ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔"

"مٹی پلید کر رہے ہو اپنی؟"

"محبت شروع کرتا ہوں۔ لیکن اچانک کوئی نہ کوئی بیوقوفی سرزد ہو جاتی ہے۔ مثلاً پچھلے سال ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے ہی دن سے محبت کرنے لگی۔ تیسرے دن اپنی ممی سے ملوایا اور چوتھے دن میں اُس کی ماں کو پکچر دکھانے لے گیا۔"

"اُس کی ممی کو کیوں؟"

"وہ مجھے اس سے بھی زیادہ اچھی لگی تھیں۔ بات بات پر بیٹا بیٹا کہتی رہتی تھیں۔ لیکن انہیں شکایت تھی کہ کبھی کوئی انہیں پکچر دکھانے نہیں لے جاتا۔ لہٰذا میں روزانہ پابندی سے صرف انہیں پکچر دکھانے لے جانے لگا اور پھر اس لڑکی نے پندرہ بیس دن بعد مجھے بے تحاشہ گالیاں دیں اور گھر سے نکال دیا۔"

آخری جملے پر عمران کا لہجہ بے حد دردناک ہو گیا اور شبلی نے اُس کا شانہ تھپک کر کہا۔ "بالکل پرواہ نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

گاڑی اب موڈل ٹاؤن کی طرف جا رہی تھی۔

"ڈاکٹر ڈیوڈ کو آپ کب سے جانتے ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"تقریباً بیس بائیس سال سے۔"

"کیا ہمیشہ سے یہیں رہا ہے۔"

"نہیں.... امریکہ میں تھا۔ ابھی حال ہی میں واپس آیا ہے۔"

"اور یہ ڈاکٹر فوریل۔"

"اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ ڈیوڈ کی دوست ہے!"

"کیا ڈیوڈ بھی آپ ہی کی طرح زندہ دل اور رنگین مزاج ہے۔"

"نہ ہوتا تو اُسے بھی ساتھ لینے کی تجویز کیوں پیش کرتا۔ اُس سے تفصیلی ملاقات تمہیں خوش کر دے گی۔"

"کیپٹن فیاض سے بھی اس کی ملاقات ہو چکی ہے۔"

"ہوئی تھی یونہی سرسری سی، ایک بار۔ فیاض یار ہوائی قسم کے آدمی ہیں۔ پتا نہیں تم جیسے زندہ دل آدمی سے کیسے نبھی ہے۔"

"تو اس آپریشن کا انتظام آپ ہی کے ذمہ ہے۔"

"اور کیا....؟"

"بڑی اچھی بات ہو گی۔ اگر ایسا ہو جائے۔"

موڈل ٹاؤن میں پہنچ کر شبلی کی رہنمائی میں اس کی کوٹھی تک رسائی ہوئی جہاں ڈاکٹر فوریل اور ڈیوڈ کا قیام تھا۔ ایک جگہ عمران کو صفدر کی گاڑی بھی کھڑی ہوئی دکھائی دی جس کا مطلب یہ تھا کہ ڈیوڈ اس وقت کوٹھی ہی میں موجود ہے۔ عمران نے گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے! وسط نومبر کا زمانہ تھا! کسی قدر خنکی بڑھ گئی تھی۔

گاڑی پھاٹک پر پہنچی تو چوکیدار نے ذیلی کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔ "کون ہے!"

"کیا ڈیوڈ صاحب موجود ہیں۔" شبلی نے پوچھا۔

"موجود ہے ساب!"

"پھاٹک کھول دو۔ میں شبلی ہوں۔"

"اچھا۔ اچھا شبلی ساب۔" کہہ کر چوکیدار پھاٹک کھولنے لگا۔

"گاڑی روش سے گذرتی ہوئی پورچ تک آئی۔ پھاٹک سے یہاں تک خاصا فاصلہ تھا۔ پورچ میں تیز روشنی تھی۔

"چلو اترو۔ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ رہائشی حصے میں صرف وہی دونوں ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی ایسے ملازم کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا جو ہمارے کارڈ اُن تک پہنچائے۔ ڈاکٹر فوریل کو

دیکھنا۔ ایسی لحیم شحیم عورت شائد ہی کبھی نظر سے گذری ہو۔"

عمران گاڑی سے اُتر کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ فضا پر عجیب سا سناٹا طاری تھا۔ اس نے سر کو جنبش دے کر شبلی کی طرف دیکھا۔

"کیا سوچنے لگے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تو چلو۔" شبلی نے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ برآمدے میں پہنچے اور شبلی نے کال بل کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ "اب ڈیوڈ.... یا فوریل ہی آکر دروازہ کھولیں گے۔"

"عمران کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس طرح یہاں آکر اُس نے غلطی تو نہیں کی۔ باتوں کی رو میں شائد یہ بھی بھول گیا تھا کہ ڈیوڈ اس کی کارگزاری سے واقف ہو چکا ہے اور یہ اُسی ٹرک ڈرائیور کے توسط سے ہوا ہوگا جس کے ذہن میں اس کی ٹوسیٹر کے نمبر محفوظ رہ گئے ہوں گے۔"

"کیا بات ہے!" شبلی نے پھر کال بل کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ "ابھی تک کوئی بھی نہیں آیا۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظر دروازے کے ہینڈل پر تھی۔ دفعتاً اس نے شبلی سے پوچھا۔

"کیا آپ نے اُسے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا کہ آپ آرہے ہیں۔"

"نہیں لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اس وقت یہیں ملے گا۔ زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھتا ہے! اور پھر چوکیدار نے بھی بتایا ہے کہ وہ دونوں اندر ہی موجود ہیں۔"

"اچھا اگر اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو آپ کیا کریں گے!" عمران نے پوچھا۔

"میں دروازہ کھول کر اندر جا سکتا ہوں۔" شبلی نے اکڑ کر کہا۔ "میرے ڈیوڈ سے ایسے ہی تعلقات ہیں۔"

"اچھی بات ہے تو پھر چلیے۔ اگر دروازہ اندر سے مقفل نہ ہو۔"

"ہاں ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ باتھ روم میں ہوگا اور فوریل اپنے کلینک کی طرف نکل گئی ہوگی!" کہتے ہوئے شبلی نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ پھر وہ اندر داخل ہوتا ہوا عمران سے بولا۔ "آؤ۔ آؤ۔ چلے آؤ۔"

وہ ایک طویل راہداری میں تھے۔ ایک دروازے پر رک کر شبلی نے کہا۔ "یہی ڈیوڈ کا کمرہ ہے۔"

پھر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں بھی آپ کو بے تکلفی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔" عمران آہستہ سے بولا۔

اُس نے اس بار شبلی کی آنکھوں میں بھی الجھن کے آثار دیکھے۔ شاید اس دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے ہچکچا بھی رہا تھا۔ عمران نے اُسے بائیں جانب ہٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے ہینڈل گھما کر جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ لیکن اس سے بھی وہاں کے ماحول میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پھر جب وہ دونوں دروازے کے مقابل ہوئے تو شبلی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ کیونکہ سامنے ہی فرش پر ڈاکٹر ڈیوڈ کے سر اور دھڑ الگ الگ پڑے ہوئے تھے۔

"یہ.... یہ.... کیا ہے...." دفعتاً وہ عمران کو جھنجھوڑ کر بولا۔

"کسی نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو دو سے ضرب دے دیا ہے۔" عمران نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تت.... تم درندے ہو۔" شبلی نے جھنجھلا کر کہا اور بے تحاشہ "قتل.... قتل... پولیس .... پولیس.... چیخنے لگا۔"

"کیوں بور کر رہے ہیں۔ خاموش رہیے.... سیدھے ریالٹو چلے گئے ہوتے تو کیوں پڑتے اس زحمت میں؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا.... ایک آدمی قتل ہو گیا ہے۔ لاش تمہارے سامنے پڑی ہوئی ہے اور تم اس طرح کی باتیں کر رہے ہو!"

"جو لاش متاثر کرتی ہے اُس سے متاثر بھی ہو جاتا ہوں۔"

"ارے وہ تمہارا علاج کرنا چاہتا تھا۔"

"یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اب یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر فوریل کا کیا حشر ہوا۔"

"ڈیوڈ میرا دوست تھا۔ بہت اچھا دوست۔"

"آہستہ بولئے کہیں قاتل آس پاس ہی نہ موجود ہو۔"

"میں چوکیدار کو آواز دیتا ہوں۔"

"فی الحال خود کو قابو میں رکھئے اور یہیں ٹھہریے میں ذرا گاڑی تک جانا چاہتا ہوں۔"

"اُوہ۔ تو مجھے یہاں تنہا چھوڑ بھاگنے کا ارادہ ہے۔"

"نہیں۔"

"تو پھر گاڑی تک کیوں جانا چاہتے ہو۔"

"عمران نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور پر تفکر انداز میں بولا۔

"اچھی بات ہے۔ آپ بھی چلئے.... ہاں کیوں نہ پہلے ہم اُس حصے کی طرف چلیں جہاں ڈاکٹر فوریل کا کلینک ہے۔!"

"میں یہی کہتا ہوں فوراً پولیس کو اطلاع دو۔"

"میں یہی کرنے جارہا تھا۔ اس عمارت کا فون استعمال نہیں کرنا چاہتا۔" عمران نے دروازے کے ہینڈل کو رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

وہ راہداری سے نکل کر پھر برآمدے میں آکھڑے ہوئے اور عمران نے صدر دروازے کے ہینڈل کو بھی رومال سے صاف کیا۔

"مم.... میں کہتا ہوں چوکیدار.... کو آواز دو۔"

"ٹھہر جایئے.... میں پہلے پولیس کو فون کردوں.... میری گاڑی میں وائرلیس سیٹ موجود ہے....!"

"اچھا.... اچھا...." شبلی نے طویل سانس لے کر کہا۔

عمران نے گاڑی میں بیٹھ کر سفری ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا اور دھیرے دھیرے صفدر کو کال کرنے لگا۔

"اِٹ از صفدر....!" ریسیور سے آواز آئی۔

"تم یہاں کتنی دیر سے موجود ہو۔"

"قریباً دو گھنٹے سے!"

"ڈاکٹر ڈیوڈ کا تعاقب کرتے ہوئے آئے تھے۔"

"جی ہاں....!"

"اُس کے بعد کوئی اور بھی عمارت میں داخل ہوا تھا۔"

"جی ہاں۔ کچھ دیر پہلے سیاہ رنگ کی ایک مرسیڈیز۔"

"اُس کے علاوہ۔"

"جی نہیں اس کے علاوہ نہ کوئی گاڑی آئی اور نہ کوئی فرد کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔"

"کوئی باہر نکلا تھا۔"

"جی نہیں کوئی نہیں۔ کیا آپ عمارت میں موجود ہیں۔"

"مرسیڈیز میں.... میں ہی تھا۔ یہاں ڈاکٹر ڈیوڈ کی لاش ملی ہے۔"

"خدا کی پناہ! میرا خیال ہے کہ قاتل اب بھی عمارت ہی میں موجود ہوگا۔"

"خیر میں دیکھوں گا۔ اب تم عمارت کے عقب میں چلے جاؤ اور اُدھر سے نکاسی کا کوئی راستہ تلاش کرو۔ میں یہاں دیکھتا ہوں۔"

ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے گاڑی سے نکلا اور پھر شبلی کے پاس پہنچ گیا۔ شبلی کا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا عمران نے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بہت پسینہ آرہا ہے۔"

"رومال ہے میرے پاس!" شبلی نے ناگواری سے کہا اور جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ خشک کرنے لگا۔

"کیا فیاض کو فون کیا ہے؟" شبلی نے پوچھا۔

"فیاض کو کیوں کرتا۔ علاقے کے تھانے میں اطلاع دی ہے! اب چلئے کلینک کی طرف۔"

"کیا کروں اُدھر جاکر۔"

"ڈاکٹر فوریل کو اس قتل کی اطلاع نہ دیں گے!"

"تمہارا رویہ میری سمجھ سے باہر ہے!" وہ برآمدے سے اُترتا ہوا بولا اور عمران نے کہا۔

"یہ عمارت آپ کی دیکھی بھالی ہے۔ ورنہ آپ کو زحمت نہ دیتا۔"

کلینک میں پہنچ کر شبلی اُسے سیدھا ڈاکٹر فوریل کے کمرے کی طرف لیتا چلا گیا۔ ویسے اس وقت کلینک میں بھی سناٹا ہی تھا۔ صرف ایک نرس اور کمپاؤنڈر کے علاوہ اور کوئی نہیں دکھائی دیا تھا۔ ڈاکٹر فوریل انہیں دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ گئی۔

"ہیلو .... مسٹر شبلی۔" اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ عمران کو کنکھیوں سے دیکھے جارہی تھی۔ غالباً اس کے حلیے ہی نے اُسے خصوصی توجہ دینے پر مجبور کردیا تھا۔

"کیا آپ اپنی بیٹی کو لے آئے ہیں!" فوریل نے شبلی سے پوچھا۔

"نہیں....! لیکن ڈیوڈ....!" شبلی کی آواز تھرا گئی۔

"ڈاکٹر ڈیوڈ آرام کر رہے ہیں۔ کیا انہیں آپ کی آمد سے مطلع کر دیا جائے۔" عمران کی نظر فوریل کے چہرے پر تھی۔

"میں ڈیوڈ کے کمرے سے آ رہا ہوں۔ لیکن وہاں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ سر دھڑ سے الگ کر دیا گیا ہے۔"

"نہیں....!" فوریل کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"یقین کیجئے! ہم دیکھ کر آ رہے ہیں۔"

وہ دھم سے کرسی پر گر گئی اور اس کا سر میز پر جھکتا چلا آیا۔

"بیہوش نہ ہونے پائے!" عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور نرس کو آوازیں دیتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

نرس اور کمپاؤنڈر کو ڈاکٹر فوریل کی طبیعت کی اچانک خرابی کی اطلاع دی اور وہ دونوں بھی فوریل کے مطب کی طرف دوڑ پڑے۔

وہ سچ مچ بیہوش ہو گئی تھی۔ کلینک کے فون پر عمران نے علاقے کے پولیس اسٹیشن کو اس حادثے سے مُطلع کیا.... لیکن اس وقت شبلی اس کے پاس موجود نہیں تھا۔ تھانے میں اطلاع دینے کے پانچ منٹ بعد اس نے شبلی سے کہا کہ وہ کیپٹن فیاض کو بھی مطلع کر کے.... خود وہیں ٹھہرے۔

"اور کیا تم جا رہے ہو!" شبلی نے بوکھلا کر پوچھا۔

"مجبوری ہے!" عمران نے بسور کر کہا۔ "کیپٹن فیاض نے مجھے اس لباس میں دیکھ لیا تو ضرور اس کی وجہ پوچھے گا اور میں جھوٹ نہیں بول سکوں گا۔"

"یعنی کہ...."

"صاف صاف بتا دینا پڑے گا کہ ہم کس ارادے سے نکلے تھے۔"

"جاؤ.... جاؤ.... دفع ہو جاؤ۔" شبلی مضطربانہ انداز میں بولا۔

عمران نے باہر نکل کر گاڑی سنبھالی اور ٹھیک پھاٹک پر پہنچ کر رکا۔ چوکیدار کو قریب بلا کر اُس سے کہا۔ "شبلی صاحب اندر ہیں اور میں پولیس کو اطلاع دینے جا رہا ہوں۔"

"پپ پولیس کیوں ساب!" چوکیدار ہکلایا۔

"ڈیوڈ صاحب کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"ارے نہیں۔ ساب!" چوکیدار اچھل پڑا۔

"ڈیوڈ صاحب کے آنے سے پہلے یہاں کون آیا تھا؟"

"کوئی نہیں ساب! سارا دن بعد بس آپ لوگ آیا تھا۔"

"کیا ڈیوڈ صاحب کے ساتھ گاڑی میں اور کوئی بھی تھا؟"

"نہیں ساب اکیلا تھا۔"

"اچھا.... خیر.... تم ہوشیار رہنا ابھی پولیس آ جائے گی۔" کہہ کر عمران نے گاڑی گیئر میں ڈال دی اور پھاٹک سے نکلا چلا آیا۔ عمارت کے عقب میں پہنچنے کے لئے خاصا بڑا چکر لینا پڑا تھا۔ عمارات کے اس سلسلے کے بعد ویرانہ ہی تھا۔ تاریکی میں گاڑی کی ہیڈ لائٹ دور دور تک ناہموار زمین پر پھیل رہی تھی۔ جلد ہی اُسے صفدر کی گاڑی بھی نظر آ گئی۔ لیکن وہ خالی تھی۔ عمران نے اپنی گاڑی بھی اسی کے قریب روک دی۔ پولیس کے پہنچنے سے قبل ہی اُنہیں ان اطراف سے نکل جانا تھا۔ گاڑی کی لائٹ بجھا کر اس نے انجن بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پیروں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی اُدھر ہی آ رہا تھا۔ وہ سنبھل بیٹھا۔

آنے والا صفدر ہی تھا۔ عمران کے استفسار پر بولا۔ "بلاشبہ کوئی عقبی پارک کی دیوار پھلانگ کر اندر پہنچا تھا۔ دیوار پر ایک جگہ نشانات ملے ہیں.... اور شائد میں نے اسی شخص کی گاڑی بھی دریافت کر لی ہے جس کا ایک ٹائر فلیٹ ہو گیا ہے اور انجن ابھی تک گرم ہے۔"

"اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ واردات کو زیادہ دیر نہیں گذری۔"

"دراصل ٹائروں کے نشانات نے گاڑی تک رہنمائی کی ہے.... گاڑی کو یہاں سے جوں توں لے جا کر قریب ہی ایک خشک نالے میں اُتار دیا گیا ہے۔ نالے کے اُوپر جھاڑیاں ہیں۔ بہر حال جب تک اس گاڑی کی خاص طور پر تلاشی نہ ہو کسی کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہو سکتی۔"

"نمبر پلیٹ موجود ہے۔"

"جی ہاں.... پی کے تھری سکسٹی ایٹ۔ کورولا۔ موڈل سیونٹی سیون۔"

"گڈ.... تو جلدی ہی کوئی اُسے وہاں سے نکال لے جانے کے لئے ضرور آئے گا....!"

"جی ہاں.... میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں دیکھوں گا۔ بے فکر رہیئے۔ میں نے اُسی نالے میں ایک جگہ اپنے لئے بھی تجویز کرلی ہے....!"

"محتاط رہنا.... چاہو تو اپنی مدد کے لئے کسی اور کو بھی بلالو....!"

"ضروری نہیں سمجھتا۔"

"ٹھیک ہے تو میں چلا.... پولیس پہنچنے ہی والی ہوگی۔ لیکن دھیان رکھنا کہ کہیں ٹائروں ہی کے نشانات کے ذریعے پولیس تمہاری گاڑی تک نہ پہنچ جائے۔"

"اُس کا بھی انتظام کرلیا جائے گا۔"

"تو پھر میں چلوں!"

"جی ہاں....!"



دوسری صبح کے اخبارات میں ڈاکٹر ڈیوڈ کے بہیمانہ قتل کی خبر ڈاکٹر فوریل کے تفصیلی بیان کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ جس کے مطابق ڈاکٹر ڈیوڈ اور ڈاکٹر فوریل گہرے دوست تھے۔ ڈاکٹر فوریل خواتین کے امراض کی ماہر تھی۔ خصوصیت سے بانجھ پن کا ازالہ کرنے میں خاصی شہرت رکھتی تھی۔ ڈیوڈ اُسے امریکہ سے یہاں لایا تھا تجویز یہ تھی کہ دونوں مشترکہ طور پر کام کریں گے۔ اس سلسلے میں ڈیوڈ نے یہاں اپنے بعض ذی اثر لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا.... ساتھ ہی فوریل نے آخر میں یہ بھی کہا تھا کہ ڈیوڈ اُسے ہمیشہ ایک پُر اسرار آدمی لگا تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کے بارے میں ایک بے نام سی خلش اس کے ذہن میں ہمیشہ رہی تھی۔ ڈاکٹر فوریل نے اُس کے قتل کا شبہ کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا تھا.... کسی ایسے فرد کی بھی نشاندہی نہ کرسکی جس سے کبھی ڈاکٹر ڈیوڈ کی تلخ کلامی ہوئی ہو۔

بہر حال اس کے بیان کے مطابق ڈاکٹر ڈیوڈ ایک بہت اچھا لیکن پُر اسرار آدمی تھا۔

خبر پڑھ کر شہلا چوہدری نے اپنے باپ کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی! وہ شائد ابھی سو ہی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور شہباز چوہدری سامنے کھڑا آنکھیں ملتا نظر آیا۔

"کیا بات ہے رات دیر سے سویا تھا!"

"بڑی اہم خبر ہے ڈیڈی۔!"

"کیا بات ہے؟"

"کسی نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو قتل کردیا....!"

"نہیں۔!" وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"خود دیکھ لیجئے۔!" اس نے اخبار باپ کی طرف بڑھادیا۔ دونوں کمرے میں جا بیٹھے اور شہباز خبر دیکھنے لگا۔

"غالباً آپ کو صدمہ تو ہوا نہ ہوگا۔" شہلا نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"بہت بڑے جنجال سے پیچھا چھوٹا! ہر وقت دھڑکا رہتا تھا نہ جانے کب ذلیل و خوار ہوجاؤں۔" شہباز طویل سانس لے کر بولا۔

"آخر وہ تھا کیا چیز!"

"بہت بُرا آدمی تھا۔ بس کیا بتاؤں۔ بسا اوقات ہم نادانستگی میں کوئی بہت بڑی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور شومئی تقدیر سے کوئی اس پر گواہ بھی ہوجاتا ہے۔ اگر وہ بُرا آدمی ہوا تو غلطی کرنے والے کی پوری زندگی وبال ہوجاتی ہے۔ وہ بہت بڑا بلیک میلر تھا بے بی!"

"اب تو آپ مطمئن ہیں۔"

"ہاں بظاہر۔ اگر کسی دوسرے بلیک میلر نے اُسے قتل نہیں کیا ہے۔!"

"کیا مطلب!"

"بسا اوقات بلیک میلنگ کا مواد ایک گراں بہا خزانے کی طرح ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ہوسکتا ہے کسی دوسرے بلیک میلر نے اُسے قتل کرکے بلیک میلنگ کا سارا مواد اپنے قبضے مین کرلیا ہو۔ اور اب وہ ہمیں بلیک میل کرنا شروع کردے۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے تنگ آئے ہوئے کسی فرد ہی نے اُسے قتل کردیا ہو۔ کیا اس دوران میں آپ نے نہ سوچا ہوگا کہ کاش آپ اس کو قتل کرسکتے!"

"کتنی ہی بار سوچا ہے۔"

"ذرا سا پدا تو تھا۔" شہلا حقارت سے بولی۔ "کیا خیال ہے آپ کا ڈاکٹر فوریل واقعی اس کی اصلیت سے واقف نہ ہوگی۔"

"خدا ہی جانے۔ ڈیوڈ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کسی خاص مقصد کے حصول ہی کے لئے اس کو یہاں لایا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ اُسے بھی بلیک میل ہی کرتا رہا ہو۔"

"لیکن وہ اس کا اعتراف کیوں کرنے لگی۔!" شہلا نے کہا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور شہباز نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ایک انجانی سی آواز آئی اور شہباز نے کہا۔ "ہاں میں شہباز ہی ہوں۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ڈیوڈ کی موت کے بعد تم آزاد ہو گئے ہو۔"

"تم کون ہو!" شہباز نے گرج کر پوچھا۔ اُسے انگلش میں مخاطب کیا گیا تھا اور بولنے والے کا لہجہ غیر ملکی تھا۔

"میں کوئی بھی ہوں!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ڈیوڈ محض ایک مہرہ تھا۔ اور میرے لئے کام کرتا تھا.... اس کی موت سے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور اب تم براہِ راست ڈاکٹر فوریل سے تعاون کرو گے۔"

شہباز نے کچھ کہنا چاہا پھر اضطراری طور پر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ چہرے پر خوفزدگی کے آثار گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"کون تھا۔ کیا بات ہے ڈیڈی....!" شہلا اُسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"کچھ نہیں کوئی نہیں! جاؤ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

لہجہ اتنا خراب تھا کہ شہلا وہاں نہ رک سکی۔ لیکن اس کی فکر مندی میں اس رویے سے مزید اضافہ ہو گیا تھا وہ سوچ رہی تھی کیا اس کے باپ کا یہ خیال درست ثابت ہوا ہے کہ ڈیوڈ کی موت کسی دوسرے بلیک میلر کے ہاتھوں واقع ہوئی ہے اور اب سارا بلیک میلنگ اسٹف اُس کے قبضے میں آ گیا ہے۔ وہ سوچتی اور الجھتی رہی۔ اسی عالم میں ناشتے کی میز تک پہنچی لیکن آج اُسے تنہا ناشتہ کرنا پڑا۔ باپ نے ناشتہ خلاف معمول اپنی خواب گاہ میں کیا تھا۔ شہلا کی تشویش بڑھتی چلی گئی۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کرے۔ دفعتاً اُسے عمران یاد آیا جس نے پوری طرح اُن کے معاملات کی پردہ پوشی کی تھی۔ یعنی کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا تھا جس کی بناء پر پولیس شاہد کے

سلسلے میں براہِ راست اس سے یا اس کے باپ سے پوچھ گچھ نہیں کر سکی تھی۔ کسی نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تک نہیں تھا۔ تو پھر کیا اس سلسلے میں اُسی سے رابطہ قائم کیا جائے۔

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ایک ملازم نے کسی کا کارڈ دیا جس پر نظر پڑتے ہی وہ مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا تم نے انہیں سٹنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" اس نے ملازم سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

اور جب وہ سٹنگ روم میں پہنچی تو انسپکٹر شاہد اُس کا منتظر تھا۔

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ۔ کوئی بات نہیں تشریف رکھئے۔ اب آپ کیسے ہیں۔"

"میں پہلے ٹھیک تھا اور اب بھی ٹھیک ہوں۔ پتا نہیں کیوں میری ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا دیا گیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ہڈی کہیں سے بھی نہیں ٹوٹی تھی۔"

"تو آپ ہم پر کوئی فردِ جرم عائد کرنے آئے ہیں!"

"قطعی نہیں! بس تصدیق کرنی تھی۔ اس نے سوچا تھا شائد کسی اور نے آپ کا یا آپ کے ڈیڈی کا نام لے لیا ہوگا۔"

"جی نہیں! وہ میں ہی تھی لیکن جو لوگ آپ کو اٹھا کر لائے تھے اُن کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی تھا اور اسی نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ کی ٹانگ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔"

"بہرحال اسی لئے میں اب مناسب نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں کا نام لیا جائے کیونکہ آپ لوگوں کو بھی دھوکا دیا گیا ہے۔ لیکن کیا آپ بتا سکیں گی کہ آپ کی دیہی کوٹھی سے مجھے کون لے گیا تھا۔"

"خدا جانے۔ بس آپ رات کو حیرت انگیز طور پر غائب ہو گئے تھے۔"

شاہد طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"تو آپ ہم لوگوں کا نام نہیں لیں گے!" شہلا نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! خواہ مخواہ آپ لوگوں کو دشواری میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟"

"واقعی اس سلسلے میں ہم آپ کے ہمیشہ احسان مند رہیں گے۔"

"کیا آپ اُن لوگوں میں سے کسی کا حلیہ بتا سکیں گی جو مجھے بحالت بیہوشی آپ کی کوٹھی
ں لے گئے تھے!"

"اُس وقت وہاں نہ میں موجود تھی اور نہ ڈیڈی۔ ملازموں اور خاندان کے چند دوسرے
نراد نے آپ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری قبول کی تھی اور میرا خیال ہے کہ اُن لوگوں کو شائد ہی
ی کا حلیہ یاد ہو۔"

"اچھا تو اب اجازت دیجئے!"

"یہ کیسے ممکن ہے! کم از کم کافی تو پیجئے۔"

"نہیں شکریہ! پھر کبھی ویسے بر سبیل تذکرہ.... کیا آپ مسٹر علی عمران کو جانتی ہیں۔"

"آپ اپنے محکمے کے ڈائریکٹر جنرل کے صاحب زادے کی بات تو نہیں کر رہے۔"

"جی ہاں وہی۔"

"میں انہیں جانتی ہوں۔ کبھی کبھی رائفل کلب میں ملاقات ہوتی ہے۔"

"کیا وہ اس دوران میں اُس دیہی کوٹھی میں آئے تھے جب میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔"

"نہیں تو.... وہاں اُن کا کیا کام....!"

"اچھا بہت بہت شکریہ۔"

وہ چلا گیا اور شہلا سوچتی رہی کہ آخر اس ملاقات کو کس خانے میں فٹ کرے۔ سٹنگ روم
سے اٹھ رہی تھی کہ اس کا باپ آ گیا۔

"ابھی کون آیا تھا۔" اس نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"انسپکٹر شاہد.... جس کی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا کر ڈاکٹر ڈیوڈ نے ہمارے حوالے کیا تھا۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔" شہباز چوہدری نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ اس نے اپنی رپورٹ میں ہمارا ذکر نہیں کیا۔"

"آخر کیوں؟ اس میں کیا چال ہو سکتی ہے؟"

"میں کیا جانوں!" شہلا جھنجھلا کر بولی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا باپ اتنا بزدل ہے۔

"اب تم کسی سے بھی نہیں ملو گی۔ کوئی بھی آئے ملنے سے انکار کر دو۔"

"آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ ہم اس جنجال سے نہیں نکل سکے! ڈیوڈ کسی نامعلوم آدمی کا نمائندہ تھا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کچھ دیر قبل تمہاری موجودگی میں جو کال آئی تھی اُسی کی تھی۔ انگلش بولنے والا کوئی
غیر ملکی تھا۔ اُس نے ہدایت کی ہے کہ اب مجھے براہِ راست ڈاکٹر فوریل سے تعاون کرنا ہوگا۔"

"اور اصل بلیک میلر وہی ہے!"

"ہاں اس نے یہی کہا ہے۔ تمہارے سامنے ہی میں نے جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا تھا لیکن
تمہارے چلے جانے کے بعد پھر اُس کی کال آئی۔ کیا تم علی عمران نامی کسی شخص کو جانتی ہو۔"

"اُوہ.... ہاں کیوں.... اُس کا یہاں کیا ذکر۔"

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ شخص یہاں آئے تو میں اُسے کسی مشروب میں بے ہوشی کی
دوا دے دوں اور اس کے بے ہوش ہو جانے پر اُسے مطلع کر دوں لیکن یہ علی عمران ہے کون۔"

"سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل کا لڑکا۔"

"خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔"

"اب تو ڈیڈی آپ کو بتانا ہی پڑے گا کہ آپ کس سلسلے میں بلیک میل ہو رہے ہیں اور یہ
لوگ آخر چاہتے کیا ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو!" وہ پیر پٹخ کر دھاڑا۔ "ہمیں وہی کرنا پڑے گا جو ہم سے کہا جا رہا
ہے...." پھر وہ صوفے پر گر گیا اور کسی ننھے سے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

شہلا ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

عمران سیریز نمبر 113

دوسرا پتھر

(دوسرا حصہ)

پیشرس

ابھی میری علالت کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن اللہ کا کرم ہے کہ میں نے اس کے باوجود بھی کتاب لکھ لی اور آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسمانی کرب سے ذہن کی مزید کھڑکیاں کھلتی ہیں شائد برحمت پروردگار میرے ساتھ بھی ایسا بھی ہوا ہے۔ جب بھی آنکھ کھلتی ہے تھوڑا بہت لکھ لیتا ہوں۔ جسمانی طور پر اتنا گھٹ گیا ہوں کہ خود اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ کبھی آئینے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ تو بے اختیار یہی پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ "بڑے میاں کس کا پتہ پوچھ رہے ہو۔"

"ادھر میری خیریت دریافت کرنے کے لئے اتنے خطوط آئے ہیں کہ فرداً فرداً ہر ایک کا جواب لکھنا ناممکن ہے۔ بہرحال میں اپنے سارے محبوں کا بے حد شکر گذار ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں دینی اور دنیاوی نعمتوں سے نوازیں۔ آمین۔

کچھ بھائی ایسے ہیں کہ اس عالم میں بھی ایسے سوالات کر جاتے ہیں جن کی طرف متوجہ ہوئے بغیر رہا نہیں جاتا۔

ایک بھائی نے پوچھا ہے کہ جمہوریت اچھی یا ڈکٹیٹر شپ۔ اور اسلامی مزاج ان دونوں میں سے کسے سہار سکتا ہے۔

بھائی اگر آپ اسلامی نکتہ نظر سے پوچھتے ہیں تو پہلے بھی کبھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں جمہوریت جیسی کسی شے کی گنجائش

نہیں۔ اسلام تو اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا نام ہے۔ جمہوریت میں دھارے کے ساتھ بہنا پڑتا ہے۔ جبکہ اسلام دھارے پر چڑھنے کو کہتے ہیں۔ اسلامی مملکت کے لئے صرف ایک ایماندار فرد کی حکومت کافی ہے کہ وہ ایماندار فرد اپنے احکامات نہیں بلکہ قرآنی احکامات ہم سے منواتا ہے۔ لہٰذا میرے بھائی اسلام اور جمہوریت کو اجماع ضدین سمجھئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں جمہوری نظام پنپ نہیں سکا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہاں جمہوریت کے علمبرداروں کو بھی ڈکٹیٹر بننا پڑا ہے اور بالآخر یہی چیز ان کے زوال کا باعث بنی کہ زبان پر تو جمہوریت کا نعرہ ہوتا تھا لیکن کرتوت ڈکٹیٹروں سے بھی بدتر۔

غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔

پھر جمہوریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں صرف ووٹ گنے جاتے ہیں بقول اقبالؒ "بندوں کو پرکھا نہیں جاتا" جو چاہے دولت کے بل بوتے پر بحیثیت امیدوار کھڑا ہو کر منتخب ہو جائے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ دفتر کی کلرکی کے لئے تو آپ کو فرسٹ کلاس گریجویٹ چاہئے۔ لیکن قوم کی باگ ڈور "لٹھ" قسم کے افراد کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے۔ شیخ مرغی سپلائر انگوٹھا چھاپ تو قومی اسمبلی میں پہنچ کر قانون سازی فرمائیں اور سیکنڈ کلاس گریجویٹ کو چپراسی بنانے کے لائق بھی نہ سمجھا جائے۔ ہے سمجھ میں آنے والی بات؟

لاحول ولا قوۃ....

ابن صفی

۳ر نومبر ۱۹۷۹

۞

عمران نے سلیمان کو آواز دی اور وہ بالوں میں کنگھا کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور فوراً ہی بولا۔

"اس طرح گھور کر نہ دیکھئے اپنا اپنا شوق ہے۔ وہ دن میں چھ بوتلیں پیا کرتا تھا اور میں دن بھر کنگھا کیا کرتا ہوں۔ اُس پر آپ کے سیکڑوں خرچ ہوتے تھے۔ یہ صرف دو روپے کا کنگھا ہے اور میری حق حلال کی کمائی اس میں شامل ہے۔"

"ابے ہانڈیوں میں جوئیں گرتی ہوں گی۔"

"گرا کریں.... ان میں وٹامن ایکس وائی زیڈ پایا جاتا ہے۔"

"جوزف ہے کہاں۔"

"خوب یاد دلایا۔ شاید آپ آج کل اسے سو روپے یومیہ دے رہے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ بوتلیں کتنے کی آتی تھیں۔ میں نے کہا تین سو روپے کی۔ کہنے لگا اب آپ مجھے صرف سو روپے دے دیا کیجئے تاکہ مکھن دودھ کھا پی کر جان بنا سکوں۔"

سلیمان نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"اس میں دانت نکالنے کی کیا بات ہے۔"

"ہے جناب کیونکہ آپ واقعی بہت بھولے ہیں۔ وہ چرس پینے لگا ہے۔ کسی نے پٹی پڑھادی ہے مرغن غذاؤں کے ساتھ چرس کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچاتی۔"

عمران سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور سلیمان جلدی جلدی کنگھا کرنے لگا۔

"وہ ہے کہاں؟" عمران نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہوتا کہاں اپنے کمرے میں ہے۔"

"تو پھر مر ہی چکا ہوگا کیونکہ خراٹے کی آوازیں بھی نہیں آرہیں۔"

"اُسے آپ سو روپے یومیہ دیتے ہیں۔ مجھے صرف پچاس دے کر دیکھئے پاس پڑوس کے خراٹے بھی رکوادوں۔"

"اُسے بلا لاؤ۔"

"سالا چرس کے نشے میں ہوا تو مجھے جان سے مار دے گا۔"

"جاتا ہے یا میں ہی ماردوں جان سے۔"

وہ بدستور کنگھا کرتا ہوا چلا گیا۔ اب عمران نے گلرخ کو آواز دی۔

"جی صاحب جی!" وہ فوری طور پر کمرے میں داخل ہوئی۔ شاید قریب ہی کہیں موجود تھی یا پھر چھپ کر دونوں کی گفتگو سن رہی ہوگی۔

"سلیمان کو کچن میں نہ گھسنے دیا کر۔"

"کیوں صاحب جی۔"

"ہانڈیوں میں جوئیں گراتا ہوگا۔"

"جوئیں نہیں ہیں اس کے سر میں۔"

"تو پھر یہ ہمہ وقت کنگھا کیوں کیا جاتا ہے۔"

"کسی نے اسے بتایا ہے کہ اس طرح زندگی بھر بال سفید نہیں ہوتے۔"

"اچھا.... اچھا۔ ایک کنگھا مجھے بھی لادے۔"

"آپ بھی صاحب جی....!"

"تجربہ کروں گا۔"

"آپ کے سر میں تو ایک بھی سفید بال نہیں ہے۔ اُس کے بال کھچڑی ہو چلے ہیں۔"

"یہ کھچڑی مسور کی دال بھی بن سکتی ہے۔ بس مجھے غصہ آنے کی دیر ہے۔"

"آپ کو غصہ آئے گا۔"

"کیوں نہیں آئے گا۔"

"کیسے لگیں گے غصے میں۔"

"چل بھاگ ورنہ آہی جائے گا۔"

وہ چپ چاپ واپسی کے لئے مڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جوزف کمرے میں داخل ہوا لیکن سلیمان اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ عمران اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی اُسے شلوار سوٹ میں نہیں دیکھا تھا۔

"اس طرح مت دیکھو باس...." جوزف کے دانت نکل پڑے۔

"دیکھنے کی چیز لگ رہا ہے....!"

"میں تھوڑا تھوڑا کر کے مسلمان ہو رہا ہوں۔"

"یہ بڑی اچھی بات سنائی تو نے۔ لیکن اچانک اس کی کیوں سوجھی۔"

"اُدھر شیدیوں کے گوٹھ میں ایک مولبی صاحب ہے.. وہ مجھ کو چرس پلا کر لکچر دیا کرتا ہے۔"

"چرس پلا کر۔" عمران اچھل پڑا۔

"ہاں باس وہ کہتا ہے کہ چرس اللہ کی طرف لے جاتی ہے اور شراب کا راستہ شیطان کی طرف جاتا ہے۔ اُس نے مجھے قبروں پر بیٹھے ہوئے فقیروں کو چرس پیتے دکھایا تھا اور کہا تھا کہ یہ وگ محض چرس کی وجہ سے خدا رسیدہ ہوئے ہیں۔"

"ابے یہ چرس آدمی کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔"

"میں تو کھوکھلا نہیں ہوا۔"

"کب سے پی رہا ہے۔"

"ایک ہفتے سے۔"

"بس ایک ماہ بعد دیکھیو"

"کچھ بھی نہیں ہوگا باس میں دن بھر میں پچاس روپیوں کا مکھن اور دودھ ہضم کر ڈالتا ہوں۔"

"لیکن شیدیوں کے گوٹھ میں تیرا کیا کام۔"

"کالا۔ کالوں ہی میں کھپ سکتا ہے۔"

"اس گھر میں کتنے آبنوس ہیں!"

"گھر کی اور بات ہے باس۔"

"دفع ہو جا۔ میں تیری طرف سے مایوس ہو چلا ہوں۔"

وہ خاموشی سے واپسی کے لئے مڑ گیا۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے صفدر کی کمزور سی آواز آئی۔ "میں سول اسپتال سے بول رہا ہوں۔"

"کیوں؟ خیریت تو ہے نا....!"

"زخمی ہو گیا ہوں۔ ران میں گہرا زخم ہے۔ خون بہت ضائع ہوا ہے۔ پرائیویٹ وارڈ کمرہ نمبر ۱۳ میں ہوں۔"

"میں ابھی آیا۔" عمران نے کہا اور جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے سول اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

صفدر واقعی بہت کمزور نظر آ رہا تھا۔

"یہ ہوا کیسے۔" عمران نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا کہ گاڑی کے قریب ہی میں نے ایک ایسی جگہ دریافت کر لی ہے جہاں چھپ کر میں بہ آسانی گاڑی کی نگرانی کر سکوں گا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ایک زبردست دھماکا ہوا اور کوئی جلتی ہوئی چیز میری بائیں ران میں چبھ گئی۔ بڑا سا لوہے کا ٹکڑا تھا۔ میں نے اُسے کھینچ لیا۔ بس چھوٹ پڑا خون کا فوارہ خدا کا شکر ہے کہ ہڈی پر ضرب نہیں ہے۔"

"تو تم مجھے یہ اطلاع دے رہے ہو کہ گاڑی دھماکے سے اڑ گئی۔" عمران نے کہا۔

"جی ہاں۔ شاید وہ اُس میں ٹائم بم چھوڑ گئے تھے۔"

"تمہاری طرف سے تشویش ہو گئی ہے۔" عمران بولا۔

"فکر نہ کیجئے بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"بہر حال گاڑی تباہ ہو گئی۔ لیکن اُس کا نمبر محفوظ ہے۔ میں خود دیکھ لوں گا۔"

عمران کچھ دیر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اور راستے ہی میں ایک پبلک فون بوتھ سے بلیک زیرو کو کال کیا۔

"یس سر!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ایک گاڑی کے رجسٹریشن نمبر میک اور موڈل سے پتا لگانا ہے کہ وہ کس کے نام پر رجسٹر ہے۔!"

"بہت بہتر۔ میں نوٹ کر رہا ہوں۔ آپ فرمائیں۔"

"پی کے تھری سکسٹی ایٹ۔ ٹویوٹا کورولا۔ موڈل سیونٹی سیون۔"

"او کے سر...."

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔"

"لل لیکن ٹھہریئے جناب.... ذرا ایک منٹ ہولڈ کیجئے۔ شاید آپ نے صبح کا کوئی اخبار نہیں دیکھا۔"

"میں ضرور تا دیکھتا ہوں اخبار۔ آج ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔"

"میں ابھی آپ کو بتاتا.... ویسے ہو سکتا ہے مجھے غلط یاد ہو۔"

"جاؤ۔ جلدی کرو۔" عمران نے کہا اور ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔

تھوڑی دیر بعد بلیک زیرو کی آواز آئی۔ "یہ کسی شہلا چوہدری کی گاڑی ہے جو کل دو بجے چوری ہو گئی تھی۔ شہلا نے اُس کی گمشدگی کی رپورٹ پرنسٹن کے تھانے میں درج کرائی ہے۔ ساتھ ہی پانچ ہزار روپے انعام کا اعلان بھی کیا ہے۔"

"بس کافی ہے۔" عمران نے کہا اور رابطہ منقطع کر کے گاڑی میں آبیٹھا۔ اس گاڑی میں وائرلیس ٹیلی فون نہیں تھا۔ آج کل اس کے پاس کئی طرح کے ریڈی میڈ میک اپ ہوا کرتے تھے۔ جنہیں وہ موقع کے اعتبار سے استعمال کرتا رہتا تھا۔

بہر حال اب وہ پھر ایک فون کال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کسی پبلک فون بوتھ سے نہیں۔ لہٰذا اُسے اپنے محکمے کے ایک مہمان خانے کا رخ کرنا پڑا۔ جس کی کنجی اتفاق سے اس وقت اُس کے پاس موجود تھی۔ وہاں پہنچ کر اُس نے فون پر شہلا چوہدری کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس کو رومال سے ڈھانک کر نسوانی آواز میں بولا۔ "شہلا موجود ہیں۔"

"آپ کون ہیں۔" دوسری طرف سے بھی کسی عورت ہی نے پوچھا۔

"میں شاکرہ نجمی ہوں۔"

"ایک منٹ ٹھہریئے انہیں اطلاع دیتی ہوں۔"

عمران بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو شاکرہ.... خیریت تو ہے.... آج میں کیسے یاد آ گئی۔"

"ایک اشد ضرورت کے تحت۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ میں صدا کی خود غرض ہوں۔"

"چلو مانے لیتی ہوں۔ لیکن یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے۔"

"دو ماہ ہوئے پہاڑ پر گئی تھی وہاں سے دوکل کارڈ کا مرض لے کر پلٹی ہوں۔ ڈاکٹر آپریشن کی بات کرتے ہیں لیکن میری ہمت نہیں پڑتی۔"

"یہ تو بہت بُری خبر سنائی تم نے۔"

"کیا تم اس وقت میرے پاس آ سکتی ہو۔"

"تمہارے گھر....!"

"نہیں میں اس وقت انکل کے گھر پر ہوں۔ تمہارا بڑا احسان ہوگا اگر آ جاؤ۔"

"ہر چند کہ ڈیڈی نے مجھے کچھ دنوں کے لئے صرف گھر تک محدود کر دیا ہے لیکن میں ضرور آؤں گی۔ تم اپنے انکل کا پتا بتا دو۔"

عمران اُسے پتہ بتانے لگا۔

"میں سمجھ گئی۔ آدھے گھنٹے کے اندر پہنچ جاؤں گی۔"

"بہت بہت شکریہ میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی۔"

"بکواس کئے جائے گی۔ میں آ رہی ہوں۔"

عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی۔ کچھ سوچتا رہا پھر جلدی جلدی بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ "دیکھو میں اس وقت ٹی تھرٹین میں ہوں۔ شہلا چوہدری یہاں مجھ سے ملنے آ رہی ہے۔ تم خاور اور چوہان کو ٹی تھرٹین کی طرف اس ہدایت کے ساتھ فوراً بھیج دو کہ اگر کوئی شہلا کا تعاقب کرتا ہوا نظر آئے تو اسے کسی حال میں بھی نہ چھوڑیں۔ سائیکو مینشن اٹھا کر لے جائیں۔ اگر وہ اپنے ساتھ اور کسی کو بھی لینا چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔"

"بہت بہتر جناب....!"

"جلد از جلد....!" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

پتا نہیں کیوں اس وقت بہت مگن نظر آ رہا تھا۔ نہ آنکھوں میں فکر مندی کے آثار تھے اور نہ پیشانی پر تشویش کی لکیریں۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے شکار کھیلنے نکلا ہو۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اطلاعی گھنٹی بجی اور عمران صدر دروازے کی طرف لپکا۔ دروازہ کھولتے ہی اُس نے شہلا کی تحیر زدہ سے آواز سنی۔

"ارے نہیں....!"

"میں معافی چاہتا ہوں محترمہ۔ آپ سے ملنا بے حد ضروری تھا اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آپ اندر بے خوف و خطر تشریف لے آیئے۔"

"اوہو.... ایسا بھی کیا۔ مجھے آپ پر اعتماد ہے۔"

اس کے اندر داخل ہو جانے پر عمران نے دروازہ بند کیا اور اُسے سٹنگ روم میں لے آیا۔

"کیا آپ شاکرہ کے انکل ہیں....!" شہلا نے پوچھا۔

"نہیں میں خود ہی شاکرہ بھی ہوں۔ رائفل کلب میں آپ دونوں زیادہ تر ساتھ رہتی تھیں۔ اس لئے اس کا نام یاد رہ گیا تھا۔"

"تو آپ ہی بول رہے تھے۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں اور اس مجبوری کی بناء پر کہ آپ کا فون ٹیپ کیا جا رہا ہے۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ عمران صاحب ہم بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔" اس نے کہا۔ "شاید آپ کو علم نہ ہو کہ ڈاکٹر ڈیوڈ اصل آدمی نہیں تھا۔ کسی کا کارپرداز تھا۔ اصل بلیک میلر کوئی غیر ملکی ہے۔"

"مجھے علم ہے۔ صرف وہی نہیں ٹیپ کرا رہا آپ کا فون بلکہ ہم بھی کر رہے ہیں۔ آپ مجھے یہی بتانا چاہتی ہیں نا کہ اُس نے مجھ سے متعلق آپ لوگوں کو خصوصی ہدایات دی ہیں۔"

"جج.... جی.... ہاں۔"

"تب پھر جب آپ کا دل چاہے مجھے بے ہوش کر کے اس کے حوالے کر سکتی ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ.... لعنت ہے اس پر۔"

"میں سنجیدہ ہوں شہلا صاحبہ۔ خیر اس معاملے کو پھر دیکھیں گے۔ آپ یہ بتایئے کہ آپ کی گاڑی کہاں سے چوری ہوئی تھی۔"

"دن دہاڑے جناب! پرنس اسٹریٹ میں۔ میں شاپنگ کر کے واپس آئی۔ تو گاڑی غائب تھی۔"

"ڈیوڈ کے قتل کے سلسلے میں اُسی کا استعمال ہوا تھا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"کیا گاڑی کی ڈگی میں کوئی فالتو پہیہ موجود تھا۔"

شہلا اُسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "جی نہیں۔"

"بس تو پھر وہی گاڑی تھی۔ قاتل آپ کی موڈل ٹاؤن والی کوٹھی کے عقبی پارک کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوا تھا۔ واپسی پر اُس نے دیکھا کہ گاڑی کا ایک ٹائر فلیٹ ہو چکا ہے۔ اس نے اسپیئر وہیل تلاش کیا ہوگا نہ ملنے پر گاڑی کو ایک قریبی خشک نالے میں دھکیل لے گیا۔ اور پھر اُس میں ایک ٹائم بم بھی چھوڑ گیا۔"

"خدا کی پناہ تو وہ دھماکہ جس کا ذکر اخبارات میں آیا ہے۔"

"آپ کی گاڑی میں ہوا تھا اور اس کے پرخچے اڑ گئے تھے۔"

شہلا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ بھی بلیک میلر ہیں۔"

"ابھی میرے بارے میں آپ بہت کچھ سنیں گی۔ مثلاً منہ سے لوہے کے گولے نکالتا ہے۔ ریزر بلیڈ چباتا ہے اور زندہ سانپ کو ککڑی کی طرح کرر کرر چبا ڈالتا ہے۔"

"سنجیدگی اختیار کیجئے عمران صاحب میں بہت پریشان ہوں۔"

"ارے محترمہ.... میں.... لیکن ٹھہریئے۔ کیا میں آپ پر اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"اُسی طرح جیسے میں نے آپ پر اعتماد کر لیا ہے۔"

"اچھا تو سنئے میں محکمہ خارجہ کے شعبہ کار خاص سے تعلق رکھتا ہوں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے۔"

"میں آپ پر اعتماد کر لوں گی۔"

"نہ کریں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ کی گاڑی چوری نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اُسے وہاں سے آپ کے والد صاحب لے گئے تھے۔ وہ خاصے جانے

پہچانے آدمی ہیں۔ جب میرے آدمی اس کے بارے میں چھان بین کر رہے تھے تو ایک فرد ایسا بھی ملا جس نے آپ کے والد کو گاڑی لے جاتے دیکھا تھا۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" وہ چمک کر بولی۔

"یہی کہ وہ بیچارے اس قابل کہاں کہ عقبی پارک کی دیوار پھلانگ سکیں۔ لیکن گاڑی انہی کے توسط سے قاتلوں تک پہنچی تھی۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو وہ مجھے گمشدگی کی رپورٹ نہ درج کرانے دیتے۔"

"بس سوچتی رہئے لیکن ہوا یہی ہے۔"

"اچھا ایک بات اور.... میں جب بھی باہر نکلتی ہوں میرا تعاقب کیا جاتا ہے۔ ایک یوریشین لڑکی اسکوٹر پر ہوتی ہے۔ اس وقت بھی وہ میرے پیچھے پیچھے آئی تھی۔"

"اب تعاقب نہ کر سکے گی۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"واپسی پر اندازہ لگا لیجئے گا۔" عمران نے کہا۔ "کیونکہ اب وہ میرے آدمیوں کی تحویل میں ہوگی۔"

"خیر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر کسی نے چھیڑ چھاڑ کی تو مارا جائے گا۔" شہلا نے کہا اور وینٹی بیگ سے اعشاریہ تین دو کا ریوالور نکال کر عمران کو دکھایا۔

"پرمٹ ہے اس کا۔"

"جی ہاں۔ پکا پرمٹ....!"

"ٹھیک ہے۔ آپ بہت دلیر لڑکی ہیں میں جانتا ہوں۔ اچھا خیر اب آپ جایئے میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔ لیکن ٹھہریئے یہ بھی دکھا دوں کہ میرا حلیہ کیا ہوگا۔ عمران نے کہا اور اُسے وہیں بٹھا کر خود دوسرے کمرے میں چلا گیا۔"

شہلا خاصی پریشان نظر آنے لگی تھی اور پھر جب پانچ یا چھ منٹ بعد عمران کی واپسی ہوئی تو وہ چونک پڑی.... اٹھ ہی رہی تھی کہ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بیٹھی رہئے میں ہوں۔"

"خدا کی پناہ آپ بہروپئے بھی ہیں۔"

عمران نے اپنا ایک ریڈی میڈ میک اپ استعمال کیا تھا۔

"اچھی طرح دیکھ لیجئے۔ میں اسی روپ میں آپ سے ملا کروں گا۔"

"آپ واقعی باکمال آدمی ہیں۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ اور عمران سے مصافحہ کر کے رخصت ہونے لگی تو عمران نے کہا۔

"یاد رکھئے گا اس میک اپ میں میرا نام راشد پٹھان ہے۔"



واقعی وہ ایک سفید فام لڑکی ہی تھی اور بڑی مشکلوں سے چوہان اور خاور کے قابو میں آئی تھی اور پھر اُسے اسکوٹر سمیت سائیکو مینشن میں پہنچا کر وہاں کی حوالات میں ڈال دیا گیا۔ جولیا کو ایکس ٹو کی طرف سے اطلاع ملی کہ عمران کے علاوہ اور کوئی اُس لڑکی سے کسی قسم کی گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اُدھر عمران ابھی تک اُسی عمارت میں تھا جہاں اُس نے شہلا چوہدری سے ملاقات کی تھی۔ کچھ دیر بعد چلنے ہی والا تھا کہ بلیک زیرو کی کال آئی۔ وہ عمران کو اطلاع دے رہا تھا۔ "وہ ایک سفید فام لڑکی تھی جناب خود میں بھی نکل کھڑا ہوا تھا۔ بچشم خود اُسے دیکھا۔ اُس نے ٹھیک ٹی تھرٹین کے سامنے اپنی گاڑی روک دی تھی اور بیٹھ کر اُس کے انجن کو دیکھنے لگی تھی۔ گویا ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ اسکوٹر کے انجن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ کچھ دیر بعد خاور اس کے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے بولا۔ "کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔" وہ شکریئے کے ساتھ اس پر راضی ہوگئی۔ خاور نے جلد ہی معلوم کر لیا کہ بیٹری کے تار کا ٹرمینل ڈھیلا ہے۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹا پیسہ نکال کر اُسے کسی قدر خم کیا اور ٹرمینل کے گرد لگا کر اُسے ٹائٹ کر دیا۔ اس بار گاڑی اسٹارٹ ہوگئی اور لڑکی ایک بار پھر اُس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے روانہ ہوگئی۔ چوہان اور خاور نے اپنی گاڑی سامنے والی گلی میں پارک کی تھی اور ادھر اُدھر ٹہل گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کا اسکوٹر پھر اُدھر ہی پلٹ آیا اور اتفاق سے اس بار اس نے بھی اسکوٹر وہیں روکا جہاں صفدر اور چوہان کی گاڑی پارک تھی لیکن وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔ اسکوٹر وہیں چھوڑ کر وہ ٹی تھرٹین کی طرف بڑھ گئی۔ خاور اور چوہان جہاں تھے وہاں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے

اُسے ٹی تھرٹین کے پائیں باغ میں داخل ہوتے دیکھا۔ جہاں شہلا چوہدری کی اور آپ کی گاڑی پارک تھی وہ دونوں الرٹ ہوگئے۔ چوہان جو دوسری پوزیشن پر تھا اُس نے اُسے اپنا اسکوٹر بھی وہیں روکتے دیکھا تھا۔ جہاں خود اُس کی گاڑی پارک تھی۔"

"کہانی کو مختصر کرو۔" عمران جلدی سے بولا۔

"پھر یہ ہوا جناب کہ چوہان نے اسکوٹر کی بیٹری کے ٹرمینل سے وہ پیسہ نکال دیا جو خاور نے اُسے ٹائٹ کرنے کے لئے لگایا تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں بالکل سناٹا تھا۔ گاڑیاں بھی نہیں گذر رہی تھیں۔ اس لئے وہ سب کچھ بہ آسانی ہوگیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے لڑکی کو پائیں باغ سے برآمد ہوتے دیکھا۔ وہ گلی میں پہنچی ہی تھی کہ شہلا چوہدری کی کار پائیں باغ سے برآمد ہوئی۔ ادھر اس نے اپنا اسکوٹر اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی اور جب اسٹارٹ نہ ہوا تو پھر بیٹھ کر ٹرمینل کے ساتھ وہی کرنے جا رہی تھی جو خاور نے کیا تھا کہ ان دونوں نے اسے آلیا۔ اب شائد بات اُس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس لئے مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئی۔ بہت تیز معلوم ہوتی تھی۔ جوڈو کراٹے پر بھی دسترس رکھتی ہے۔ بڑی مشکلوں سے قابو میں آئی۔ چوہان کو اس پر ڈارٹ گن چلانی پڑی تھی۔ جب بیہوش ہوگئی تو اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا گیا۔ میں نے جولیا کو ہدایت دی ہے کہ اُسے محکماتی حوالات میں ڈال دیا جائے اور آپ کے علاوہ اس سے کوئی بھی گفتگو نہیں کر سکتا۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی سائیکو مینشن کی طرف جا رہی تھی اور اب وہ راشد پٹھان کے میک اپ کی بجائے سائیکو مینشن کے ایک ماہر نفسیات کے میک اپ میں تھا۔

جس وقت وہ سائیکو مینشن کی حوالات میں داخل ہوا لڑکی ہوش میں تھی اُسے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی۔

"میں کہاں ہوں اور تم کون ہو۔ میرے ساتھ جو غیر قانونی حرکت ہوئی ہے اس کے لئے تمہیں بھگتنا پڑے گا۔"

"آرام سے بیٹھی رہو۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے کہا۔ "یہ ذہنی مریضوں کا ہسپتال ہے۔"

"اچھا تو پھر یہاں میرا کیا کام۔ بس مجھے اتنا یاد ہے کہ دو بدمعاشوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا میں ان

کا مقابلہ کرتی رہی۔ جب مجھ پر قابو نہ پا سکے تو کسی نے ڈارٹ گن چلائی اور میں بے ہوش ہو گئی۔"

"ہاں تم بے ہوشی ہی کی حالت میں یہاں لائی گئی تھیں۔ وہ بدمعاش نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق ایک سرکاری محکمے سے ہے جو ذہنی امراض میں مبتلا لوگوں کے بارے میں چھان بین کر کے انہیں جبراً یہاں لے آتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک سرکاری ادارہ ہے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں تو نہیں آ رہیں۔"

"دیکھو یہ سب کچھ ایک معزز آدمی مسٹر راشد پٹھان کی شکایت پر ہوا ہے کیونکہ تم اس کی محبوبہ شہلا چوہدری کا تعاقب کرتی ہو۔"

دفعتاً لڑکی نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا تو یہ بات ہے؟"

"ہاں یہی بات ہے....!"

"تب تو پھر راشد پٹھان میرا رقیب ٹھہرا۔" وہ بڑی ڈھٹائی سے بولی۔

"اوہ تو تم واقعی اُس لڑکی شہلا چوہدری کا تعاقب کرتی ہو۔"

"بہت دنوں سے۔ جب سے اُسے دیکھا ہے وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔"

"تو اس سے تعارف کیوں نہ حاصل کر لیا۔"

"صورت سے مغرور بھی تو لگتی ہے۔ اگر گھاس نہ ڈالی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"اب تم خود ہی بتاؤ کہ تمہارے لئے ذہنی شفاخانہ ضروری ہے یا نہیں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"یہ ایک غیر فطری اور غلط رجحان ہے۔ کیا تمہارے باپ اور بھائی بہت ظالم ہیں؟"

"بہت زیادہ ڈاکٹر۔"

"کس ملک سے تعلق رکھتی ہو....!"

"سوئیڈن سے۔"

"لیکن وہاں کے مرد تو بے حد شریف ہوتے ہیں۔"

"سب نہیں ڈاکٹر۔ کچھ تو انتہائی درجے کے اذیت پسند ہوتے ہیں۔ اب میرے باپ ہی کو لے لو۔ ذرا ذرا سی بات پر بھی میری بوڑھی ماں کو مارتا پیٹتا رہتا ہے۔"

"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"تم نے پوچھا کب تھا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "میں کلارا ڈکسن ہوں۔"

"لیکن یہ نام سوئیڈش تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"میری پیدائش انگلینڈ میں ہوئی تھی۔ میرا باپ اُن دنوں سفارت خانے میں ملازم تھا۔"

"اس وقت بھی وہ اذیت پسند تھا۔"

"کیا بتاؤں ڈاکٹر میری پیدائش بھی اس کی اذیت پسندی کا نتیجہ ہے۔ میری ماں پورے دن سے تھی کہ ایک روز میرے ظالم باپ نے اس کے پیٹ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ بس میرے ماں مرتے مرتے بچی تھی اور مجھے شائد زبردستی دنیا میں آنا پڑا تھا۔ آپریشن ہوا تھا۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے لڑکی۔"

"لیکن میں ساری دنیا کے مردوں سے شدید نفرت کرتی ہوں۔"

"ضرور ضرور۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "ایسے حالات میں یہ ناگزیر ہے۔"

"تو پھر تم مجھ سے میرا یہ کومپلکس مت چھینو۔"

"ہم مجبور ہیں لڑکی ہم جنس پرستی سوئیڈن کی طرح ہمارے یہاں قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔ قابل سزا جرم ہے۔"

"بس میں اُسے دیکھتی ہی تو ہوں۔ کبھی مل بیٹھنے کی کوشش نہیں کی۔"

"کیا تم ہر وقت دستانے پہنے رہتی ہو۔"

"ہاں ڈاکٹر میرے ہاتھ ہر وقت ٹھنڈے رہتے ہیں۔ اگر دستانے نہ پہنوں تو ہاتھوں میں درد ہونے لگتا ہے۔"

"اچھی بات ہے تو فی الحال ہم اسی کا علاج کریں گے۔ تم سے تمہارا کومپلکس نہیں چھینیں گے۔"

"شکریہ ڈاکٹر! لیکن میں اُس شخص سے ضرور ملنا چاہوں گی جس کی شکایت پر یہاں پہنچائی گئی ہوں۔"

"تمہاری یہ خواہش فوراً پوری کر دی جائے گی۔" ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "میں اسے ابھی بھیجتا ہوں۔"

ڈاکٹر چلا گیا اور اس نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔ دفعتاً اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح غرانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور عمران راشد پٹھان کے میک اپ میں اندر داخل ہوا۔

اسے دیکھتے ہی وہ پھر معمول پر آگئی۔ عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگی۔ کیونکہ پہلی ہی نظر میں وہ اسے اول درجے کا بیوقوف لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بناوٹ ہی ایسی تھی جیسے پیدائشی احمق ہو۔

"تم راشد پٹھان ہو۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"بب.... بب.... بالکل....!"

"میرے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کیا؟"

"تم لفنگی ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"شہلا کا پیچھا کیوں کرتی ہو؟"

"وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔"

"ارے واہ کیا بات ہوئی۔ یہاں عورتیں عورتوں کا پیچھا نہیں کرتیں۔ ہم بے حد شریف لوگ ہیں۔"

"ہوا کرو۔ لیکن میں سوئیڈش ہوں ہمارے یہاں ایسی کوئی پابندی نہیں۔"

"تو پھر سوئیڈن ہی چلی جاؤ۔"

"اُسے بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ تم دیکھ لینا۔"

"ارے جاؤ.... لے جا چکیں.... وہ.... وہ میری ہونے والی منگیتر ہے۔ بہت جلد ہماری منگنی کا اعلان ہو جائے گا۔"

"اس کے باوجود بھی میں اسے یہاں نہیں رہنے دوں گی۔ تمہارا دل چاہے تو تم بھی چلو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہم دونوں مل کر اسے چاہیں گے۔"

"مم.... میں اپنے والد صاحب سے پوچھ کر بتاؤں گا۔" عمران بوکھلا کر بولا۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو اور اب بھی باپ سے پوچھ کر بتاؤ گے۔"

"ہاں ہمارے ہاں یہی ہوتا ہے۔"

"تم مسلمان لوگ بھی عجیب ہو....!"

"تم مسلمانوں کے بارے میں کیا جانو....!"

"میں نے باقاعدہ اسٹڈی کی ہے۔ اور کچھ دنوں تک مسلمان بھی رہ چکی ہوں۔"

"کچھ دنوں تک کی کیا بات ہوئی۔"

"ایک انڈونیشی لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اُسے مزید متاثر کرنے کے لئے۔"

"اس کے بعد....!"

"دراصل میں کسی بھی مذہب سے تعلق نہیں رکھتی۔"

"خیر مجھے کیا!" عمران شانے سکوڑ کر بولا۔

"لیکن تم لوگ بڑی عجیب قوم ہو۔ کہتے ہو نا کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک قوم ہیں۔"

"ہاں ہیں۔ بالکل ہیں۔ یہاں خون یا مٹی سے قوم نہیں بنتی۔ بلکہ دین بناتا ہے قوم۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہارے یہاں اخوت و مساوات کے بڑے چرچے ہیں لیکن تمہاری قوم کے پچھتر فیصد افراد فقر و فاقہ اور صبر و قناعت کی زندگی گذارتے ہیں اور پچیس فیصد کا یہ عالم ہے کہ دن بھر میں دو ڈھائی پونڈ لیونڈر اپنے کپڑوں پر اسپرے کر ڈالتے ہیں۔ دور کیوں جاؤ حال ہی میں تمہارے ملک سے لاکھوں روپیوں کے شکاری باز خریدے گئے ہیں۔"

"ارے وہ تیل والے عرب بھائی تھے۔"

"تمہاری ہی قوم کے فرد تھے۔"

"بالکل تھے۔"

"تو پھر یہ کیسی اخوت و مساوات ہے کیا وہی رقم جو بازوں پر ضائع کی گئی تمہاری فاقہ زدہ آبادیوں کے کام نہیں آسکتی تھی۔"

"یہ معاملہ بڑا ٹیڑھا ہے۔"

"آخر کیوں ٹیڑھا ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا صحیفۂ آسمانی اُنہی کی زبان میں اُترا ہے۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ عربی کے ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں۔ ہو سکتا ہے بعض الفاظ سے تیل والوں کو اس کی

چھوٹ مل گئی ہو۔"

"مجھ سے نہیں اڑ سکتے۔ میں نے بہت پڑھا ہے۔ مال کے بارے میں تمہارے یہاں بنیادی اصول یہ ہے کہ سارا مال خدا کا ہے اور لوگوں کے پاس اللہ کی امانت کے طور پر رہتا ہے۔ اور اسے صرف اُسی کے احکامات کے تحت صرف کیا جاسکتا ہے۔"

عمران بغلیں جھانکنے لگا اور وہ ہنس کر بولی۔ "ساری دنیا کے مذاہب کا لٹریچر اکٹھا کر دیا جائے تو اسلامی لٹریچر کا عشر عشیر بھی نہ ثابت ہوگا۔ اس کے باوجود بھی تم لوگوں کا یہ حال ہے۔"

عمران کا سارا جسم پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ بار بار تھوک نگل رہا تھا۔ وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ دروازہ کھلا اور جولیانا فٹنر واٹر نرس کے لباس میں اندر داخل ہوئی۔

"اُوہ۔ تو سچ مچ یہ کوئی ہسپتال ہی ہے۔" کلارا چونک کر بولی۔

"ہاں بھئی اور کیا۔ ہم جھوٹے تو نہیں ہیں۔ یہاں ذہنی امراض کا علاج ہوتا ہے۔" عمران نے کہا۔

جولیا نے عمران سے کہا۔ "انہیں کلینک میں چلنا ہے۔"

کلارا اٹھتی ہوئی بولی۔ "ضرور ضرور.... میں دیکھوں گی کہ تم میرا یہ کومپلکس کیسے دور کرتے ہو۔"

وہ راہداری میں نکل آئے اور کلارا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"عمارت شاندار لگتی ہے کیا میں پوری عمارت دیکھ سکوں گی۔"

"ضرور، ضرور۔ ایک ایک کمرہ....!" جولیا نے کہا۔ "اچھا تو چلو پہلے تمہیں پوری عمارت ہی دکھا دی جائے۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔"

کلارا اور جولیا ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور عمران ان کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئیں اور عمران دروازے ہی پر رک گیا۔ لیکن جولیا مڑ کر بولی۔ "آؤ تم بھی آؤ۔ تم تو ہمارے انچارج کے دوست ہو۔ تم سے کیا پردہ۔"

عمران ہچکچاہٹ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ جولیا نے دروازہ بند کر دیا اور کلارا سے بولی۔ "کلوز سرکٹ ٹی وی پر میں تمہیں پورا کلینک دکھا دوں گی۔"

"تم لوگوں نے بھی خاصی ترقی کر لی ہے۔" کلارا کے لہجے میں حیرت تھی۔ چھبیس انچ اسکرین والے ٹی وی کا سوئچ آن کر دیا گیا۔ جولیا ریموٹ کنٹرول استعمال کر رہی تھی۔

سب سے پہلے تجربہ گاہ کا منظر دکھائی دیا۔ پھر وہ کمرے دکھائے گئے جہاں مریض آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اچانک کلارا کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور عمران بھی خوفزدہ لہجے میں "مائی فادر" کہہ کر رہ گیا۔ کیونکہ اس کمرے میں بیشمار سانپ فرش پر رینگ رہے تھے۔"

"اس کا کیا مطلب ہے!" کلارا نے پوچھا۔

"بعض مریضوں کا طریق علاج۔"

منظر پھر بدلا۔ اس کمرے میں بہت بڑے بڑے گوشت خور چوہے ایک مردہ بکرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

"خدایا۔ یہ بھی طریق علاج ہے۔" کلارا آہستہ سے بولی۔

"ہاں یہ بھی ہے۔" جولیا نے کہا اور اُس منظر کو فریز کر دیا۔

"کیوں کیا۔ میرا طریق علاج یہی ہوگا۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل ہمارے چیف کی کال آنے والی ہے۔ وہ تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔"

دفعتاً کمرے میں ٹیپ.......... کی آوازیں گونجنے لگیں پھر ایکسٹو یعنی بلیک زیرو کی آواز آئی۔

"شام بخیر مس ڈکسن۔"

"شام بخیر مسٹر چیف۔" کلارا نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں جواب دیا۔

"تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"ابھی تک تو نہیں ہے۔"

"اور مس ڈکسن اَب سچی بات۔"

"کیا مطلب۔ مسٹر چیف....!"

"تمہارا اُس بلیک میلر سے کیا تعلق ہے جس نے ڈاکٹر ڈیوڈ کو قتل کرایا۔"

"میں یہ نام پہلی بار سن رہی ہوں مسٹر چیف۔"

"کیا تمہیں چوہوں والے کمرے میں بند کر دیا جائے۔"

"وہ کس لئے مسٹر چیف....!"

"سچی بات اگلوانے کے لئے۔ نرس منظر کو ڈی فریز کر دو۔"

ٹی وی پھر چلنے لگا۔ چوہے بکرے کی لاش چٹ کر جانے کے بعد آپس ہی میں الجھ پڑے تھے۔ ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔

"اچھا تو مسٹر چیف۔ تم مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں کسی ڈاکٹر ڈیوڈ کو نہیں جانتی۔ میرا فرسٹ کزن سوئیڈن کے سفارتخانے میں سیکنڈ سیکریٹری ہے۔ پیری لنگھم نام ہے۔ میں تفریحی سفر پر یہاں آئی ہوں اور اُسی کے ساتھ مقیم ہوں۔ تم تصدیق کر سکتے ہو۔"

"تو تم ڈاکٹر فوریل کو بھی نہیں جانتی۔"

"نہیں مسٹر چیف....!"

"اور تمہارا اس گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جس نے ایک پتھر کا آدمی شہر میں چھوڑ رکھا ہے۔"

"میں نے اس حیرت انگیز آدمی کے بارے میں سنا ضرور ہے لیکن دیکھا نہیں۔ میرا کسی قسم کے کسی گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے مس ڈکسن تم اس کمرے میں ضرور جاؤ گی۔"

کلارا نے قہقہہ لگایا اور بولی۔ "ضرور مسٹر چیف میں تیار ہوں لیکن وہاں بھی سچی ہی بات میری زبان سے نکلے گی۔"

اس بار ایکس ٹو کی آواز نہیں آئی تھی۔ جولیا نے ٹی وی بند کر دیا۔ دروازہ خود بخود کھلا اور دو افراد اسٹین گنیں سنبھالے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

"ارے مجھ بیچاری کے لئے اس کی کیا ضرورت تھی۔" کلارا نے کہا۔ "میں بخوشی اس امتحان میں شریک ہونا چاہتی ہوں۔"

جولیا نے مسلح آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ کلارا کو کمرے سے نکال لے گئے۔

جولیا عمران کی طرف مڑ کر بولی۔ "اب کیا خیال ہے مسٹر راشد پٹھان۔"

"اس نے میری عقل چکرا دی ہے۔ اس نے قبل اسلام پر بحث کر کے مجھے زچ کیا تھا اور اب

یہ دیکھو۔ خیر آن کرو ٹی وی اور ان آلات پر بھی نظر رکھنا جن سے چوہے کنٹرول ہوتے ہیں۔"

جولیا نے ریموٹ کنٹرول کے مختلف بٹن دبائے۔ کمرے کا منظر پھر ٹی وی پر نظر آیا۔ لیکن اب کمرے کا آدھا فرش بالکل صاف ہو گیا تھا اور چوہے ایک مخصوص حد کے اندر اچھل کود رہے تھے۔ دروازہ کھلا اور کلارا کو اندر دھکیل دیا گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ کلارا کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ چوہے اُسے دیکھ کر مزید پرجوش نظر آنے لگے تھے لیکن اپنی اُسی حد کے اندر جس میں کچھ دیر پہلے نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً کلارا ٹی وی کیمرے کی طرف رخ کر کے زور سے ہنسی اور بولی۔ "غالباً تم دونوں دیکھ رہے ہو گے۔"

"ہاں، ہم دیکھ رہے ہیں۔" جولیا نے اونچی آواز میں کہا۔

"اب تم سچ بول سکو گی۔"

"محض دھمکی سے؟" کلارا نے سوال کیا۔

"کیا مطلب!" جولیا جھنجھلا کر بولی۔

"ان چوہوں کو مجھ پر حملہ آور ہونے دو۔ ان کے لئے کوئی حد نہ مقرر کرو۔ ویسے میں اعتراف کروں گی کہ تم حقیر لوگ بھی خاصی ترقی کر گئے ہو۔"

عمران جولیا کی طرف دیکھ کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔

جولیا بھی جواب طلب نظروں سے عمران کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آخر عمران نے آہستہ سے کہا۔ "صرف تین چوہے ریلیز کرو۔"

جولیا نے پھر ریموٹ کنٹرول کا ایک بٹن دبایا۔ تین چوہے اُچھل کر کلارا کے سینے پر آئے لیکن وہ جوں کی توں کھڑی رہی اور ساتھ ہی ہنستی بھی رہی۔ چوہے اس کے سینے میں اپنے دانت اُتار دینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن شائد انہیں اس میں ناکامی ہو رہی تھی۔

عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خدا کی پناہ.... دوسرا پتھر!"

"کیا مطلب....!"

"تم دیکھ نہیں رہیں۔ جلدی سے خطرے کا الارم بجاؤ۔ ورنہ یہ اب توڑ پھوڑ کرتی ہوئی یہاں سے نکل بھاگے گی۔ لاؤ ریموٹ کنٹرول ادھر لاؤ جا کر الارم بجاؤ اور مسلح آدمیوں کو

ہوشیار کردو۔"

جولیا نے فوراً تعمیل کی۔ اُدھر ٹی وی کی اسکرین کا منظر دہشت ناک تھا۔ کلارا نے تینوں چوہوں کی ٹانگیں چیر چیر کر انہیں دوسرے چوہوں کی طرف اچھال دیا تھا اور وہ اُن پر ٹوٹ پڑے تھے۔

کلارا نے پھر کیمرے کی طرف دیکھا۔ عمران کو اُس کی آنکھیں اپنی آنکھوں میں چبھتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کہو تو اب ان سبھوں کو کچل کر رکھ دوں۔" کلارا نے بلند آواز سے کہا۔

عمران خاموش رہا۔ وہ اُسے دیکھ نہ سکتی تھی لیکن آواز بہرحال سن لیتی اور عمران بحیثیت راشد پٹھان یہاں اپنے اختیارات کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دفعتاً خطرے کا الارم بجنے لگا۔

اُدھر کلارا کی ایک ہی ٹکر سے کمرے کا دروازہ پاش پاش ہوگیا۔ عمران نے ریموٹ کنٹرول کے سارے سوئچ آف کر دیئے اور ٹی وی کا اسکرین تاریک ہوگیا۔ پھر وہ خاصی بوکھلاہٹ کے ساتھ اس کمرے میں برآمد ہوا تھا۔

اس نے ٹامی گنوں کی تڑتڑاہٹ سنی۔ ساتھ ہی کلارا کے قہقہے بھی سن رہا تھا۔ کئی ایسی چیخیں بھی سنیں جیسے چیخنے والے دم توڑ رہے ہوں۔

وہ دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتا پھر رہا تھا۔ لیکن کلارا سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ آخر وہ اپنے مخصوص کمرے میں جا گھسا اور دروازہ مقفل کر کے مائک پر ایکس ٹو کی آواز میں چیخنے لگا۔

"اسے نکل جانے دو۔ روکنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بھی سنگزاد بن گئی ہے۔"

پھر شائد اس کی ہدائت پر فوری طور پر عمل ہوا تھا اور کلارا کے راستے کی رکاوٹیں خود بخود دور ہوتی چلی گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد سائیکو مینشن پر قبرستان کا سناٹا طاری ہوگیا تھا اور پھر آخر میں پانچ مسلح آدمیوں کی موت کی خبر ملی۔

عمران نے اپنے کمرے سے نکل کر جولیا کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن اس کا کہیں پتا نہ تھا۔

آخر کسی نے بتایا کہ وہ اُس لڑکی کلارا کے کاندھے پر بے ہوش پڑی تھی۔

"خدا کی پناہ۔" عمران بڑبڑایا۔ "تو وہ اُسے بھی لے گئی۔"

سب سے زیادہ فکر اُسے اس بات کی تھی کہ اب سائیکو مینشن کا راز بھی آشکار ہو جائے گا۔



آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر بے چینی سے سروسز کلب کے لان پر ٹہل رہا تھا۔ شائد کسی کا منتظر تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پارکنگ لاٹ پر جا رکی۔ اُس پر سے ایک خمیدہ کمر والا بوڑھا اُترا اور چھڑی ٹیکتا ہوا کرنل فیضی کی طرف بڑھنے لگا۔

"اسلام علیکم کرنل صاحب۔" اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

"وعلیکم السلام! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"حالانکہ آپ میرے ہی منتظر تھے۔"

"ارے نہیں۔ خدا کی پناہ۔ مسٹر عمران۔"

"مجبوراً بہروپیاپن کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ شائد میں آپ تک پہنچ ہی نہ سکتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے آدھا شہر اُن ہی لوگوں کا ایجنٹ بن گیا ہو۔"

"چلئے چلئے۔ اندر بیٹھ کر گفتگو ہوگی۔"

وہ اُسے اپنے مخصوص کیبن میں لایا اور عمران اُسے شروع سے اب تک کی کہانی سنانے لگا۔

کرنل فیضی بار بار پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ آخر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیوں نہ اُس عورت فوریلی کو گرفتار کرلیا جائے۔"

"وہ بہت باخبر لوگ ہیں کرنل صاحب! اُس سے قبل ہی وہ بھی ماردی جائے گی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"دیکھئے کرنل صاحب ہم سب ایک ہی کاز کے لئے کام کرتے ہیں۔ ہمارے درمیان صرف طریق کار کا اختلاف ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں مسٹر عمران۔ لیکن آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔"

"یہی کہ جتنی جلد ممکن ہو آپ سنگزاد کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ یہ سارا اُودھم اسی سلسلے میں ہوا ہے۔"

"تحویل میں لے لینے کے بعد کیا کریں گے۔"

"آپ کو صرف اس پر نظر رکھنی پڑے گی کہ وہ اُسے کیوں آپ کی تحویل میں دینا چاہتے ہیں۔"

کرنل فیضی کسی سوچ میں پڑ گیا اور عمران نے کہا۔ "سائیکو مینشن کی حفاظت بھی اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ ابھی تک کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ عمارت کسی سرکاری کار خاص کے محکمے سے تعلق رکھتی ہے۔ عام آدمی یہی سمجھتا چلا آیا ہے کہ وہاں نفسیاتی مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔"

"اچھی بات ہے مسٹر عمران میں بیس سپاہیوں کا دستہ وہاں کے لئے مقرر کردوں گا۔ لیکن آپ لوگوں کا سربراہ کون ہے؟"

"اُسے آج تک کسی نے دیکھا نہیں۔ ایکس ٹو کہلاتا ہے۔ بذریعہ فون ہمیں ہدایات دیتا ہے۔"

"تو آپ اسی کی ہدایت پر ہم سے اس حد تک کھل گئے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔ سب کچھ اُسی کے حکم پر ہوتا ہے۔"

"اچھا مسٹر عمران اَب ہم سنگراد یعنی کرنل شہزاد کو اپنی تحویل میں لے لیں گے۔"



جولیا کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کرسی پر بیٹھا ہوا پایا لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود بھی وہ اُس پر سے اٹھ نہ سکی کیونکہ اس کے ہاتھ پیر بُری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ کرسی کی بناوٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ کنفیشن چیئر ہے۔ جولیا کانپ کر رہ گئی۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر اتنی تیز روشنی پڑی کہ آنکھیں بند کر لینے کے باوجود بھی روشنی کی شعاعیں اُس کی آنکھوں کو چھیدے ڈال رہی تھیں۔

دفعتاً وہ چیخنے لگی۔ پھر کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اور آنکھوں کی تکلیف بتدریج معدوم ہوتی چلی گئی۔ ہاتھ پیروں کی جان نکل کر رہ گئی تھی۔ ذہن بالکل آزاد ہو گیا تھا۔

دفعتاً اندھیرے ہی میں کسی نے سوال کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے۔"

"جولیانا فٹنر واٹر۔"

"کس کے لئے کام کرتی ہو؟"

"محکمۂ خارجہ کی سیکرٹ سروس کے لئے۔"

"سائیکو مینشن کی اصلیت بتاؤ۔"

"وہ پردہ ہے ہمارے محکمے کا۔ بظاہر ذہنی امراض کا علاج ہوتا ہے وہاں۔ اسی مناسبت سے

اس کا نام سائیکو مینشن رکھا گیا ہے۔"

"علی عمران کا تم لوگوں سے کیا تعلق ہے؟"

"وہ بھی اُسی ادارے کا ایک ممبر ہے۔"

"بلیک میلر نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ لیکن کبھی ضرورتاً پوز یہی کرتا ہے۔"

"تمہارا چیف کون ہے؟"

"ایکس ٹو۔۔۔!"

"یہ کوڈ نیم ہے۔ اصل نام بتاؤ۔"

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا نہ آج تک کسی نے اُسے دیکھا ہے! فون پر اُس سے ہمیں ہدایات ملتی ہیں۔"

"اچھا اَب تم سو جاؤ۔"

جولیا کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور وہ ذرا ہی دیر میں بے خبر ہو گئی۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو خود کو کسی پارک کی بنچ پر پڑا پایا۔ صبح ہونے والی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی اور پارک سے باہر نکلنے پر اندازہ ہوا کہ وہ سائیکو مینشن سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ اُس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور ڈرائیور کو سائیکو مینشن کی بجائے اپنے بنگلے کا پتہ بتایا۔ ذہنی حالت ٹھیک تھی اور اُسے سب کچھ یاد تھا۔ وہ سائیکو مینشن کا راز افشاء کر چکی تھی۔ عمران کے بارے میں اُس نامعلوم آدمی کو سب کچھ بتا چکی تھی۔

گھر پہنچ کر پتا نہیں کس طرح اُس نے ڈرائیور کو ادائیگی کی تھی اور صدر دروازے کا قفل کھولا تھا۔ اب اس کے ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ کسی نہ کسی طرح سب سے پہلے عمران سے رابطہ قائم کرے۔

اس نے جیسے ہی سٹنگ روم میں قدم رکھا اچھل پڑی۔ عمران ایک صوفے پر گٹھڑی سا بنا پڑا سو رہا تھا۔

جولیا نے طویل سانس لی اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر اُسے بغور دیکھنے لگی۔ اس وقت وہ میک اپ میں نہیں تھا۔ آخر یہاں اُس کی موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ سوچتی رہی اس

سے تو یہی سمجھا جاسکتا تھا کہ اُسے اس کی واپسی کا یقین تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ سیدھی گھر ہی آئے گی!

اس نے بڑے پیار سے عمران کو آواز دی۔ اور وہ پہلی ہی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"ارے باپ رے کس نے پہچان لیا۔"

"ہوش میں آؤ۔ میں جولیا ہوں۔" جولیا نے کہا۔

"اندھیرے میں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ بتی جلاؤ۔"

جولیا نے اٹھ کر بلب روشن کردیئے اور عمران آنکھیں مل مل کر اُسے دیکھتا ہوا بولا۔

"جولیانا.... یعنی کہ بالکل فنٹر واٹر ہو۔"

"ہاں عمران!" اُس نے پھر بڑے پیار سے کہا۔

"خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ میں تو مایوس ہوگیا تھا۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ سنگزادی تمہیں اٹھالے گئی تھی۔"

"مجھے کچھ بھی یاد نہیں عمران۔ بس میں نے یہ کیا تھا کہ خطرے کا الارم بجادیا تھا۔ اُس کے بعد کچھ بھی یاد نہیں۔ اور میں مجبور تھی۔ اس غلطی پر جو مجھ سے سرزد ہوئی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ شائد کنفیشن چیئر....!"

"خدا کی پناہ....!"

"کسی بات کی پرواہ نہ کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ ایکس ٹو تے اگر کوئی تعزیری کارروائی تمہارے خلاف کی تو اس سے بھی نپٹ لوں گا۔"

"شکریہ! عمران مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

"جو کچھ انہوں نے پوچھا تھا تمہیں یاد ہے؟"

"لفظ بلفظ....!"

"اچھا تو جاؤ۔ پہلے غسل وغیرہ کرو۔ کافی پیئو اور پلاؤ۔ بقیہ باتیں کچن میں ہوں گی۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں کچن میں نظر آئے۔ کافی پاٹ سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور جولیا فرائنگ پین میں انڈے توڑ رہی تھی اور اس بات پر سخت متحیر تھی کہ آخر عمران اتنا خاموش کیوں ہے۔ اُس سے سوالات کیوں نہیں کر رہا؟ کیوں نہیں پوچھتا کہ ان لوگوں نے اُس سے کس

قسم کی معلومات حاصل کی ہیں۔

آخر وہ خود ہی بولی۔ "تم خلافِ معمول بہت خاموش ہو۔"

"میں ان پانچوں کے لئے مغموم ہوں۔ جنہیں کلارا نے نہیں مارا بلکہ وہ ایک طرح سے خودکشی تھی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کلارا کے جسم سے ٹکرا کر پلٹی ہوئی گولیاں خود ان کے جسموں میں پیوست ہوگئی تھیں۔"

"خدا کی پناہ....!" جولیا منہ کھول کر رہ گئی۔

"کلارا نے کسی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ تو صرف نکل جانے کے لئے دروازے توڑ رہی تھی۔"

"کہیں پھر زیرولینڈ کا چکر تو نہیں شروع ہوگیا۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس بار دوسرا ہی کھیل ہے۔ ایک بڑی طاقت ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش کررہی ہے تاکہ ہم نے جو نیا راستہ اختیار کیا ہے اُسے ترک کردیں۔"

"یعنی اسلامی مملکت کی تشکیل۔"

"ہاں۔ یہی بات ہے۔"

"لیکن یہ طریق کار....!"

"آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آجائے گا۔" عمران طویل سانس لے کر بولا۔ "اب ذرا جلدی کرو۔ میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔"

جولیا سینڈوچ بنارہی تھی۔

پھر سینڈوچ کی پلیٹ اور کافی پاٹ عمران کے سامنے رکھ دیا اور مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد میری کہانی بھی سن لو....!"

"سناؤ۔" عمران نے سینڈوچ کے تعاقب میں کافی کا گھونٹ روانہ کرکے کہا۔

جولیا اُسے بتانے لگی کہ کس طرح ہوش آنے پر اُس نے خود کو کنفیشن چیئر پر جکڑا ہوا پایا۔

"پہلے وہ کمرہ روشن تھا۔" جولیا کہتی رہی۔ "پھر وہاں اندھیرا کردیا گیا اور ایک آواز سوالات کرتی رہی۔ میں نے بتایا کہ میں وزارتِ خارجہ کے محکمہ کارِ خاص سے متعلق ہوں۔ تمہارے

بارے میں بھی بتایا۔ اور اس کے پوچھنے پر اُسے یقین دلانے کی کوشش کرتی رہی کہ تم بلیک میلر نہیں ہو۔ لیکن کبھی کبھی ضرور تاپوز ضرور کرتے ہو۔ پھر سائیکو مینشن کے بارے میں پوچھا گیا۔ بتانا پڑا۔ پھر بات چیف تک پہنچی اور کہا گیا کہ ایکس ٹو تو کوڈ نیم ہے۔ اصل نام بتاؤ۔ جانتی ہوتی تو اُسے بھی اگلنا پڑتا۔"

"بس اتنی ہی باتیں ہوئی تھیں۔ میرا مطلب ہے سنگراد کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔"

"قطعی نہیں۔"

"ہوں۔" عمران سر ہلا کر رہ گیا۔ اور جولیا نے کہا۔ "اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے قبل میں نے خود کو عظیم پارک کی ایک بنچ پر بیدار ہوتے پایا تھا۔"

"بڑا مزہ آیا ہوگا۔" عمران بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"بس شروع ہوگئی بیہودگی۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔



ہیلی کوپٹر ملکی فوج کا تربیتی ہیلی کوپٹر معلوم ہوتا تھا۔ اس پر اسی قسم کے نشانات تھے لیکن حقیقت کیا تھی خدا ہی جانے۔ کیونکہ اس ہیلی کوپٹر کو جو شخص اڑا رہا تھا اس کے پہلو میں کلارا ڈکسن بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ پائلٹ دیسی ہی تھا لیکن اس کے جسم پر فوجی وردی نہیں تھی۔ ہیلی کوپٹر شمال مغرب میں پرواز کر رہا تھا۔ جلد ہی پہاڑوں کے سلسلے شروع ہوگئے۔ لیکن پائلٹ اپنی مشاقی کا مظاہرہ کر رہا تھا کبھی کبھی کلارا اُسے ٹوکتی بھی تھی۔ لیکن وہ ہنس کر کہتا۔ "فکر نہ کیجئے مس! میں پانچ سال تک سرکس میں اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کرتا رہا ہوں۔"

"پھر بھی محتاط رہو!"

"بہت بہتر مس!"

ہیلی کوپٹر پرواز کرتا رہا۔ واقعی یہ بے حد مشاق تھا۔ ورنہ اس علاقے میں ہیلی کوپٹر اڑانا کارے دارد۔

بالآخر ایک جگہ ہیلی کوپٹر نے لینڈ کیا۔ یہ جگہ خاصی مسطح تھی۔ یعنی غالباً مستقل طور پر ہیلی پیڈ ہی کی حیثیت سے استعمال کی جاتی تھی۔

دفعتاً کسی طرف سے چھ آدمی نمودار ہوئے جن کی دھج ہسپتالوں میں کام کرنے والوں کی سی تھی۔ انہوں نے ایک اسٹریچر بھی اٹھا رکھا تھا۔ وہ ہیلی کوپٹر کے قریب پہنچے اور کلارا ڈکسن کو بڑی احتیاط سے اتار کر اسٹریچر پر لٹا دیا۔ حالانکہ وہ اتنی ہی صحت مند نظر آرہی تھی کہ جہاں بھی جانا چاہتی پیدل بھی جاسکتی تھی۔

اسٹریچر اٹھا کر وہ ایک طرف چل پڑے اور ہیلی کوپٹر ہیلی پیڈ ہی پر کھڑا رہا۔

ایک درے سے گذرنے کے بعد وہ ایک غار میں اترتے چلے گئے۔ اور یہ غار کیا تھا ایک عجیب ہی دنیا تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہالی وڈ کی کسی سائنسی فلم کے سیٹ پر پہنچ گئے ہوں۔

کلارا کو ایک آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہ اطمینان سے لیٹی چھت کی طرف تکتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر دو نرسوں سمیت وہاں پہنچا اور اس کا معائنہ کرنے کے بعد بولا۔ "چھوٹا کرسٹل کام نہیں کر رہا اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو اُسے جلد از جلد ٹھیک ہونا چاہئے۔" کلارا نے کسی قدر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہوگا مادام۔ آپ بے فکر رہیں۔ صرف تین دن لگیں گے۔ دراصل دوسرا کرسٹل لگانا پڑے گا۔"

"چھوٹا کرسٹل ضائع ہوجانے ہی کی بناء پر میں حملہ آوری کی صلاحیت کھو بیٹھی تھی۔ دیکھو ڈاکٹر.... اگر دوسری بار ایسا ہوا تو نتیجے کے تم ذمہ دار خود ہوگے۔"

"ناممکن مادام! اب ایسا نہیں ہوگا۔ وہ کرسٹل جن لوگوں کی نگرانی میں تیار کرائے گئے تھے انہیں ضرور سزا ملے گی۔ اور اب سارے کرسٹل تبدیل بھی کئے جائیں گے۔ پرسوں صبح سے آپ کو صرف آرام کرنا ہوگا۔ حتیٰ کہ آپریشن تھیٹر....!"

"زیادہ لمبی تقریر کی ضرورت نہیں!" کلارا ڈکسن ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "مجھے علم ہے۔"

"اور ویسے آج اور کل آپ اپنے سارے مشاغل جاری رکھ سکتی ہیں۔"

کلارا نے بیزاری سے اس طرح ہاتھوں کو جنبش دی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ "دفع ہوجاؤ۔"



شہلا چوہدری کا باپ شام کی چائے پی کر اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ شہلا بھی میز پر موجود تھی۔ شہباز نے اُسے فون اٹنڈ کرنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ سر ہلا کر بولی۔ "نہیں آپ ہی

دیکھئے۔ ورنہ اگر اس بلیک میلر کی آواز ہوئی تو مجھ سے گالیاں ہی سنے گا۔"

"اب بار بار بلیک میلر نہ کہا کرو پتا نہیں کب کس کے سامنے زبان سے نکل جائے اور ہم دشواری میں پڑ جائیں۔ اُس نے اپنا نام جیگوار بتایا ہے۔"

فون کی گھنٹی بدستور بج رہی تھی۔

شہباز نے کال ریسیو کی اور شہلا نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی ہے۔ تو سچ مچ جیگوار ہی کی کال تھی۔

شہباز کہہ رہا تھا۔ "یقین کرو میں نہیں جانتا۔ وہ کون ہے۔ اُس کے بہتیرے ملنے والوں سے واقف نہیں ہوں.... تم اس سے پوچھ لو.... ہاں موجود ہے۔"

شہباز نے ماؤتھ پیس کو ہتھیلی سے ڈھانک کر آہستہ سے کہا۔ "وہی ہے پوچھ رہا ہے کہ راشد پٹھان کون ہے۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ریسیور باپ کے ہاتھ سے لے کر بولی۔ "میں شہلا بول رہی ہوں۔ کیا بات ہے۔"

"راشد پٹھان کون ہے؟"

"میرا دوست ہے۔"

"صرف دوست....؟"

"اس سوال کا مطلب!" شہلا کو طرارہ آگیا۔

"اس سوال کا مطلب یہ کہ وہ خود کو تمہارا منگیتر کہتا ہے۔"

"ہاں وہ کئی بار مجھ سے شادی کی درخواست کر چکا ہے۔ لیکن چونکہ ڈیڈی کے اسٹے ٹس کا نہیں ہے اس لئے میں ابھی سوچ رہی ہوں۔"

"تمہارا فرسٹ کزن بھی ہے؟"

"ارے وہ تھوڑا سا مسخرہ بھی ہے۔ لیکن اُس نے کس سے کہا ہے کہ وہ میرا فرسٹ کزن ہے۔"

"اُسی لڑکی سے جو تمہارا تعاقب کرتی رہتی تھی۔"

"تب تو بالکل ہی مسخرہ پن ہے۔ لیکن آخر تم میرا تعاقب کیوں کراتے ہو؟"

"ہم تمہارے ہی توسط سے علی عمران نامی آدمی پر ہاتھ ڈال سکیں گے۔"

"ناممکن.... کیونکہ میری اس سے ملاقاتیں نہیں ہوتیں۔"

"ناممکن کو تم ہی ممکن بناؤ گی بے بی۔"

"وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ رابطہ منقطع ہو گیا اور وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر باپ سے بولی۔ "اگر وہ جیگوار ہے تو میں بھی پینتھرلیس ہوں اگر اس کا نرخرہ نہ چبایا تو کچھ بھی نہ کیا۔"

باپ نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔ "پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ شادی وادی کا کیا چکر ہے۔"

"راشد مسخرہ ہے اور بس۔ کوئی چکر وکر نہیں ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ حالانکہ آپ نے خود مجھے آزاد خیال بنایا ہے لیکن شادی میں اپنی مرضی سے نہیں کروں گی۔"

"لیکن بیٹی ایسی بات ہوئی کیوں....!"

"کافی کا ایک کپ آپ بھی پیجیئے اور میں بھی پیتی ہوں۔ سکون سے سب کچھ بتادوں گی۔ آپ سے چھپا کر کچھ نہیں کرنا چاہتی۔ بس نتیجہ معلوم ہونے کا انتظار تھا۔ سو ہو گیا۔" اُس نے کہا اور کافی کی پیالی باپ کی طرف بڑھا کر اپنے لئے انڈیلنے لگی۔ شہباز چوہدری کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

شہلا ایک گھونٹ لے کر بولی۔ "راشد پٹھان یونیورسٹی میں میرے ساتھ تھا۔ رائفل کلب کا ممبر بھی تھا۔ بڑا اچھا نشانہ باز ہے بس میرا حریف سمجھ لیجئے۔ وہ اس قصے میں ہرگز شامل نہ ہوتا۔ اگر مجھے یہ نہ محسوس ہوتا کہ جب بھی میں گھر سے باہر قدم نکالتی ہوں میرا تعاقب شروع کر دیا جاتا ہے۔"

"کون تعاقب کرتا ہے؟"

"ایک سفید فام غیر ملکی لڑکی....!"

اس کا باپ طویل سانس لے کر رہ گیا اور شہلا بولی۔ "راشد کو بچپن ہی سے سراغ رسانی کا شوق رہا ہے۔ میں نے اس کا ذکر اُس سے کیا تو اُس نے کہا فکر نہ کرو میں دیکھ لوں گا اس معاملے کو اور اُس نے سچ مچ دیکھ لیا ورنہ یہ جیگوار اُس کا حوالہ ہرگز نہ دیتا۔ بہرحال راشد نے لڑکی کو گھیر لیا اور اس سے پوچھ گچھ کی۔ لیکن اُس لڑکی نے جس قسم کی بیہودہ باتیں کیں اُسے میں لکھ کر تو دے سکتی ہوں آپ کے سامنے زبان سے نہیں کہہ سکتی۔ اس پر راشد کو تاؤ آگیا اور اس نے کہا کہ وہ اُسے جیل بھجوا دے گا۔ کیونکہ میں اس کی منگیتر ہوں۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔" شہباز بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خدایا اَب تو مجھے اٹھا ہی لے۔ یہ ذلتیں میں کیسے برداشت کروں۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے۔ غلطیاں بھی انسان ہی سے ہوتی ہیں۔ فرشتوں سے نہیں۔"

وہ کچھ بولا نہیں۔ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر میز پر جھک گیا۔ شہلا اٹھی اور اس کے عقب میں کھڑی ہو کر آہستہ آہستہ اُس کے شانے دبانے لگی اور پھر بے حد نرم لہجے میں بولی۔ "آپ نے ہمیشہ مجھے بیٹا سمجھا ہے اور اب میں اسے ثابت کردوں گی کہ میں آپ کا بیٹا ہی ہوں۔"

"مجھے تیری زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔" شہباز بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میرے دوست بے حد ذہین اور دلیر ہیں۔"

"لیکن دیکھو۔ اس شخص.... عمران سے دور ہی رہنا۔"

"وہی ہوگا۔ جو آپ چاہیں گے۔ آپ کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہ کروں گی۔"

"اَب آخری بات کہوں گا۔ اُسے غور سے سنو۔ اس کے بعد پھر تم میری زبان سے کچھ بھی نہیں سنو گی۔"

"ضرور ڈیڈی....!"

"یہ ڈیوڈ بھی میرا ایسا ہی دوست تھا جس پر مجھے فخر تھا۔ لیکن اس نے میری ایک غلطی سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ حتیٰ کہ دوسرے بلیک میلر کے ہاتھوں مجھے فروخت کردیا۔"

"اوہ ڈیڈی میں سمجھ گئی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، لیکن راشد پٹھان کو میں نے اصل معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ ورنہ وہ اس لڑکی کو محض پوچھ گچھ کر کے نہ چھوڑ دیتا۔ بلکہ پولیس کے حوالے کردیتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار ریسیور شہلا ہی نے اٹھایا تھا۔ دوسری طرف سے جگوار کی آواز آئی۔ "یہ بہت اچھا ہوا کہ تم مل گئیں۔ مجھے تمہارے اور راشد پٹھان کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے اپنے طور پر تصدیق کرلی ہے کہ وہ اچھا آدمی ہے میں تمہارے باپ سے شادی کی سفارش بھی کرسکتا ہوں۔"

"جی نہیں شکریہ! میں نے اسے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔ اس نے وہ ساری باتیں اس

بیہودہ لڑکی کی باتوں پر کہی تھیں۔"

"خیر.... خیر.... تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔" دوسری طرف سے کہہ کر رابطہ منقطع کردیا گیا۔

شہباز مضطربانہ انداز میں بیٹی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس بار کی گفتگو بھی اس نے حرف بحرف دہراتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں یہ مردود چاہتا کیا ہے۔"

"بیٹی میرا مشورہ مانو تو اب صرف گھر ہی تک محدود ہو جاؤ۔ کسی سے بھی نہ ملو۔ خواہ راشد پٹھان ہو یا اور کوئی۔"

"جی ہاں۔" وہ پُر تفکر لہجے میں بولی۔ "میں بھی اَب یہی سوچ رہی ہوں۔"



کرنل فیضی نے اس بار عمران کو اپنے دفتر آنے کی دعوت دی تھی۔ کوئی بے حد اہم معاملہ تھا۔ عمران اسی میک اپ میں وہاں بھی جا پہنچا۔ جس میں سروسز کلب میں اُس سے ملاقات کی تھی۔ فون پر اُسے پہلے سے آگاہ کردیا گیا تھا کہ وہ اسی میک اپ میں ہوگا اور اپنا نام عمران کی بجائے خلیل جعفری بتایا تھا۔ بہرحال انکوائری ونڈو کے قریب ہی کرنل کا ایک آدمی موجود تھا۔ جو اُسے سیدھا کرنل کے آفس میں لیتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں تنہا رہ گئے اور کرنل نے عمران کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں مسٹر عمران۔"

"ہم سب ایک ہی مشینری کے پُرزے ہیں۔ اس لئے شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کرنل۔ آپ فرمایئے۔ کوئی خدمت میرے لائق۔"

"ابھی ہم نے سنگراد کو اپنی تحویل میں نہیں لیا۔ لیکن اب فیصلہ کرلیا ہے کہ اسے جلد از جلد...." وہ جملہ پورا نہیں کرپایا تھا کہ سرخ انسٹرومنٹ کی گھنٹی بجی اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "لیس سر!" دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر "بہت بہتر جناب" کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور سبز رنگ کے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھا کر بٹن دبایا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ڈی۔ جی صاحب تمہارے منتظر ہیں فوراً پہنچو۔"

پھر ریسیور رکھ کر طویل سانس لی اور خالی خالی نظروں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا مسٹر عمران.... کہ آپ میک اپ کے ماہر ہیں۔ میں نے ڈی جی صاحب سے ذکر کیا تھا۔ کہنے لگے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ بہ نفسِ نفیس آپ سے اس مسئلے پر گفتگو کریں گے۔"

"یعنی مجھے میک اپ کا ماہر نہ ہونا چاہئے۔"

"اوہ یہ بات نہیں۔ دراصل وہ آپ سے تھوڑے وقت کے خواہاں ہوں گے۔ تاکہ اپنے چند آدمیوں کو آپ کے سپرد کر سکیں۔"

"میک اَپ کی ٹریننگ کے لئے؟"

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

"جی مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر کسی کام آسکوں۔"

"آمدم برسر مطلب مسٹر عمران۔ آپ نے مجھے کلارا ڈکسن کی آواز کا ٹیپ بھجوایا تھا۔"

"جی ہاں....!"

"اس وقت اسی لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔ اب ہم آپریشن روم میں چلیں گے۔ لیکن اُس سے پہلے ایک کہانی اور سن لیجئے۔"

عمران ہمہ تن گوش ہو بیٹھا۔ کرنل کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے گفتگو کے آغاز کے لئے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"ہاں تو مسٹر عمران کل شام ہمارا ایک تربیتی ہیلی کوپٹر واپس آیا اور اسے اڑانے والا انجینئر جیسے ہی نیچے اُترنے لگا۔ گرا اور مر گیا۔ دراصل ہیلی کوپٹر میں پہلے کوئی خرابی واقع ہو گئی تھی۔ جسے درست کرنے کے بعد وہ اُسے آزمائشی پرواز پر لے گیا تھا۔ لیکن واپسی پر بیچارے کا یہ حشر ہوا۔"

"کیا وہ ہیلی کوپٹر میں تنہا تھا؟"

"جی ہاں....!"

"اور اس آزمائشی پرواز کی مدت کتنی تھی۔"

"غیر معمولی یعنی قریباً پانچ گھنٹے....!"

"حیرت انگیز۔"

"ہیلی کوپٹر میں نصب شدہ کیمرے نے کچھ تصاویر لی ہیں۔ اور کچھ آوازیں بھی ریکارڈ کی ہیں۔ اسی لئے آپ کو زحمت دی گئی ہے۔"

"اوہ تو پھر چلئے آپریشن روم کی طرف۔"

"جی ہاں۔" کرنل اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں آپریشن روم کی طرف آئے۔ یہاں شائد پہلے ہی سے ساری تیاریاں کر لی گئی تھیں۔

سب سے پہلے عمران کو کلارا ڈکسن کی آواز کا وہ ٹیپ اور اس کا تجزیہ سنوایا گیا جو خود اس نے کرنل کو بھجوایا تھا۔ اس کے بعد جو ٹیپ چلایا گیا اس میں ایک مرد اور ایک عورت کی آواز تھی۔ عورت کی آواز اس نے فوراً پہچان لی۔ یہ کلارا ڈکسن کی آواز کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے بعد مرد کی آواز بھی بدل گئی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کلارا ڈکسن اپنا طبی معائنہ کرا رہی ہو۔ پھر کرسٹل کا ذکر نکلا۔ کسی چھوٹے کرسٹل کی بات تھی اور آپریشن تھیٹر کا حوالہ تھا۔ لیکن کلارا نے ڈاکٹر کو ٹوک دیا تھا۔ یعنی جملہ پورا نہیں کرنے دیا تھا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد عمران نے کرنل سے کہا۔ "آپ نے ہیلی کوپٹر میں لگے ہوئے کسی کیمرے کا بھی ذکر کیا تھا۔"

"ہاں اُس کی فلم بھی ڈیولپ کر لی گئی ہے۔ جب تک ایک ایک کپ کافی کا ہو جائے۔"

"ایزیو پلیز کرنل۔"

وہ آپریشن روم سے نکل کر پھر کرنل کے آفس میں آئے اور عمران پُر تفکر لہجے میں بولا۔

"تو گویا آپ کا وہ انجینئر پائلٹ ایک غیر قانونی حرکت کا مرتکب ہو رہا تھا۔"

"بالکل....!"

"لیکن ایسے لوگ احمق نہیں ہوتے۔ اُسے علم رہا ہوگا کہ کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر ہیلی کوپٹر میں پوشیدہ ہیں۔"

"ظاہر ہے مسٹر عمران....!"

"تو پھر کسی ایسی غیر قانونی مہم پر روانہ ہونے سے قبل اُس نے اُن کے سوئچ آف کیوں نہیں کر دیئے تھے۔"

"یہی سوال ہماری الجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔"

"پہلے کلارا جس مرد سے گفتگو کرتی رہی تھی وہ آپ کا ہی پائیلٹ تھا۔"

"جی ہاں۔"

"پھر دوسرے مرد سے گفتگو کی تھی۔"

"ہمارے لئے وہ آواز نئی ہے۔ کلارا کی آواز کو بھی شناخت نہ کر سکتے۔ اگر آپ پہلے ہی اس کا ٹیپ نہ بھجوا دیتے۔ میرا محکمہ آپ کی بڑی قدر کرتا ہے مسٹر عمران۔ وہ پچھلی بار شیمراں والی پینٹنگ کے سلسلے میں کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی۔ جس کی بناء پر آپ کو بھی تکلیف پہنچی تھی اور ہمیں بھی خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔"

"ارے وہ کوئی بات نہیں۔" عمران ہنس کر بولا۔ "یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے۔"

"لیکن تھریسیا اور سنگ کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ زندہ بھی ہیں یا مر گئے....!"

"اگر میں نے سچی بات بتا دی تو ایک بار پھر آپ کا محکمہ مجھ سے برگشتہ ہو جائے گا۔ لیکن میرے کچھ اصول ہیں۔ انہی کے تحت کام کرتا ہوں۔ اس کی بھی کبھی پرواہ نہیں کی کہ کب سر سلطان اپنے محکمہ سے بھی چلتا کرتے ہیں۔ پیٹ پالنے کے بہتیرے گر آتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا سرکس بھی کھول کر بیٹھ گیا تو بقیہ زندگی آرام ہی سے گذرے گی۔"

"آپ واقعی عجیب ہیں مسٹر عمران۔" کرنل فیضی نے طویل سانس لے کر کہا۔

"بات صرف اتنی سی ہے کرنل کہ میں اپنی کوئی اسکیم کسی بڑے یا چھوٹے سے ڈسکس نہیں کرتا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ مجھے اپنوں ہی میں کالی بھیڑوں کی موجودگی کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی فوج کا ایک انجینئر....!"

"خدا ہی جانے ابھی اور کتنے اور کہاں کہاں ہوں۔"

اس دوران میں وہ کافی بھی پیتے رہے تھے۔ پھر سبز رنگ والے فون کا بزر بولا۔ کرنل نے کال ریسیو کی اور ریسیور دوبارہ کریڈل پر رکھ کر عمران سے بولا۔ "چلئے پروجیکٹر تیار ہے۔"

پروجیکشن روم میں یہ مختصر سی فلم دیکھی گئی اور روشنی ہونے کے بعد عمران نے کہا۔ "یہ کلارا ڈکسن ہی تھی۔ لیکن کیمرہ اُسی حد تک چلا ہے کہ پائلٹ اور اس کی گفتگو ٹیپ ریکارڈر نے محفوظ کی ہے۔ لیکن ٹیپ کی بقیہ گفتگو کہاں ہوئی تھی۔ اور اس منظر کو کیمرے نے کیوں ریکارڈ نہیں کیا۔"

"یہ سب سے بڑا سوال ہے مسٹر عمران؟" کرنل فیضی اٹھتا ہوا بولا۔ "چلئے دفتر ہی کی

طرف چلتے ہیں۔"

وہ پھر دفتر میں آئے اور کرنل نے کہا۔ "پائیلٹ اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ اس مہم کو ریکارڈ ہونے دیتا۔ ظاہر ہے کہ اُس کی لاعلمی میں کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر کو چلایا گیا ہو گا۔"

"سامنے کی بات ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"پھر وہ کرسٹل والی گفتگو۔"

"یہ سارا سٹ اپ ہے کرنل۔ اَب میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں اس سلسلے میں بیوقوف بنا ہوں۔ وہ خود ہی ہمارے ہاتھ لگنا چاہتی تھی۔ تاکہ یہ مواد آپ تک پہنچ سکے۔"

"آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ چھوٹے کرسٹلز کی ناکارگی کی بات ہم تک پہنچے اور ہم یقین کر لیں کہ سنگزاد جارحیت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ البتہ خود اپنی حفاظت کر سکتا ہے۔ یہ سارا ہنگامہ محض اسی لئے ہو رہا ہے کہ آپ سنگزاد کو جلد از جلد اپنی تحویل میں لے لیں۔"

"ہاں یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن ایک شرط پر کہ اسے سائیکو مینشن میں رکھا جائے۔" کرنل فیضی نے کہا۔

"اس کا فیصلہ سر سلطان ہی کر سکیں گے۔ ویسے سائیکو مینشن کو اب میں غیر محفوظ سمجھتا ہوں۔"

"دیکھئے مسٹر عمران۔ اس کی کلینیکل حیثیت تو قائم ہی رہے گی۔ بقیہ معاملات سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہم سنگزاد کا اچار تو ڈالیں گے نہیں۔ ظاہر ہے کہ اسے اپنی تحویل میں لے کر سب سے پہلے اس کا طبی معائنہ ہی تو کرائیں گے۔"

"واقعی کرنل یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ میں سر سلطان سے ڈسکس کروں گا۔"



شہلا نے اب تک کی رپورٹ عمران کو دے دی تھی اور عمران کو اس پر مزید غور کرنا پڑا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے۔ راشد پٹھان کی حیثیت مجرموں کی نظر میں بہت زیادہ مشکوک ہو گئی تھی۔ لہٰذا اب مناسب نہیں تھا کہ وہ راشد پٹھان کے میک اپ میں اُس سے ملتا۔ دونوں کے

درمیان ہوٹل والے فون پر گفتگو ہو رہی تھی۔

"میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" عمران نے کہا۔

"کیا سمجھ گئے؟"

"یہی کہ تم سے راشد پٹھان کے میک اپ میں نہ ملوں۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔"

"کوئی ادھیڑ شکاری کیسا رہے گا۔ جسے تم نشانہ بازی میں اپنا استاد کہہ سکو۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔ تھے میرے ایک استاد پروفیسر شکور۔ افریقہ چلے گئے تھے۔ بہت دنوں سے ان کا کوئی پتہ نہیں۔"

"ان کی کوئی تصویر ہوگی۔"

"دس سال پہلے کی ہے۔"

"کوئی مضائقہ نہیں تم اسے میرے پتے پر بذریعہ ڈاک بھیج سکتی ہو۔"

"آج ہی روانہ کر دوں گی۔"

"اور پھر میں کہیں نہ کہیں مل جاؤں گا تمہیں۔"

"تم مجھے ان لوگوں سے بھی عجیب لگ رہے ہو۔ مسٹر!"

"میرے باپ بھی کبھی کبھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن مسٹر نہیں کہتے۔ اس لئے کہ چنگیز خان کا لہو ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔"

"اچھا میں تصویر بھجوانے کا انتظام کرنے جا رہی ہوں۔"

عمران ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا۔ جوزف پیچھے کھڑا جمائیاں لے رہا تھا۔

"آپ کی تعریف....!" عمران اُسے نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔

"اُلو کا پٹھا" جوزف نے اردو میں کہا۔

"صرف چالیس فیصد.... ابھی دُم نہیں نکلی۔ یا نکل آئی ہے؟"

"تم نے میرے سو روپے یومیہ کیوں بند کر دیئے باس۔"

"اس عمر میں زیادہ گھی دودھ کھانا مناسب نہیں ہوتا۔"

"میں سمجھوں گا سلیمان کے بچے سے!"

"اس سے کیا سمجھے گا۔" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"اسی نے بہکایا ہے تمہیں۔"

"ہاں، یہ اطلاع ضرور دی تھی کہ تو چرس پینے لگا ہے۔"

"گھٹیا والی نہیں پیتا۔ اس کا ایکسٹریکٹ استعمال کرتا ہوں۔ سگریٹ پر لکیر کھینچی اور بس۔"

"اور جوانی برقرار رکھنے کے لئے گھی دودھ۔"

"میں مر جاؤں گا باس اگر تم نے چرس چھڑوائی۔ پوری اسلامی دنیا میں پی جاتی ہے اور اسی اسلامی ملک میں بنائی جاتی ہے۔ اور پھر تمہاری آسمانی کتاب میں چرس کا کوئی ذکر بھی نہیں ملتا۔"

عمران نے خاموشی سے پرس نکالا اور ایک لال نوٹ کھینچ کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "معافی چاہتا ہوں مسٹر جوزف.... لیکن یہ بہت بُرا ہے مسٹر جوزف کہ تم بھی مسلمانوں کی طرح بکواس زیادہ کرنے لگے ہو۔ اور کام کا دور دور تک پتا نہیں۔"

"جوزف کے دانت نکل پڑے اور وہ فرش پر ایک گھٹنا ٹیک کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کسی بادشاہ سے کوئی انعام لے رہا ہو۔"

"بس اب دفع ہو جاؤ۔ لیکن یاد رہے کہ اگر کبھی زیادہ نشے میں دکھائی دیئے تو چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"نہیں باس ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ چرس تو کتے کو بھی آدمی بنا دیتی ہے۔"

"کیا یہ تیری آسمانی کتاب کی رائے ہے؟"

"نہیں باس! یہ تو سلیمان کہتا ہے۔ اُسی مردود نے مجھے چرس کا مشورہ دیا تھا۔"

"سلیمان نے۔"

"ہاں باس....!"

"اچھا بس اب تم جاؤ۔"

جوزف چلا گیا اور عمران نے گلرخ کو آواز دی ساتھ ہی بغلی ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔ گلرخ دوڑی آئی تھی۔ لیکن ہاتھ میں پستول دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"سلیمان کہاں ہے؟"

"مینٹنی شو دیکھنے گئے ہیں۔"

"تو پھر کیا میں تجھے گولی مار دوں۔"

"وہ یہی تو چاہتا ہے کہ کوئی مجھے گولی مار دے۔"

"تب تو زندہ رہے گی۔ لیکن آج شام سے تو بیوہ کہلائے گی۔"

"سچ چھوٹے سرکار" وہ بے حد خوش ہو کر بولی۔

"بھاگ جا...." عمران اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ اور وہ چپ چاپ کھسک ہی گئی۔

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے فیاض کے سسر شبلی کی آواز آئی۔

"آہا قبلہ فرمایئے!" عمران چہک کر بولا۔

"بے بی نے فیاض کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم عربی ڈریس میں تھے۔"

"اوہ چھوڑیئے۔ یہ بتایئے اب علاج کا کیا ہوگا۔"

"اب تو ناممکن ہے کہ فوریل کی طرف یہ دونوں رخ بھی کر سکیں گے۔ آخر ڈیوڈ کو کس نے مار ڈالا۔"

"فیاض سے پوچھیئے۔ کیونکہ وہ عنقریب سپرنٹنڈنٹ سے اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہونے والے ہیں۔"

"کیا واقعی۔"

"ابھی اسے نہ بتایئے گا۔ ورنہ میرے ڈیڈی کی بدنامی ہوگی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مسٹر عمران۔"

"میرے لائق کوئی خدمت!" عمران نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"بس کچھ دیر کے لئے مجھے اپنے پاس بلالو....!"

"آجایئے۔ میں اپنے فلیٹ ہی میں ہوں۔" عمران نے کہا اور اُسے فلیٹ کا پتہ بتانے لگا۔

ریسیور رکھ کر اس نے گل رخ کو آواز دی۔ وہ آئی تو لیکن کسی قدر سہمی ہوئی تھی۔ عمران نے اُسے دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ پھر وہ بھی روہانسی ہنسی ہنسنے لگی تھی۔

"دیکھ میں اپنی خواب گاہ میں جا رہا ہوں۔ ابھی ایک بوڑھا شبلی نامی آئے گا۔ اُس سے کہہ دینا کہ میں غسل کر رہا ہوں۔ وہ انتظار کرے اور تم اس کے لئے کافی بنانا۔ اور ٹھہرو۔" عمران نے کہا اور الماری کھول کر ایک شیشی سے ایک کیپسول نکالا اور اُسے دیتا ہوا بولا۔ "جب پانی کھول

جائے تو یہ اس میں ڈال دیجو.... پھر کافی۔ لیکن خبردار اُس کافی کا ایک گھونٹ بھی خود نہ لیجو۔"

"میں سمجھ گئی بیہوش کریں گے بڈھے کو۔"

"ہاں، یہی بات ہے۔ بس جا....!"

وہ چلی گئی۔ اور عمران خواب گاہ میں پہنچ کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ ابھی پوری طرح فارم میں بھی نہیں آیا تھا کہ گھنٹی بجی۔

"خدا کی پناہ اتنی جلدی!" عمران بڑبڑایا۔ "کیا بذریعہ تار آیا ہے۔"

دوسرے ہی لمحے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟"

"گلرخ سرکار....!"

"ایک میلا کچیلا سا بچہ ہے۔ آپ کا نام لے رہا ہے۔ کوئی خط دینا چاہتا ہے۔ آپ ہی کے ہاتھ میں۔"

"اُسے یہیں لیتی آ....!"

گلرخ چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد ایک میلے کچیلے لڑکے کے ساتھ واپس آئی جس کی عمر بارہ یا تیرہ سال رہی ہو گی۔

"آپ ہیں عمران صاحب!" لڑکے نے پوچھا۔ عمران نے گلرخ کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور وہ چلی گئی۔ تب اُس نے لڑکے کے سوال کا جواب دیا۔

"ہاں میں ہی ہوں۔"

"بی بی جی نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ اُن کا خط پا کر مجھے دس روپے انعام دیں گے۔"

"ہاں ہاں ممکن ہے۔" عمران جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ "لاؤ خط کہاں ہے۔"

"پہلے انعام صاحب۔"

"لے بابا....!" عمران نے دس کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔ لڑکے نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

اُس سے لفافہ لے کر عمران صدر دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔ پھر خواب گاہ میں واپس جا کر لفافہ کھولا۔

اندازہ غلط نہیں نکلا تھا۔ خط شہلا چوہدری ہی کا تھا۔ اُس نے ایک مختصر سی تحریر کے ساتھ پروفیسر شکور کی تصویر اور رائفل کلب کے ویرائٹی پروگرام کا ایک دعوت نامہ بھی بھیجا تھا۔ جو اُسی شب کو منعقد ہونے والا تھا۔ تحریر کے مطابق پروفیسر شکور ایک بڑا زمیندار اور شکاری تھا۔ پروفیسر صرف کلب میں کہلاتا تھا وہ بھی اس لئے کہ کسی قدر شعبدہ کار بھی تھا۔

عمران نے تصویر دیکھی جس کی پشت پر تحریر تھا دس سال پہلے کی تصویر۔ عمران کے لئے کوئی دشوار مسئلہ نہیں تھا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ چہرہ داڑھی والا بھی ہو۔

تھوڑی دیر بعد پھر اطلاعی گھنٹی کی آواز سنائی دی اور عمران دم سادھ کر لیٹ گیا۔ شائد پانچ منٹ بعد گلرخ دروازہ کھول کر آئی اور آہستہ سے کہا۔ "بٹھا آئی ہوں۔ اب کافی بنانے جا رہی ہوں۔ لیکن صاحب بڈھا حرام زادہ لگتا ہے۔"

"جا دفع ہو جا.... کہیں یہ کھسر پھسر سن لی تو کھیل بگڑ جائے گا۔"

وہ چلی گئی اور عمران اٹھ کر کپڑے بدلنے لگا۔ فلیٹ سے نکل جانا آسان کام نہیں تھا۔ سڑک اور عقبی گلی میں نگرانی کرنے والے موجود تھے اور وہ میک اپ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُسے تو اب پروفیسر شکور کی حیثیت اختیار کرنی تھی لیکن یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ نگرانی کرنے والوں کی رسائی رانا پیلس تک بھی ہو جاتی۔

اس نے محدود دائرہ کار والے ٹرانس میٹر پر چوہان سے رابطہ قائم کیا جو اپنی ٹیم سمیت عمران کی نگرانی کرنے والوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ اور یہ ٹیم خاور اور نعمانی پر مشتمل تھی۔ بہر حال اُس نے آگاہ کیا کہ وہ رانا پیلس جانا چاہتا ہے لہٰذا تعاقب کرنے والوں کو وہاں تک پہنچنے سے باز رکھنا اس کی ذمہ داری ہو گی چوہان نے اطمینان دلایا کہ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔

اس نے کہا "ہمارے پاس تیز رفتار جیپ ہے۔ ہم ان کی گاڑی کو ناکارہ بنا دینے کی کوشش کریں گے۔"

"جس طرح بھی چاہو کرو۔" عمران نے کہا۔ "بس وہ رانا پیلس نہ دیکھنے پائیں۔"

"بے فکر رہو یار۔ کیوں خواہ مخواہ کان کھا رہے ہو۔" چوہان نے کہا۔

"اگر غلطی ہوئی تو ناک بھی کاٹ لوں گا۔ اوور اینڈ آل" کہہ کر عمران نے سوئچ آف کر دیا۔

اِدھر گلرخ پھر کمرے میں آئی اور کھی کھی کرتی ہوئی بولی۔ "ڈھیر ہو گئے صاحب۔"

"اگر آپ مجھے بھی کچھ تھوڑے سے کیپسول دے دیں تو سلیمان کی میا ہی مار دوں۔"

"کیوں بکواس کرتی ہے اس کی میا نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔"

"اے لو صاحب۔ ارے اُسے جنا نہیں تھا میرے لئے۔"

"چل بھاگ نہیں تو دوں گا ایک ہاتھ۔"

"تو آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"باہر....! اسی لئے تو بڑے میاں کو کیپسول دلوایا تھا۔"

"دیکھیں صاحب یہ مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ جاگنے کے بعد پتا نہیں۔"

"بس ایک اچھا آدمی جوزف اس پر مسلط کر جاؤں گا۔"

"تب ٹھیک ہے۔"

"جانتی ہے کون ہیں یہ صاحب۔"

"میں کیا جانوں۔"

"کیپٹن فیاض کے سسر....!"

"ارے غضب۔"

"اسے کہیں سے فون کر دوں گا کہ اُسے اٹھوا لے۔"

"نہیں صاحب وہ آئے تو اُودھم مچ جائے گا۔ بس یہ جاگیں اور خود ہی چلتے پھرتے نظر آئیں۔ بہتر یہی ہو گا۔"

"اچھا چل یونہی سہی۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ یہ سات بجے جاگے گا۔"

"جاگ کر آپ کو پوچھا تو کیا کہوں گی۔"

"کہہ دینا کہ نہا کر آئے تو آپ سو رہے تھے۔ جگایا نہیں باہر چلے گئے۔ دس گیارہ بجے رات تک واپسی ہو گی۔"

"بہت اچھا۔ لیکن جوزف سے بھی کہہ جائیے۔"

عمران جوزف کو خصوصی ہدایات دے کر فلیٹ سے نکلا چلا آیا۔ ٹوسیٹر باہر موجود تھی۔ اطمینان سے ڈرائیو کرتا رہا۔ سرخ رنگ کی کورولا ٹوسیٹر کا تعاقب کر رہی تھی۔ پھر ایک موڑ پر اچانک تعاقب کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پھر عمران دور تک دیکھتا چلا گیا تھا لیکن سرخ کورولا نظر

نہیں آئی تھی۔ بالآخر وہ رانا پیلس تک جا پہنچا۔

بلیک زیرو یا عرف عام میں طاہر نے اس کی پذیرائی کی۔ ایکس ٹو کے دوسرے ماتحت اُسے صرف رانا پیلس کے منتظم کی حیثیت سے جانتے تھے۔ اس نے بلیک زیرو سے کہا۔ "جب میں فلیٹ سے چلا تھا تو سرخ رنگ کی ایک کورولا تعاقب کر رہی تھی لیکن پرنسٹن کے موڑ پر اچانک وہ غائب ہو گئی۔ اس کے پیچھے جیپ پر نعمانی خاور اور چوہان تھے۔ معلوم کرو کہ آخر انہوں نے کس طرح اس تعاقب کا سلسلہ توڑا تھا۔"

"بہت بہتر میں ابھی دیکھتا ہوں۔" کہتا ہوا وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا اور عمران پروفیسر شکور کے میک اپ کا انتظام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بلیک زیرو نے اطلاع دی۔

"پرنسٹن کے چوراہے پر جیپ نے کورولا کو ٹکر ماردی۔ نعمانی ڈرائیو کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے گاڑی کو اس قابل نہ چھوڑا ہوگا کہ وہ تعاقب جاری رکھ سکے۔ لہٰذا نعمانی پرنسٹن کے تھانے میں بند ہے۔ خاور اور چوہان اس کی ضمانت کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ کرولا میں دو افراد تھے جن میں سے ایک معمولی سا زخمی بھی ہوا ہے۔"

"کیا یہ نعمانی تنویر کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہے۔" عمران نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد عمران اپنا میک اپ مکمل کر رہا تھا پھر پروفیسر شکور کی تصویر اور اُس میں سرِ مُو فرق نہ رہ گیا۔

"میں پروفیسر شکور ہوں۔" عمران نے بلیک زیرو سے اپنا تعارف کرایا۔ "ایک شکاری اور بڑا زمیندار۔ دس سال قبل میں اپنی ساری جائیداد فروخت کر کے افریقہ چلا گیا تھا۔ سیلانی اور جہاں گرد آدمی ہوں اور اب نیروبی میں میرا بزنس ہے۔ میں ایک سیاح کی حیثیت سے ملک میں داخل ہوا ہوں اور اب رانا تہور علی کا مہمان ہوں۔"

"بہت بہتر جناب۔" بلیک زیرو نے کہا۔

"اس وقت رائفل کلب کے ایک ورائٹی پروگرام میں حصہ لینے جا رہا ہوں۔ دو ایک شعبدے میں تیار کرلوں گا کہ شکور اسی بنا پر پروفیسر شکور کہلانے لگا تھا۔ ورنہ اس کے فرشتوں نے بھی کبھی کسی تعلیمی ادارے کی شکل نہ دیکھی ہوگی۔"

"میں سمجھ گیا جناب۔ اگر کبھی کوئی آپ کے بارے میں پوچھ گچھ کرے تو اس سے انہی

حقائق کی روشنی میں گفتگو کروں۔"

"ہاں، میں یہی کہنا چاہتا ہوں اور خود بھی شکور کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔"

"لیکن جناب کبھی کبھی رانا صاحب کی شکل میں یہاں تشریف لایا کیجئے۔ ورنہ خواہ مخواہ پڑوسی ہماری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو! اب خیال رکھوں گا۔ ہاں تو کلب جانے کے لئے شکاری گاڑی نمبر چار نکلوا دو۔"

"بہت بہتر جناب۔" بلیک زیرو نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ شکاری گاڑی نمبر چار میں چار مخصوص اور غیر معمولی خوبیاں تھیں۔ پہلی خوبی تو یہ تھی کہ ایک بٹن دباتے ہی گاڑی کی دونوں سائڈیں اس طرح اوپر اٹھ جاتی تھیں جیسے وہ کوئی گاڑی نہیں بلکہ سائبان ہو۔ دوسرا بٹن دبانے سے دونوں اطراف سے سب مشین گنوں کی چھوٹی چھوٹی نالیں برآمد ہوتی تھیں اور فائرنگ شروع ہو جاتی تھی۔ تیسرا بٹن دبانے سے تعاقب کرنے والی گاڑی کے اگلے حصے کا کوئی ٹائر فلیٹ ہو سکتا تھا۔ چوتھا بٹن دبانے سے ڈرائیونگ سیٹ کسی ہوائی جہاز کے پائلٹ کی سیٹ کی طرح باہر جا پڑتی تھی۔ بہرحال وہ کچھ شعبدے بھی ساتھ لے کر اُسی گاڑی میں کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔



رائفل کلب کا بڑا سا ریکریشن ہال تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ کچھ تو کلب کے ممبر تھے اور کچھ شہر کے معززین جنہیں اعزازی طور پر شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ بعض حضرات تو بال بچوں سمیت تشریف لے آئے تھے اس لئے کانوں پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اناؤنسر کے فرائض خود شہلا چودھری کو سونپے گئے تھے۔ وہ اسٹیج پر آئی اور سناٹا چھا گیا۔ صرف ایک آدھ بچے کی آواز ہال میں گونجتی رہی۔

"خواتین و حضرات! شہلا چوہدری آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مجھے یہاں کی ممبر شپ کے سلسلے میں جو اعزاز نصیب ہوا تھا وہ آج تک کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ میں پہلی خاتون ممبر تھی جسے صرف چودہ سال کی عمر میں ممبر شپ مل گئی اور سولہ سال کی عمر میں نشانے بازی کے

مقابلے میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی.... اور اس کا سہرا میرے استاد پروفیسر شکور کے سر تھا۔ وہ ایک ماہر نشانہ باز ہیں۔ اندھیرے میں محض آواز پر نشانہ لگا سکتے تھے۔ ہماری بدنصیبی تھی کہ دس سال پہلے انہوں نے اپنی ساری جائیداد فروخت کی اور دنیا کی سیاحت پر نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن دس سال بعد وہ پھر واپس آئے ہیں۔"

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ خصوصیت سے پرانے ممبر بہت زیادہ پرجوش نظر آنے لگے تھے۔

شہلا پھر بولی۔"خواتین و حضرات کسی دن پروفیسر صاحب یہاں اپنے نشانہ بازی کے کمالات کا مظاہرہ کریں گے۔ آج تو آپ صرف چند شعبدے ملاحظہ فرمائیے جن کی بناء پر پروفیسر یہاں بہت مقبول تھے۔ پروگرام کی ابتداء پروفیسر کے کمالات سے ہوگی۔ پروفیسر شکور....!

وہ سامنے سے ہٹ گئی اور اسٹیج پر بائیں جانب اسپاٹ لائٹ کے ساتھ حرکت کرتا ہوا عمران اسٹیج کے وسط میں آکھڑا ہوا۔ سیاہ ڈاڑھی جس کے دونوں اطراف میں جبڑوں پر سفید بالوں کی دھاریاں خود اسے کسی قسم کا خوفناک جانور ہی بنا کر پیش کررہی تھیں.... گھنی مونچھوں کے دہانے کا بہت مختصر سا حصہ نمایاں تھا۔ وہ خالص پیشہ ورانہ انداز میں جھکا اور جیب سے دو لوہے کے گولے نکال کر اسٹیج پر ڈال دیئے۔ پھر بولا۔"خواتین و حضرات میں اسے موت کی دوڑ کہتا ہوں۔ اگر میرے بعد کوئی اور صاحب اس کھیل کو پیش کرنا چاہیں تو مجھے اُن سے مل کر خوشی ہوگی۔ کیونکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس کھیل کے لئے میں ایشیاء میں واحد آدمی ہوں۔ میں ان گولوں پر کھڑا ہو کر دوڑ لگاؤں گا نہ میرے پنجے فرش سے لگیں گے اور نہ ایڑیاں۔ آپ خصوصیت سے اس پر نظر رکھئے گا۔ کیونکہ یہی اس کھیل کا کمال ہے۔"

وہ ان گولوں پر کھڑا ہو کر پورے اسٹیج پر چکرانے لگا۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے اسکیٹس پہن کر اسکیٹنگ کررہا ہو۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور وہ گولوں سے اتر آیا۔ لیکن بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ آخر ہانپتا ہی ہوا بولا۔"خواتین و حضرات اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی کہ دیر تک کسی قسم کا مظاہرہ کرسکوں۔ اور پھر میں پرسوں ہی تو آیا ہوں۔ ابھی تک سفر ہی کی تھکن نہیں اُتری۔ اب میں آخری شعبدہ دکھا کر آپ سے اجازت چاہوں گا۔ اس نے اپنی ٹاپ ہیٹ اُتار کر ناظرین کو دکھائی اور بولا۔"دیکھئے یہ بالکل خالی ہے۔ اَب آپ میں سے کوئی صاحب اسٹیج پر آجائیں۔" ایک تیز طرار لڑکی چھلانگ مار کر اسٹیج پر جاچڑھی اور پروفیسر نے جیب سے ایک

تصویر نکالی اور لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔"یہ کس کی تصویر ہے۔"

"کبوتر کی۔" لڑکی نے کہا۔

"مجھے نہیں ناظرین کو بتایئے۔"

لڑکی نے ہال کی طرف منہ کر کے کہا۔"خواتین و حضرات یہ ایک کبوتر کی تصویر ہے۔"

پروفیسر یعنی عمران نے پھر ٹاپ ہیٹ سر سے اتاری اور لڑکی سے پوچھا۔"اس میں کیا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں خالی ہے۔"

"اچھا اب اس کبوتر کی تصویر کو ہیٹ میں رکھ کر خود ہی یہ ہیٹ میرے سر پر رکھ دیجئے۔"

لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ اور پروفیسر زور سے بولا۔"خواتین و حضرات یہ شعبدہ نہیں ہے۔ افریقہ کے خشک سرکنڈوں کا جادو ہے۔ جہاں سیاہ فاموں کے اجداد کی روحیں بسیرا کرتی ہیں۔ اسے سیکھنے کے لئے میں بہت بڑے بڑے خطرات سے گذرا ہوں۔ لیکن خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ملاحظہ فرمائیے۔"

اس نے اس بار ٹاپ ہیٹ اُتاری تو اُس کے سر پر ایک کبوتر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ پھر اُس نے اُڑ کر ہال کا ایک چکر لگایا اور ایک کھڑکی سے باہر نکل گیا۔ اس بار اتنے زور سے تالیاں بجائی گئیں تھیں کہ چھت اڑ جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔

"ایک اور.... ایک اور پروفیسر پلیز....!" مجمع شور مچا رہا تھا۔

لیکن وہ پھر اسٹیج پر نہیں رکا تھا۔ اسٹیج کے عقب میں کئی عورتیں جو شائد پروفیسر کی پرانی شناسا تھیں اُس کا انتظار کررہی تھیں۔

"تم ہمیشہ سے متحیر کردینے کے عادی ہو پروفیسر....!" ایک نے آگے بڑھ کر قریب قریب اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا اور عمران بوکھلا گیا۔ اس نے اس موضوع پر تو سوچا ہی نہیں تھا کہ پروفیسر کے بہتیرے ملنے والے ہوں گے آخر وہ ان کے سلسلے میں کیا کرے گا۔



کلارا ڈکسن غازوں والی تجربہ گاہ میں ٹہل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک قوی الجثہ اور

قد آور مرد بھی تھا جس کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ دفعتاً کلارا چلتے چلتے رک کر بولی۔ "رابرٹو.... تم نے پروفیسر شکور کے بارے میں کیا معلومات حاصل کیں۔"

"ایک آوارہ گرد لیکن خطرناک آدمی ہے۔" رابرٹو نے یونہی رواروی میں کہا۔ "بیشک چند ماہ قبل وہ نیروبی ہی میں تھا۔ لیکن وہاں سے اُسے فرار ہونا پڑا۔ کیونکہ وہاں کی حکومت سے متعلق ایک سازش ترتیب دے رہا تھا۔"

"سیاسی آدمی ہے۔"

"کسی حد تک کہہ سکتے ہیں۔" رابرٹو نے فرش پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ "افریقہ کے کئی ملکوں میں انقلاب لانے کی کوشش کر چکا ہے۔ لیکن قسمت کا سکندر ہے کہ ہر بار خود بچ نکلا اور اس کے ساتھی مارے گئے۔"

"کیا واقعی وہ نیروبی کا کوئی بڑا بزنس مین ہے۔"

"اسمگلر کہا جا سکتا ہے اُسے۔ بہر حال اُس کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے۔"

"مخالف کیمپ کا جاسوس بھی ہو سکتا ہے۔" کلارا بولی۔

"اس کے امکانات کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"شہلا چوہدری کے سارے ملنے والے خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ راشد پٹھان کے بارے میں کیا اطلاع ہے؟"

"اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔"

"یہ اُس سے بھی زیادہ تشویش ناک ہے۔" کلارا نے کہا اور کسی سوچ میں ڈوب کر پھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ رابرٹو اس کا ساتھ طوعاً و کرہاً دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس پر مجبور ہو۔ انداز گفتگو سے اس کا کوئی ماتحت معلوم ہوتا تھا۔

وہ پھر رکی اور اُس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ "سنگزاد سے متعلق رپورٹ!"

"اُسے سائیکو مینشن میں رکھا گیا ہے اور وہاں کے ڈاکٹروں کے زیرِ معائنہ ہے۔"

"ہوں۔ یہ بھی مناسب نہیں ہوا۔"

"پھر کیا ہونا چاہئے تھا۔"

"اُس کی یادداشت بحال کرنے کے لئے اُسے اس کے پرانے آفس میں بٹھایا جاتا۔"

"ضروری تو نہیں کہ ہم اپنا مطمع نظر اُن پر مسلط کر سکیں۔" رابرٹو بولا۔ "اگر یہ بات تھی تو ہمیں کوئی اور طریق کار اختیار کرنا چاہئے تھا۔ ایسا کہ وہ اُسے اُس کے دفتر میں بٹھانے پر مجبور ہو جاتے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ دراصل سارا کھیل ڈیوڈ کی حماقتوں کی بناء پر بگڑا ہے۔ اس نے مقامی بدمعاشوں سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔"

"اُس پر خاک ڈالو۔ اب تو اس معاملے کو کسی اور طرح نپٹانے کی سوچنا چاہئے۔"

"یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ یہاں ہم میں کوئی سوچنے والا نہیں ہے۔" کلارا بولی۔

"ہماری تنظیم کا سمندر پار والا شعبہ قریب قریب ناکارہ ہو چکا ہے۔ اُس کی ساری تدبیریں لوگوں پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہیں۔"

"اس میں شعبے کا اتنا قصور نہیں ہے۔ جتنا ہمارے پریس کا ہے جس کی کوئی ٹھوس پالیسی ہی نہیں ہے۔ صحافیوں کی تحریریں دیکھئے تو ایسا لگتا ہے جیسے ان سے بڑا ملک و قوم کا دشمن اور کوئی نہ ہو۔ ہم سے متعلق ساری دنیا کو کس نے آگاہ کیا ہے۔ ہمارے پریس نے۔"

"اور یہ حکومت کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔ پریس کو کبھی اتنی آزادی نہ دینی چاہئے۔ ساری دنیا میں صرف دو قومیں بیوقوف پائی جاتی ہیں۔ ایک انگریز اور دوسرے ہم۔"

"یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو؟"

"دونوں ممالک کے پریس شتر بے مہار ہیں۔"

"یہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو!"

"ہم پر کتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور یہ سب کتابیں ہماری قوم ہی کے افراد نے اپنے ہی ملک میں بیٹھ کر لکھی ہیں۔ اگر کسی ملک میں ہم کوئی کارنامہ انجام دیتے ہیں تو ہمارے ادارے پر کتنی لعن طعن ہوتی ہے اور بالکل ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب ہماری اپنی قوم کے افراد نہ ہوں بلکہ مخالف کیمپ سے تعلق رکھتے ہوں۔ کسی گلی میں کوئی کتا بھونکا اور کسی کو کاٹنے دوڑا اور دوسرے دن کے اخبارات میں اس قسم کی سرخیاں نظر آئیں کہ یہ ہماری تنظیم کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ تھا۔"

کلارا ہنس پڑی اور رابرٹو کا شانہ تھپک کر بولی۔ "بہت تیز ہو رہے ہو۔"

وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ لیکن آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے کسی دربار سے خلعت معہ خطاب عطا کر دیا گیا ہو۔

کلارا کچھ دیر بعد بولی۔ "میں تم سے پوری طرح متفق ہوں کہ ہماری قوم لاقانونیت کا شکار ہوگئی ہے۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہاں جو چیز کسی بڑے آدمی کو گراں گزر جائے اُس کے لئے پولیس حرکت میں آجاتی ہے۔ ورنہ سب چلتا ہے۔"

"اوہو۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ چھوٹے کرسٹل ناکارہ ہیں؟" رابرٹو نے سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔ لیکن میں اس معاملے کو یہی رنگ دینا چاہتی تھی کہ ہم پتھر کے ضرور ہو گئے ہیں لیکن جارحیت کی صلاحیت ہم میں نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بالآخر آئی ایس آئی والوں نے اُسے اپنی تحویل میں لے لیا۔"

"لیکن کیا سنگزاد اپنے طور پر جارحیت کا مرتکب ہو سکے گا۔"

"ہرگز نہیں! چھوٹا کرسٹل یہاں سے فعال بنایا جائے گا۔ ہم جب چاہیں گے اُسے جارحیت پر بھی آمادہ کر سکیں گے۔"

"ہمارے ادارے کے سائنسدان بھی کمال ہی کر رہے ہیں۔" رابرٹو بولا۔

"احمقوں کو سیدھی راہ پر لانے کے لئے سائنس سے بھی مدد لینی پڑتی ہے۔"

"اور یہ علی عمران.... یہ کیا چیز ہے!"

"بے حد خطرناک آدمی ہے۔"

"کیا واقعی بلیک میلر ہے۔"

"کیا ہم واقعی بلیک میلر ہیں! کچھ لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے انہیں بلیک میل بھی کرنا پڑتا ہے۔ عمران بھی اسی قسم کا بلیک میلر ہو سکتا ہے۔ کیا تم نے پہلے کبھی اس کا نام نہیں سنا۔"

"سنا ہوا سا تو لگتا ہے۔"

"ورلڈ فیم کا آدمی ہے۔ خصوصیت سے زیرولینڈ کا اسپیشلسٹ ہے۔ سنا جاتا ہے کہ تھریسیا اسے چاہتی ہے۔"

"بڑی عجیب عجیب باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔"

"کیا تم نے اُسے دیکھا ہے؟"

"کئی بار....!" کلارا طویل سانس لے کر بولی۔ "صورت سے بالکل احمق لگتا ہے۔ ہم تو یہ پوز کر رہے ہیں کہ سچ مچ ہم اُسے بلیک میلر تصور کرتے ہیں۔ دراصل اگر ہم اس کے سلسلے میں زیادہ عقلمند بننے کی کوشش کریں گے تو خود ہمارا راز افشاء ہو جائے گا کہ ہم کون ہیں۔"

"اب پوری بات سمجھ میں آئی ہے؟"

"اگر کسی طرح عمران ہاتھ آجائے تو بس یہ سمجھو کہ ہماری فتح ہے۔" کلارا ڈکسن نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ اور پھر ٹہلنے لگی۔ انداز سے مضطرب نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی آنکھوں سے اندر کی بے چینی مترشح ہونے لگتی تھی۔



سنگزاد سائیکو مینشن میں ڈاکٹروں کے زیر معائنہ تھا اور سائیکو مینشن اس طرح فوج کے گھیرے میں تھی کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ ڈاکٹروں کی اس ٹولی میں عمران بھی موجود تھا۔ اس کے جسم پر بھی ڈاکٹر ہی سا سفید لباس تھا۔ عمران کے علاوہ اور سارے فیلڈ ورکرز اپنی اپنی اقامت گاہوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ کلارا کے ہاتھوں اس عمارت کا جو حشر ہوا۔ وہی اس سے پہلے والے ہیڈ کوارٹر دانش منزل کا تھریسیا کے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ بہر نوع فی الحال یہ مسئلہ زیر غور نہیں تھا کہ آئندہ اس سلسلے میں کیا ہو گا؟

سب سے اہم مسئلہ خود سنگزاد تھا۔ اس وقت وہ بستر پر خاموش پڑا تھا۔ آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں اور عمران اس کے قریب ہی کرسی ڈالے بیٹھا اُسے پُر تشویش نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً سنگزاد کا رخ عمران کی طرف ہو گیا اور اس نے کہا۔ "ڈاکٹر اس پوری بھیڑ میں صرف تم ہی مجھے ایک معقول آدمی نظر آئے ہو۔"

"شکریہ کرنل....!"

"اوہ کرنل!" وہ ہنس پڑا پھر بولا۔ "ہاں مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ میں

کوئی کرنل شہزاد ہوں اور کبھی آئی ایس آئی کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر تھا۔"

"یہ حقیقت ہے کرنل۔"

"لیکن مجھے کیوں یاد نہیں آتا۔"

"حافظہ کھو بیٹھنا کوئی معمولی مرض نہیں۔ لیکن لاعلاج بھی نہیں ہے۔ اگر مرض کی وجہ معلوم ہو جائے۔"

"وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔"

"ظاہر ہے۔ ورنہ آپ کبھی کے صحت مند ہو چکے ہوتے۔"

"اگر میں کرنل شہزاد ہوں تو مجھے میرا دفتر دکھایا جائے۔"

"میں آپ کی یہ تجویز بورڈ کے سامنے پیش کروں گا۔"

"ہاں۔ ضرور ضرور۔" کہہ کر سنگزاد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمران نے ہاتھ سے روک دیا۔ "کرنل.... پلیز.... لیٹے رہیے۔ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔"

"لیکن میں تو ذرا سی بھی کسلمندی نہیں محسوس کر رہا۔"

"آپ تو پتھر کے ہیں۔ جب بچے پتھر مارتے ہیں تو کسی قسم کا احساس نہیں ہوتا۔"

"بس صرف اسی قدر کہ کوئی چیز جسم سے ٹکراتی ہے۔ لیکن اسے چوٹ لگنا تو نہیں کہہ سکتے۔"

"قطعی نہیں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اس معاملے میں یہ لوگ خواہ مخواہ آپ کے سر ہو رہے ہیں۔ تنہا میں کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بورڈ کا معاملہ ہے۔"

"اچھا ڈاکٹر فرض کرو! میں سب کچھ تسلیم کرلوں تو پھر کیا ہوگا۔"

"یہ بھی متعلقہ افراد ہی بتا سکیں گے کرنل۔ ہم ڈاکٹروں کو اس سے کیا سروکار۔ ہم صرف آپ کی بحالی صحت کے خواہاں ہیں۔"

اتنے میں دوسرا ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ عمران نے گھڑی دیکھی اور طویل سانس لے کر سنگزاد سے بولا۔ "اچھا کرنل شب بخیر میری ڈیوٹی ختم ہوگئی۔"

سنگزاد نے بُرا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

ایک گھنٹے بعد عمران پھر رانا پیلس میں تھا اور پروفیسر شکور کا میک اپ کر رہا تھا۔ اُس نے گھڑی دیکھی۔ آٹھ بجے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے اُسے ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں پہنچنا تھا۔ جہا

شہلا چوہدری نے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی۔ عمران چاہتا بھی یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ اُس کے ساتھ دیکھا جائے۔ میک اپ کی تکمیل کے بعد اس نے بلیک زیرو کو طلب کیا۔

"تم نے پروفیسر شکور کے بارے میں کیا معلومات فراہم کیں۔" عمران نے اُس سے پوچھا۔

"وہ تو بے حد خطرناک آدمی ثابت ہوا ہے جناب۔ افریقہ کے کئی ممالک کی پولیس اُس کی تلاش میں ہے۔ یہیں کا باشندہ تھا دس سال پہلے اپنی یہاں کی جائیداد فروخت کر کے دنیا کی سیاحت کے لئے نکلا تھا۔ افریقہ پہنچ کر سازشوں میں ملوث ہو گیا۔ کئی حکومتوں کے تختے الٹنے کی کوشش کر ڈالی۔"

"تم نے اچھی خبر سنائی ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اب جلدی سے پروفیسر شکور کے جعلی کاغذات بھی تیار کرا ڈالو۔ یعنی پاسپورٹ وغیرہ.... کیا سمجھے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

پھر عمران نے وہی مخصوص گاڑی نکلوائی تھی۔ جس پر رائفل کلب گیا تھا۔ ٹپ ٹاپ میں شہلا اُسے منتظر ملی۔

"تم نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے چوہدرانی۔" عمران نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"یہ تمہارے پروفیسر شکور صاحب! تم ان کے بارے میں اور کیا جانتی ہو۔"

"بس اتنا ہی جتنا آپ کو بتا چکی ہوں۔"

"تمہاری معلومات باسی ہیں۔ تازہ ترین معلومات نے میرے تو چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ کسی وقت بھی ہتھکڑیاں پڑ سکتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔" وہ پریشان ہو کر بولی۔

"پروفیسر ایک خطرناک آدمی بن چکا ہے۔ افریقہ کے ملکوں کی پولیس کو اس کی تلاش ہے۔"

شہلا کی آنکھوں میں بے یقینی اور سراسیمگی کے ملے جلے آثار پائے جاتے تھے۔

"اور اَب!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "میں اُس دوست کے گھر واپس نہیں جاؤں گا جہاں میں بحیثیت پروفیسر مقیم ہوں۔"

"پھر کہاں جائیں گے۔"

"اَب تم ہی میرے قیام کا انتظام کرو گی۔"

"بڑی خوشی سے جہاں آپ کہیں!"

"دینار ہوٹل بھی تو تمہارا ہی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"میں وہیں قیام کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں ابھی فون کرتی ہوں منیجر کو۔"

"ضرور کرو.... اور اُسے ہدائت کردو کہ جو بھی کمرے کی کنجی طلب کرے اُسے بغیر حیل وحجت دے دی جائے۔"

"بہت بہتر۔ میں ابھی آئی۔" شہلا اٹھتی ہوئی بولی۔

پھر وہ منیجر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔



کلارا ڈکسن اس بھیڑ میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ سب اُس کا اسی طرح احترام کرتے تھے جیسے وہ اُن کی سربراہ ہو۔ یہی رویہ رابرٹو کے ساتھ بھی تھا۔ خود اُن دونوں کے درمیان جس قسم کی گفتگو ہوتی تھی اس سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا جیسے برابر کا درجہ رکھتے ہوں۔ اس وقت بھی رابرٹو اپنی تنظیم پر کڑی تنقید کر رہا تھا اور وہ خاموش بیٹھی سن رہی تھی۔ آخر کچھ دیر بعد بولی۔ "آخر ان سب باتوں کا فائدہ!"

"تنقید اصلاح کا ایک صحت مند ذریعہ ہے۔" رابرٹو نے کہا۔

کلارا ہنس پڑی اور رابرٹو اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اس میں اس طرح ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"تم مجبور کرتے ہو اس طرح ہنسنے پر، صرف دوسروں پر تنقید نہیں بلکہ خود تنقیدی بھی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ڈیوڈ جیسے احمق آدمی کا انتخاب تم نے کیا تھا۔"

رابرٹو نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ تنقید گھونسے کی طرح اُس کی کھوپڑی پر پڑی تھی۔

"کیوں خاموش کیوں ہوگئے۔"

"کچھ نہیں وہ محض اندازے کی غلطی تھی۔"

"اسی طرح کبھی کبھی تنظیم سے بھی اندازے کی غلطی ہو جاتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ مخالف کیمپ کی سرگرمیوں سے کماحقہ ناواقفیت ہوتی ہے۔"

"میں تم سے یہی کہلوانا چاہتا تھا۔" رابرٹو مسکرا کر بولا۔ "یہ بھی ہمارے پریس اور صحافیوں کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مخالف کیمپ کی خفیہ تنظیموں پر بھی کتابیں لکھی اور چھاپی ہیں۔ لہٰذا وہ بھی اب اتنے محتاط ہوگئے ہیں کہ ہمیں ان کی مصروفیات کا علم نہیں ہو پاتا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔ لیکن فی الحال پیش نظر مسئلے پر ہی توجہ دو تو بہتر ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر فوریل کو فیلڈ سے ہٹا دیا جائے۔" رابرٹو نے کہا۔

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ اگر اُسے فیلڈ سے ہٹا لیا گیا تو ڈیوڈ کے قتل کا الزام اُسی پر آجائے گا۔ اور یہ کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" وہ بے دلی سے بولا۔

"خیر ختم کرو اس قضیئے کو۔ پروفیسر شکور کے بارے میں کیا رپورٹ ہے۔"

"وہ دینار ہوٹل کے سوٹ نمبر ایک سو تیس میں مقیم ہے۔ پچھلی رات دونوں نے ٹپ ٹاپ کلب میں کھانا کھایا تھا یہ لڑکی میری سمجھ سے باہر ہے۔ باپ اس قدر بزدل ہے اور بیٹی اتنی دلیر۔"

"دونوں پر کڑی نظر رکھو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ ابھی تک یہاں کی پولیس پروفیسر کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔" رابرٹو نے کہا۔

"نہ جانے کیوں مجھے پروفیسر کے معاملے میں کوئی بات غیر فطری سی لگ رہی ہے۔"

"کیا بات۔"

"یہی تو ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکا۔ خیر سنگزاد سے متعلق کیا رپورٹ ہے۔"

"اُسے سائیکو مینشن سے چھاؤنی کے ایک بنگلے میں منتقل کر دیا گیا ہے اور آج اُسے اس کے آفس میں بھی لے جایا گیا تھا۔"

"گڈ۔" وہ چٹکی بجا کر بولی۔ "اب بات بنی ہے۔ کبھی کی بن جاتی اگر تم نے یہ معاملہ ڈیوڈ کے سپرد نہ کیا ہوتا۔"

"خدا کے لئے اب اس کا نام لینا بند کر دو۔ میں خود کو بالکل گھامڑ محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"چلو ختم کرو۔ کوئی اور بات کرو۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"پروفیسر کی بات ہونی چاہئے۔ آخر یہ لڑکی....."

"ایک منٹ۔" کلارا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "راشد پٹھان کیا کر رہا ہے۔"

"بھاگ گیا۔ علاقہ غیر سے اُس کا تعلق تھا۔ یہاں نہیں ہے۔ آخر یہ لڑکی اپنی ان حرکتوں سے ہمیں کیا باور کرانا چاہتی ہے۔"

"یہی کہ وہ ہم سے خائف نہیں ہے۔"

"اس سے فائدہ۔"

"فائدہ ہو یا نہ ہو اس کا باپ تو بے چوں و چرا وہی کر رہا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر رابرٹو بولا۔ "کیوں نہ سنگزاد کا کھیل شروع کر دیا جائے۔"

"ابھی نہیں۔ پہلے آہستہ آہستہ اُس کی یادداشت واپس لائی جائے گی۔ اس کا انحصار چھوٹے کرسٹل کی کارکردگی پر ہے۔"

"کیا واقعی چھوٹے کرسٹل میں کوئی نقص رہ گیا تھا۔"

"ایک آدھ میں۔ لیکن میں نے تو پوز کیا تھا کہ میری جارحانہ صلاحیت کمزور پڑ گئی ہے۔ میرا چھوٹا کرسٹل صحیح طور پر کام کر رہا ہے۔"

"مجھے بھی کرسٹلائزڈ کرا دو۔"

"صرف انہیں کیا جا سکتا ہے جن کے خون کی قسم کرسٹلز سے مطابقت رکھتی ہو۔ ہر ایک پر یہ وبال نہیں آسکتا۔"

"وبال کیوں کہہ رہی ہو۔"

"اس طرح یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تاوقتیکہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لو کہ کرسٹلائیزیشن کیسے ہوتا ہے۔ خیر ختم کرو۔ سب سے خطرناک آدمی عمران کے بارے میں تم نے ابھی تک کوئی رپورٹ نہیں دی۔"

"اُس کا سراغ ہی نہیں مل رہا۔"

"اور یہی سب سے زیادہ مخدوش پہلو ہے۔"

"اُسے شاید علم تھا کہ میرے آدمی اُس کا تعاقب کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کے آدمیوں نے گاڑی کا حادثہ کر کے انہیں تعاقب سے باز رکھا۔ بس اسی وقت سے عمران کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

"میں اس کے سلسلے میں اب انتہائی قدم اٹھانا چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ جب بھی نظر آئے اُسے گولی مار دیں۔"

"پتا نہیں کہاں نظر آئے۔"

"سائیلنسر لگے پستول سے ہر جگہ ممکن ہے۔"

رابرٹو خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔



عمران نے اس کا انتظام کر لیا تھا کہ پولیس پروفیسر شکور کے بارے میں اِدھر اُدھر پوچھ گچھ کرتی پھرے۔ اِدھر اُدھر سے مراد صرف کلب کے مختلف ممبروں سے تھی۔ سر سلطان نے اس کا انتظام بطریق احسن کرا دیا تھا۔ اس سلسلے میں شہباز چوہدری سے بھی پولیس نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شہلا کی باری آئی تو اس نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ سرراہے پروفیسر سے ملاقات ہوئی تھی اور اس نے رائفل کلب کا دعوت نامہ اُس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن پروفیسر نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں مقیم ہے۔

بہر حال عمران تو اب بھی دینار ہوٹل کے سوٹ نمبر ایک سو تیس ہی میں مقیم تھا اور اُب اُس نے شہلا سے بھی ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ عمران جتنا زیادہ ان حالات سے متعلق سوچتا اسی

نتیجے پر پہنچتا کہ شائد قسمت نے خود بخود اس کا رخ کامرانیوں کی طرف موڑ دیا تھا۔ ورنہ کیا ضروری تھا کہ شہلا کو پروفیسر شکور ہی کی سوجھتی۔

وہ ابھی ابھی ناشتے سے فارغ ہوا تھا۔ زیادہ تر روم سروس ہی سے کام چلا رہا تھا۔ ڈائننگ روم میں بیٹھنے سے احتراز کرتا تھا۔ ڈاڑھی کا اسٹائل کسی قدر تبدیل کر دیا تھا۔ اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ڈاڑھی مونچھیں بالکل صاف کر دیتا تو چہرے پر عمران کی جھلکیاں بھی نظر آتیں۔ حالات کے تحت اتنی تبدیلی ناگزیر تھی۔ دراصل وہ پروفیسر کے پرانے شناساؤں سے بچنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے ڈاڑھی کا اسٹائل بدل دینا کافی تھا۔

وہ پھر روم سروس کے ویٹر کو طلب کرنے کے لئے فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ گھنٹی بجی۔

عمران نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا اور دوسری طرف سے کسی غیر ملکی اجنبی کی آواز سنائی دی۔ "پروفیسر شکور۔"

"ہاں، کون ہے؟" عمران نے پروقار لہجے میں پوچھا۔

"تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔ تمہاری پوری ہسٹری سے واقف ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں کا بچہ بچہ میری پوری ہسٹری سے واقف ہے تم اپنا مدعا بیان کرو۔"

"ہوٹل کے فون پر نہیں۔ باہر نکلو سامنے ہی باقی میڈیکل اسٹور ہے۔ وہاں سے تم مجھے کال کر سکتے ہو۔ نمبر تین دو چھ سات آٹھ ہے۔"

"ٹھہرو۔!" عمران نے کہا۔ "میں نمبر نوٹ کروں گا۔ تین دو...."

"چھ سات آٹھ...." دوسری طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ عمران ماؤتھ پیس کو آنکھ مار کر مسکرایا تھا۔ تو یہ خواہ مخواہ کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ کبھی کبھی محض اتفاقات بھی کامیابیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس نے تیزی سے لباس تبدیل کیا۔ اور باقی میڈیکل اسٹور جا پہنچا۔ وہاں پر اجنبی کے بتائے ہوئے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً جواب ملا۔ آواز اسی اجنبی کی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو پروفیسر۔"

"سمجھ دار نہ ہوتا تو تم ایسے چھیڑتے کیوں۔" عمران نے تلخ لہجے میں کہا اور دوسری طرف سے ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"میں سمجھتا ہوں۔ تمہارا موڈ خراب ہو گیا ہے۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ مقامی پولیس تمہاری تلاش میں ہو کوئی اجنبی تمہارے پتے سے واقف ہو۔"

"بہت خوب۔" عمران ہنس کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ کسی بلیک میلر سے میرا سابقہ پڑ گیا ہے۔"

"قطعی نہیں۔ اپنے الفاظ واپس لو پروفیسر....!"

"جب تک تمہاری اصلیت مجھ پر نہ کھل جائے الفاظ واپس نہیں لئے جا سکتے۔"

"اچھا تو سنو! ہمارا پیشہ تمہارے پیشے سے مختلف نہیں ہے۔ کیا یہ غلط ہے کہ افریقی ملکوں کے بائیں بازو کے لیڈر تمہیں استعمال کرتے رہے ہیں۔"

"لفظ استعمال پر مجھے اعتراض ہے۔"

"کیوں پروفیسر۔"

""لفظ استعمال" ایسے حالات سے تعلق رکھتا ہے جن سے اپنا مفاد بھی وابستہ نہ ہو۔"

"الفاظ کے بھی کھلاڑی ہو پروفیسر۔"

"میں زندگی ہی کو کھیل سمجھتا ہوں۔ تم اپنا مدعا بیان کرو۔"

"اگر تم ہماری مدد کرنا پسند کرو تو ہم تمہیں پولیس سے بھی تحفظ دے سکیں گے۔"

"مدد سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"تم یہیں کے باشندے ہو۔ یہاں کے حالات سے پوری طرح باخبر رہتے ہو گے۔"

"دیکھو دوست۔ اگر تم یہاں کوئی ایسی حرکت کر رہے ہو جو اس ملک کے مفاد میں نہیں ہے تو مجھے اپنا دشمن نمبر ایک سمجھو۔"

"ہم اس ملک کی بھلائی چاہتے ہیں۔ لیکن بیوقوفوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی یہ بات۔ اس لئے ہم کسی بہت ذہین اور ڈھنگ کے مقامی آدمی کو اپنا ساتھی بنانا چاہتے ہیں۔"

"اور نظر انتخاب مجھ پر پڑی ہے!" عمران نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"طنزیہ انداز ترک کر کے سنجیدگی اختیار کرو پروفیسر ابھی تمہاری حکومت اپنے طور پر تمہیں تلاش کرا رہی ہے۔ کسی غیر ملکی سفارت کار نے اس کے لئے درخواست نہیں کی۔"

"اچھا تو پھر....؟"

"اگر میں کینیا کے سفیر کو تمہاری یہاں موجودگی سے مطلع کر دوں تو کیسی رہے گی۔"

عمران ہنس پڑا پھر بولا۔ "یہ بلیک میلنگ نہیں تو اور کیا ہے؟"

"تم غلط لفظ استعمال کر رہے ہو پروفیسر اسے سوداکاری کہتے ہیں۔ کیا سمجھے۔"

"بالکل سمجھ گیا۔ مجھے تمہارے ساتھ ملنا ہی پڑے گا۔"

"یہ ہوئی نا بات....!"

"لیکن معاملات کو پوری طرح سمجھے بغیر یہ ناممکن ہے۔"

"وہ بھی سمجھا دیئے جائیں گے۔"

"اُسی وقت میں کوئی فیصلہ بھی کروں گا۔ اچھا بائی بائی میں بہت مصروف آدمی ہوں۔" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ لیکن کچھ غیر مطمئن سا نظر آرہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہیں سے بلیک زیرو کو فون کر کے نامعلوم غیر ملکی کا فون نمبر ٹریس کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن پھر ارادہ ملتوی کر کے ڈرگ اسٹور سے نزلے کی دوا خریدی اور کال کے پیسے ادا کئے فٹ پاتھ پر اُتر آیا۔ دو چار قدم ہی چلا ہو گا کہ اپنے پیچھے ایک پرچھائیں نظر آئی جس کا ہاتھ اس طرح اٹھا ہوا تھا جیسے اُس کی گردن پر کراٹے کا وار کرنے جارہا ہو.... عمران ایک دم پلٹا اور اس سے ٹکرا گیا۔ سینے پر پڑنے والی ٹکر ایسی ہی تھی کہ مقابل اُچھل کر دور جا پڑا۔ لیکن شائد وہ تنہا نہیں تھا۔ ورنہ دو آدمی اور کیوں ٹوٹ پڑتے عمران پر.... عمران ان کی گرفت سے چکنی مچھلی کی طرح پھسل گیا۔ یہ کوئی ویران علاقہ نہیں تھا کہ حملہ آور بات بڑھانے کی کوشش کرتے۔ عمران کی ڈاڑھی کے احترام میں لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ اور عمران نے حملہ آوروں کو ایک پرانے موڈل کی شیورلٹ میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا۔ یہ تینوں دیسی ہی تھے۔

"کیا ہوا جناب.... کیا بات تھی" کسی نے عمران سے پوچھا۔

"جیب کاٹنے کی کوشش کی تھی بدبخت نے۔" عمران خواہ مخواہ ہانپتا ہوا بولا۔ حالانکہ اُس کا دم ایک فیصد بھی نہیں اُکھڑا تھا۔

"ارے.... وہ گاڑی میں تھے۔" کسی نے کہا۔

"میں نے نہیں دیکھا۔" عمران نے بدستور ہانپتے ہوئے کہا۔ "پردیسی ہوں مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس شہر میں دن دہاڑے رہزنی ہوتی ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا اور عمران لنگڑاتا ہوا ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ وہ آخر کون تھے اور کیا چاہتے

تھے۔ کیا اس کا اغواء۔ اس کے علاوہ اور کچھ سوچا ہی نہیں جاسکتا وہ جو کوئی بھی ہو۔ اُس کے لئے کام کرنے والے سارے مقامی آدمی اناڑی ہی معلوم ہوتے ہیں۔ عمران سوچتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ کاؤنٹر پر آیا تو کلرک نے اُسے کنجی دی۔

"ہوں۔ اچھا۔! شکریہ" اس نے کہا کنجی لئے ہوئے اپنے سوٹ کے پاس دروازے پر پہنچا لیکن قفل کھولتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ نشست کے کمرے میں ایسی ہی ابتری نظر آئی تھی۔ پھر خواب گاہ میں پہنچا وہاں کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔ سوٹ کیس کھلا پڑا تھا اور اس کی ساری اشیاء بستر پر بکھری ہوئی تھیں ان میں وہ جعلی کاغذات بھی تھے جو بلیک زیرو نے اس کے لئے فراہم کئے تھے۔ اُسے محض اس لئے کمرے سے ہٹایا گیا تھا کہ تلاشی لی جاسکے۔ اور وہ حملہ آور اغوا کنندگان نہیں بلکہ اُسے مزید کچھ دیر باہر روکے رکھنے کے لئے تھے۔

اس نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور ایک پیس منہ میں ڈال کر آہستہ آہستہ کچلنے لگا۔

اس کے بعد وہ اُس انتشار کو دوبارہ مرتب کرنے میں لگ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔.. وہی ہو گا۔ اُس نے سوچا اور اس کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔

ریسیور اٹھا کر کال ریسیو کی۔

"ہیلو پروفیسر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"شٹ اپ یو باسٹرڈ....!" کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس بار چھت کو آنکھ مار کر مسکرایا تھا۔

"نہیں دوست۔" دفعتاً مینٹل پیس کی طرف سے آئی۔ "ہماری دوستی اتنی ہی سی دیر میں خاصی پختہ ہو چکی ہے۔ یہ ٹرانسمیٹر تحفتاً قبول کرو۔ خود کار ہے اور وسیع دائرہ عمل رکھتا ہے۔"

عمران اپنی کھوپڑی سہلا کر رہ گیا۔ آواز پھر آئی۔ "اس ٹرانسمیٹر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پیغامات صرف اسی ساخت کے دوسرے ٹرانسمیٹر پر سنے جاسکتے ہیں۔"

"لیکن یہ سب کیوں؟" عمران نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"سمجھ میں نہیں آیا مینٹل پیس کے قریب آجاؤ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ٹرانسمیٹر ٹائم پیس کے عقب میں رکھا ہوا ہے۔ بہت مختصر سا اور بے حد طاقت ور ہے۔ جو ایٹمی بیٹری سے چلتا ہے اس میں فی الحال جو سیل رکھا ہوا ہے کم از کم ایک سال کے لئے کافی ہو گا۔"

عمران مینٹل پیس کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن ٹائم پیس کو اُس کی جگہ سے نہیں ہٹایا۔

"ہاں میں مینٹل پیس کے قریب موجود ہوں۔"

"میری دوستی کا ہاتھ قبول کیا یا نہیں۔"

"لیکن کیوں تم خواہ مخواہ میرے معاملات میں مداخلت کر بیٹھے۔ آخر مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"آہستہ آہستہ میرے دوست! ہو سکتا ہے کہ میں تم سے جگری یا میک اپ کا فن سیکھنا چاہتا ہوں۔ تم اب تک محض اسی لئے بچے ہوئے ہو کہ میک اپ کے ماہر بھی ہو۔ ورنہ افریقہ سے نہ نکل سکتے۔"

"اچھا بس.....!" عمران تھکی تھکی سی آواز میں بولا۔ "میں اَب آرام کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری وجہ سے بہت تھک گیا ہوں۔"

"تم نے جس انداز میں اُن بدمعاشوں کو شکست دی تھی اُس سے بھی میں متاثر ہوا ہوں۔ اچھا تو تم آرام کرو..... اوور اینڈ آل۔"

عمران نے طویل سانس لی اور آرام کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ٹائم پیس کے پیچھے سے خود کار ٹرانسمیٹر بھی اٹھا لیا تھا جو جسامت کے اعتبار سے ماچس کی ڈبیہ سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ وہ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ ہر وقت آن رہنے والا یہ ٹرانسمیٹر اُس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا یعنی اُسے پاس رکھ کر وہ گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور اونگھنے لگا۔ دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کہو یہ کھلونا پسند آیا۔"

"یار مت بیوقوف بناؤ....." عمران نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "اگر میں اس نامعقول چیز کو اپنے پاس ہر وقت رکھوں تو دوسروں سے ہونے والی نجی گفتگو بھی تم تک پہنچ جائے گی۔ اُوور۔"

دوسری طرف سے ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا اور پھر کہا گیا۔ "یہ بات تو ہے لیکن تم اسے ہر وقت اپنے پاس رکھو ہی کیوں۔ اُوور.....!"

"نہیں میں اسے ہر وقت اپنے پاس رکھوں گا۔ شائد تمہیں نہ معلوم ہو کہ الیکٹرک انجینئرنگ میں بھی دخل رکھتا ہوں۔ ایک چھوٹا سا "آئی سی ڈسٹربنگ سرکٹ" بناؤں گا اور اس سے اٹیچ کر دوں گا۔ قصہ ختم۔ جب تم سے گفتگو کرنی ہوئی ڈسٹربنگ سرکٹ ہٹا دیا۔"

"پروفیسر واقعی بہت گہرے ہو۔ لیکن ابھی تک غلط ہاتھوں میں پڑ کر رسوا ہوتے رہے ہو۔ اب دیکھنا کہ ہمارے ساتھ تمہاری زندگی کتنی شاندار گزرتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہم تمہیں ساری دنیا میں تحفظ بھی دے سکتے ہیں۔ اُوور.....!"

"افریقہ میں بھی۔" عمران نے چہک کر پوچھا۔

"ہاں نہ صرف افریقہ میں عام طور پر بلکہ کینیا میں بھی خصوصیت سے جہاں سے ابھی حال ہی میں فرار ہوئے ہو۔ پروفیسر ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"تب تو بصد خلوص میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ دوستی کے لئے بڑھاتا ہوں۔ کینیا میں میری کروڑوں کی پوشیدہ دولت موجود ہے۔"

"جب بھی کہو گے اُسے سمگل آؤٹ کرا دیں گے۔"

"تب پھر تم مجھے آج سے بالکل اپنا آدمی سمجھو.....!"

"شکریہ..... پروفیسر.....!"

"اُوور اینڈ آل۔" کہہ کر عمران ٹرانسمیٹر سے بہت دور چلا گیا۔ یعنی خواب گاہ میں..... جہاں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔



دفتر پہنچتے ہی سنگراد میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ اور یہ تبدیلیاں اُس کی گم گشتہ یادداشت سے متعلق تھیں..... لیکن عمران کے مشورے کے مطابق اُس کے دفتر کے مختلف حصوں میں کلوز ڈسرکٹ ٹیلی وژن کیمرے چھپا دیئے گئے تھے اور آپریشن روم میں اُس کی ساری نقل حرکت ٹی وی سیٹ پر دیکھی جا سکتی تھی۔ لیکن ابھی تک اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی جو قابل گرفت ہوتی۔ یادداشت آہستہ آہستہ واپس آ رہی تھی۔ پھر اسے اپنے بیوی بچے بھی یاد آ گئے جو اس کی گمشدگی کے بعد سے کسی دوسرے شہر میں مقیم تھے۔

کرنل فیضی اُس سے متعلق عمران سے مشورہ کرتا رہتا تھا۔ اُس نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ کرنل شہزاد یا سنگراد سے اس کے افریقہ سے اچانک غائب ہو جانے کے بارے میں پوچھ گچھ

کرے یا نہ کرے۔ عمران نے فی الحال اس سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

عمران کا یہ عمل دخل ڈائریکٹر جنرل صاحب کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ لیکن انہوں نے مداخلت نہیں کی البتہ اُن کی خواہش تھی کہ سنگزاد کے مسئلے کو جلد از جلد حل کیا جائے۔ آخر مجرم اُسے اُس کے آفس میں بھجوانے پر کیوں مصر تھے؟

"رات کی ڈیوٹی جناب۔" کرنل فیضی نے کہا۔

"حسبِ معمول رات کی ڈیوٹی میں کرنل شہزاد کی جگہ کام کرنے والا یہاں تنہا ہوتا تھا۔"

"یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہم کرنل شہزاد کو رات کی ڈیوٹی بھی کرنے دیں۔"

"بہر حال میرا یہی خیال ہے کہ وہ اس ڈائریکٹوریٹ کی کسی اہم دستاویز پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ ان کا احمقانہ خیال ہے۔" ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔

"لیکن اگر کرنل شہزاد کو رات میں یہاں رکنے کا موقع مل جائے تو وہ خود ہی سیکوریٹی انچارج بھی ہوگا۔ جو اس کا دل چاہے گا کر گزرے گا اور سیکیوریٹی فورس کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔"

"تم غالباً یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس کے لئے کوئی ایسا موقع فراہم کیا جائے۔"

"جی ہاں۔ میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا۔ ریکارڈ روم سے اصل کاغذات ہٹا دیئے جائیں گے۔ ان کی جگہ غیر اہم فائلیں رکھ دی جائیں۔"

"اور ہم اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیں گے۔"

"جی ہاں اور کیا؟"

دفعتاً ڈائریکٹر جنرل نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "لیکن اسے پکڑے گا کون؟"

"جی..... یعنی کہ.....!" کرنل فیضی تھوک نگل کر رہ گیا۔

"جو بھی ہاتھ لگائے گا اُسے کاغذ کی طرح چیر کر پھینک دے گا۔ عمران ہی کے بیان کے مطابق ان لوگوں پر گولیاں بھی اثر نہیں کرتیں۔ دروازے توڑتا اور دیواریں گراتا چلا جائے گا۔ پھر یہ ڈائریکٹوریٹ ہنسی کا گول گپا بن جائے گا۔ میں اس کے حق میں نہیں تھا کہ اس کو آفس میں بیٹھنے دیا جائے۔ لیکن تم اس دیوانے کی باتوں میں آگئے۔ وہ شخص مجھے قطعاً پسند نہیں ہے۔"

کرنل فیضی کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے، اور وہ بار بار پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"کیا خود کرنل شہزاد نے رات کی ڈیوٹی کے بارے میں پوچھا تھا۔" ڈی جی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"جی ہاں.....!"

"اور تم نے کہہ دیا ہوگا کہ جب ضرورت ہوگی اسے رات کی ڈیوٹی بھی کرنی ہوگی۔"

"اور وہ خاصا ہشاش بشاش نظر آنے لگا ہوگا۔"

"جی ہاں۔ اب آپ کے استفسار پر یاد آیا کہ وہ کسی جذباتی تغیر سے ضرور گذرا تھا۔"

"میں کہتا ہوں کہ اُسے پھر سائیکو مینشن بھجوا دو۔"

دفعتاً ایک زور دار آواز ہوئی اور ڈی جی کے آفس کا دروازہ چوکھٹ سمیت اُکھڑ کر کمرے کے وسط میں آپڑا۔ وہ پہلے اچھل کر دور ہٹ گئے تھے۔ کرنل فیضی تو شائد کام ہی آجاتا۔

سنگزاد کمرے میں داخل ہو کر دہاڑا۔ "میرے خلاف سازش ہو رہی ہے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" کرنل فیضی بولا۔ "یہ ڈی جی صاحب کا کمرہ ہے۔"

"میں دیکھ رہا ہوں۔ اور تم دونوں کی گفتگو اپنے کمرے میں بیٹھ کر سن رہا تھا۔ میں سپر مین ہوں۔ کیا سمجھے۔ مجھے گرین فائل تھرٹین چاہئے۔ سنا تم نے.....!"

"ایک منٹ کرنل شہزاد۔" ڈی جی نے ہاتھ اٹھا کر نہایت نرم لہجے میں کہا۔ "آخر یہاں ہونے والی گفتگو تم تک کیسے پہنچی۔"

"میں سپر مین ہوں جنرل۔ جب چاہوں اپنے حواس خمسہ کو اتنی قوت دے سکتا ہوں کہ وہ.....!"

اچانک ڈی جی نے پستول نکال کر سنگزاد کی آنکھ پر فائر کر دیا۔ بڑی خوفناک دہاڑ اس کے حلق سے نکلی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے ضائع ہو جانے والی آنکھ دبائے فرش کی جانب جھکتا چلا گیا۔ پھر جنرل بڑی پھرتی سے اُس کے عقب میں پہنچا اور پے در پے کئی گولیاں اس کے مبرز میں اتار دیں۔ اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ارنا بھینسا مرتے وقت ڈکرا رہا ہو۔ پوری عمارت میں کھل بلی پڑ گئی دروازہ تو نکل ہی چکا تھا۔ دفتر کے سامنے بھیڑ اکٹھا ہونے لگی۔

دفعتاً جنرل دروازے کی طرف مڑ کر دہاڑا۔ "اپنی جگہوں پر واپس جاؤ۔" اور راہداری میں پھر سناٹا چھا گیا۔ ادھر سنگزاد ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"ج..... جناب!" کرنل فیضی ہکلایا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"کیا نہیں سوچ سکتے تھے۔" جنرل مسکرا کر بولا۔ "میں اس محکمے کا سربراہ ہوں اور یہ سربراہی مجھے تحفتاً نہیں ملی تھی۔"



عمران کو سنگزاد کی موت کی اطلاع ملی تو چکرا کر رہ گیا۔ واقعی ڈی جی نے بڑی عجلت میں اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا۔ یقیناً اونچا آدمی لگتا ہے۔ عمران سوچتا اور خواہ مخواہ خوش ہوتا رہا۔

وہ اب بھی دینار ہوٹل کے اُسی کمرے میں بحیثیت پروفیسر شکور مقیم تھا اور آئی ایس آئی والے اُسے سارے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

عمران نے پروفیسر کا میک اپ اُتار کر دوسرا میک اپ کیا اور ہوٹل سے نکل آیا۔ سب سے پہلے اس نے ڈرگ اسٹور سے سر سلطان کو فون کیا تھا۔ وہ آفس میں تھے اور بہت جھلائے ہوئے تھے۔

"دفتر سے فوراً گھر پہنچئے میں وہیں آرہا ہوں۔" عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ اور انہیں مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر نصف گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ سر سلطان کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ بہر حال وہ اُسے اس وقت تک نہیں پہچان سکے تھے جب تک اس کی اصل آواز نہیں سن لی تھی۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔" انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"میں وہی کر رہا ہوں جو کرنا چاہئے۔ بالآخر سنگزاد ایکسپوز ہو گیا ساتھ وہ لوگ بھی جو اس کی پشت پر تھے۔ وہ کچھ کاغذات ڈائرکٹوریٹ سے اڑا لے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ لوگ ملٹری میں بھی کس طرح گھسے ملے ہوئے ہیں۔ کلارا ڈکسن کو کہیں لے جانے کے لئے آرمی کا ہیلی کوپٹر استعمال کیا گیا تھا واپسی پر انجینئر پائیلٹ کسی زہر کے تحت مر گیا تھا۔"

"تو پھر یہ لوگ تم پر کیوں اُدھار کھا رہے ہیں؟"

"ان کی مرضی....!"

"ایک بار پھر تمہارا فلیٹ ملٹری والوں کے گھیرے میں آگیا ہے۔"

"ان لوگوں کا بہت بہت شکریہ میرے ملازمین سکھ کی نیند سوئیں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم اب ان سے ملنے سے کیوں کترا رہے ہو۔ جبکہ تمہارے ہی مشورے پر

نہوں نے سنگزاد کا کھل کر نوٹس لیا تھا۔"

"میں نے بُرا تو نہیں کیا تھا۔ کیا انہیں حتمی طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ مجرموں کے کیا ادے ہیں۔ وہ ڈائریکٹوریٹ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ وہ بعض اہم دستاویزات حاصل کرنا اچتے ہیں۔"

"لیکن وہ اتنے احمق تو نہیں تھے کہ سنگزاد کو کچھ کر گزارنے کا موقع دیتے۔"

"لیکن جنرل نے اُسے جس تدبیر سے مارا ہے، اس کا جواب نہیں۔ آخر کو ایک بڑے ارے کا سربراہ ٹھہرا۔ اس کے علاوہ ان پتھروں کو مارنے کی اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔" ران نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "پتہ نہیں وہ لوگ پریس کو کس قسم کی پورٹ دیں گے سنگزاد سے متعلق۔"

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔ وہ کیا کر رہے ہیں تمہیں ان سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"بہت مناسب مشورہ ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن آپ انہیں مشورہ دیجئے کہ سنگز لاش کی حفاظت کریں۔ کیونکہ لاش کے پوسٹ مارٹم ہی سے اس کے غیر معمولی ہونے کا راز شاء ہو سکے گا۔ اور مجرم یہی کبھی نہ چاہیں گے۔"

"تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ لاش کو ان کی تحویل میں نہ رہنے دیں گے۔"

"جی ہاں۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ خود ہمارے درمیان کالی بھیڑیں موجود ہیں نہیں ہم پہچان نہیں سکتے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں انہیں مشورہ دوں گا۔ لیکن پروفیسر شکور کا کیا قصہ ہے!"

مختصراً اس نے پروفیسر شکور والی کہانی دہرائی تھی۔ سر سلطان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے ہنے کے بعد بولے۔ "آخر شہباز چوہدری کو تم نے کیوں چھوٹ دے رکھی ہے۔"

"مصلحتاً۔ اگر چھوٹ نہ دیتا تو پروفیسر شکور جیسا کردار کیسے ہاتھ لگتا۔ حالانکہ یہ بھی محض اق ہے۔ اور پھر شہباز چوہدری کو چھیڑ کر ہم کریں گے بھی کیا۔ وہ ان لوگوں کی نشاندہی نہیں سکتا۔ البتہ اس سے یہ ضرور ہو گا۔ مجرم مزید ہوشیار ہو جائیں گے اور یہی میں نہیں چاہتا۔"

"لیکن آئی ایس آئی....!"

"پلیز سر!" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ بھی اپنے شعبے کے سربراہ ہیں اور آپ کا عہدہ

ڈائریکٹر جنرل سے بڑا ہے۔ آپ نہایت اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے مجھے کسی اشد ضرورت کے تحت ٹمبکٹو بھیج دیا ہے۔"

"جھوٹ بلواؤ گے۔"

"میں آپ کو ٹمبکٹو جا کر دکھادوں گا۔"

"بکواس مت کرو، ویسے میں تمہیں بتادوں کہ مجھے اس کیس سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ آئی ایس آئی والے جانیں۔"

"لیکن مجھے تو ہے دلچسپی کیونکہ میں انہی کاموں کے لئے قوم کا نمک خوار ہوں۔ میں کہیں بھی کوئی گڑبڑ دیکھتا ہوں تو اس کا منتظر نہیں رہتا کہ محکمے کی طرف سے اجازت ملے تو کچھ کروں۔"

"اور تمہاری اسی عادت سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

"جو کچھ بھی کرتا ہوں اپنی ذمہ داری پر اور بتا دیجئے کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہو کہ آپ کے محکمے کی آخر سرخروئی نہ ہوئی ہو۔"

"اچھا اب جاؤ۔" سر سلطان ہاتھ ہلا کر بولے۔ "میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اب آفس واپس نہ جاؤں گا۔"

"اب یہاں بھی دیکھ لیجئے کہ میں ہی آڑے آیا ہوں۔ ورنہ آپ مزید تھکتے رہتے اور وقت پورا کئے بغیر اپنی کرسی سے ہلتے بھی نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ آپ کرسی کے پکے ہیں۔"

"پھر بکواس کئے جارہے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ جاؤ۔"

"بس آخری بات کہ پروفیسر شکور کا اسی طرح خیال رکھئے گا۔ یہ کیس بھی آپ ہی کے محکمے سے متعلق ہے۔" عمران نے کہا اور واپسی کے لئے اٹھ گیا۔

سر سلطان کی آنکھوں سے ظاہر ہونے والی بے چینی یکلخت معدوم ہوگئی۔

وہ یہاں تک ٹیکسی سے آیا تھا اور اب واپسی پیدل ہورہی تھی۔ ایک آدھ ٹیکسی دکھائی بھی دی لیکن اس نے اُسے رکوایا نہیں۔

دراصل وہ فون پر بلیک زیرو سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ اُسے علم تھا کہ قریب ہی ایک ا کیفے ہے جہاں پبلک ٹیلی فون بوتھ بھی ہے۔"

کیفے میں داخل ہو کر سیدھا بوتھ کی طرف چلا گیا۔ اس وقت اس کا میک اَپ غیر معمو

نہیں تھا۔ اس لئے کہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

بلیک زیرو سے رابطہ قائم ہونے پر بولا۔ "ہیلی کوپٹر والے معاملے کی رپورٹ دو۔"

"مجھے تو جناب صرف فلائٹ انجینئرز ملوث معلوم ہوتے ہیں۔ ہر تربیتی پرواز پر ایک انجینئر موجود ہوتا ہے۔ آزمائشی پروازوں میں صرف انجینئر ہوتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ بھی ہوتا ہے آزمائشی پروازوں کے دوران میں ہوتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ کیا تمہیں کسی پر شبہ بھی ہوا ہے۔"

"جی ہاں، تین ہیں۔ یہ تینوں زیادہ تر ساتھ رہتے ہیں۔ بے حد خوش اور مگن نظر آتے ہیں۔ میری دانست میں آپ اُن تینوں کے نام ضرور نوٹ کرلیجئے۔"

"ہاں، اچھا بولو۔" عمران نے دائیں ہاتھ سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

"لکھئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "رشید امجد۔ عادل پرویز۔ عاشق علی یہ تین ہیں۔"

"کوئی اور وجہ صرف انہی پر شبہ کرنے کی۔"

"کبھی کبھی یہ تینوں کسی آزمائشی پرواز پر جانے والے ہیلی کوپٹر میں بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ ایک ہیلی کوپٹر پر دو انجینئر بھی نہیں دیکھے جاتے۔"

"خیر انہیں چیک کرلیا جائے گا۔"

کیفے سے نکل کر عمران نے ٹیکسی لی اور اپنے محکمے کے ایک اور مہمان خانے کیطرف روانہ ہوگیا۔

یہاں پہنچ کر اس نے فون پر جولیانا فٹنر واٹر کے نمبر ڈائیل کئے اور ایکس ٹو کی آواز میں بولا۔ "صفدر کا کیا حال ہے۔"

"زخم مندمل ہورہا ہے جناب! خون دیا گیا ہے۔ حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔"

جب بھی اسے ہسپتال سے چھٹی ملے اُسے اُس کے بنگلے پر لے جانے کی بجائے ہوسٹیج میں پہنچادیا جائے۔

"بہت بہتر جناب۔"

عمران نے رابطہ منقطع کردیا۔

اس کے بعد اس نے جیگوار کا عطا کردہ ٹرانسمیٹر نکالا اور اُس سے وہ ڈیوائیس الگ کردی جسے ٹرانسمیٹر کو ناکارہ کردینے کے لئے استعمال کرتا تھا۔

اس نے جیگوار کو کال کرنا شروع کیا اور تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے جیگوار کی آواز آئی۔ "ہیلو پروفیسر۔"

"کیا خبریں ہیں۔"

"تم نے آج کے اخبارات میں سنگزاد کی موت کے بارے میں پڑھا ہوگا اُوور۔"

"پڑھا تھا۔"

"وہ خود بخود نہیں مرا بلکہ اُسے مارا گیا ہے۔"

"لیکن اخبارات میں طبعی موت کی بات کی گئی ہے۔"

"قطعی غلط کیونکہ اُس کا کنٹرول تو ہمارے ہاتھ میں تھا۔ اگر طبعی موت مرتا تو ہمیں اطلاع ہو جاتی۔"

"تو پھر.... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"ہمیں اس کی لاش چاہئے۔"

"اس کا تو شائد پوسٹ مارٹم بھی ہو چکا ہو۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ پتھر کو کیسے چیریں پھاڑیں گے۔ بہرحال اگر تم کسی طرح اس کی لاش حاصل کر کے ہم تک پہنچا سکو تو اُس کی قیمت ہم تمہیں مبلغ بیس ہزار ڈالر ادا کریں گے۔ یعنی تمہاری کرنسی میں دو لاکھ روپے۔"

"مگر کس طرح.... تم جانتے ہو کہ حکومت میرے سلسلے میں چوکنی ہو گئی ہے۔"

"ہوگئی ہوگی۔ تم اس قسم کے کارنامے انجام دیتے رہتے ہو۔ فرعون کی بیٹی کا تابوت یاد ہے جو تم نے سر رابرٹ کلاہان کے لئے اڑایا تھا۔"

"اف فوہ۔ اتنی معلومات رکھتے ہو مجھ سے متعلق۔"

"تمہارے بارے میں ہم کیا نہیں جانتے۔ کاش شروع ہی سے ہمارے ساتھ ہوتے۔"

"دیکھنا ہے کہ اب اس ساتھ سے مجھے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔"

"بیس ہزار ڈالر...."

"اگر لاش تمہیں نہ ملی تو؟"

"وہ چیز خواہ مخواہ ضائع ہو جائے گی جس نے اسے پتھر کا بنایا تھا۔"

"کیا وہ اس کے مرنے سے ضائع نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ لیکن اگر انہوں نے اُسے نکالنے کی کوشش کی تو ضرور ضائع ہو جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں تین گھنٹے بعد تمہیں جواب دوں گا۔"

"اور وہ ہمارے ہی حق میں ہوگا۔"

"حالات پر منحصر ہے۔ اُوور اینڈ آل۔" کہہ کر عمران نے ڈسٹیر بنگ سرکٹ اس سے اٹیچ کر دیا۔ مسئلہ ٹیڑھا تھا کیونکہ لاش آئی۔ ایس۔ آئی والوں کے قبضے میں تھی۔ ویسے عمران اُن کے اس رویئے سے مطمئن تھا کہ انہوں نے اس کی موت طبعی ظاہر کی تھی۔ اگر پریس کو صحیح بیان دینا مقصود ہوتا تو ایسا کبھی نہ کرتے۔ عمران یہی چاہتا تھا لیکن لاش کا مسئلہ۔ شائد اس طرح وہ مجرموں کے ٹھکانے تک پہنچ جائے۔ اس نے فون پر سر سلطان کے نمبر ڈائیل کئے معلوم ہوا کہ سو رہے ہیں۔ عمران نے چھیڑنا مناسب نہ سمجھ کر رابطہ منقطع کیا اور پھر بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ "سنگزاد کے متعلق تم نے ابھی تک رپورٹ نہیں دی۔"

"صرف ایک بات کا انتظار تھا۔ کیپٹن خاور نے ابھی تک اپنی رپورٹ نہیں دی۔ اُسے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا مضمون معلوم کرنے پر لگایا گیا تھا۔"

"کیا پوسٹ مارٹم ہوا ہے۔"

"خاور کی رپورٹ ہی سے معلوم ہوگا۔"

"لاش کہاں ہے۔"

"تابوت ڈائریکٹوریٹ کے تہہ خانہ نمبر چھ میں رکھا ہوا ہے۔"

"پریس کو کوئی مزید بیان دیا گیا۔"

"جی نہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ سنگزاد طبعی موت مرا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ خاور کی رپورٹ ملنے پر مجھے مطلع کرنا۔" عمران نے کہا اور محکمے کے اُس مہمان خانے کا پتہ بتانے لگا جس سے فون کیا تھا۔

ریسیور رکھ کر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ میز پر ٹرانسمیٹر رکھ دیا اور ڈسٹر بنگ سرکٹ اس سے الگ کر کے اونگھنے لگا۔

دفعتاً آواز آئی۔ "ہیلو پروفیسر جیگوار کالنگ.... ہیلو پروفیسر۔"

"ہیلو.... اٹ از شکور۔"

"تم نے ڈسٹر بنگ ڈیوائس کیوں الگ کر دی۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"لاش کے متعلق ابتدائی رپورٹ۔ وہ ڈائریکٹوریٹ کے تہہ خانے میں رکھی ہوئی ہے۔"

"اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں اور یہ خبر سکنڈ ہینڈ ہو چکی ہے وہ اُسے وہاں سے منتقل کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن تم اُسے وہاں سے نکلوا نہیں سکتے۔"

"یہ ہمارے لئے مشکل ہے۔"

"تب پھر بتاؤ کہ مجھ جیسا تنہا اور بے بس آدمی کیا کر سکے گا۔"

"تم نہ اب تنہا ہو اور نہ بے بس۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم تھوڑی سی تکلیف کرو تو ہم خود تمہیں بتائیں گے کہ تم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہو۔"

"تھوڑی کیا بہتیری تکلیف برداشت کر سکتا ہوں.... تم تدبیر بتاؤ۔"

"تم شائد ہوٹل میں نہیں ہو اس وقت۔"

"ہاں میں دوسری جگہ ہوں۔"

"تدبیر تمہارے ہوٹل والے کمرے میں موجود ہے.... اوور اینڈ آل۔"

عمران اسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا تھا۔ شنوائی نہیں ہوئی تھی۔ آخر اس نے بھی ٹرانسمیٹر کو ناکارہ کر کے جیب میں ڈال لیا۔ روانگی سے پہلے اس نے بلیک زیرو کو اطلاع دی تھی کہ کب وہ ہوٹل دینار میں ملے گا۔

ہوٹل پہنچ کر جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا... وسطی میز پر ایک لفافہ پڑا ملا۔ جس پر برائے پروفیسر شکور تحریر تھا۔

لفافہ کھولا اُس میں سے ایک تصویر اور ایک خط برآمد ہوا۔ تصویر کسی کرنل کی تھی جو پوری وردی میں تھا اور چہرہ بھی ڈاڑھی دار ہی تھا۔

خط میں جیگوار کی طرف سے تحریر کیا گیا تھا کہ اُسے اُسی کرنل کے میک اپ میں ایرو کلب پہنچنا ہے۔ خواب گاہ میں پائے جانے والے کسی سوٹ کیس میں کرنل کی وردی میں مع نشانات موجود تھی۔ عمران نے بقیہ تحریر جہاں تہاں چھوڑی اور سیدھا خواب گاہ میں آیا۔ بستر پر ایک بریف کیس دکھائی دیا جو اس کا نہیں تھا۔ بریف کیس میں بلاشبہ کرنل کی وردی موجود تھی۔ اس

نے اُسے وہیں چھوڑا اور پھر سٹنگ روم میں واپس آ گیا۔ خط اٹھایا۔ آگے کی تحریر تھی۔ "وہ سنگزاد کی لاش کو شمالی پہاڑوں میں تجربہ گاہ میں منتقل کر رہے ہیں۔ یہی موقع ہے کہ تم مداخلت کرو۔ یہ کرنل جس کی تصویر تم دیکھ رہے ہو لاش کو وہاں لے جائے گا۔ تم ایرو کلب پہنچو گے تو تمہیں وہاں ایک ہیلی کوپٹر اپنے لئے تیار ملے گا۔ وہ تمہیں آرمی کے ہیلی پیڈ پر پہنچا دے گا۔ تم مطمئن رہو۔ کرنل مذکور اس وقت میری قید میں ہے۔ بھانڈہ پھوٹنے کا خدشہ نہیں ہے۔ آرمی کے ہیلی پیڈ میں لاش رکھی ہوئی ملے گی۔ شمالی تجربہ گاہ کی جانب اُڑان کے دوران میں صرف ایک پائلٹ ہوگا اور تم ہو گے۔ اَب اس خط سے منسلکہ نقشے کو دیکھو۔ تمہیں ریڈ پوائنٹ پر پہنچتے ہی نقشہ پائیلٹ کو دینا ہوگا۔ اور اُسے ریوالور کی زد پر رکھ کر مجبور کرنا پڑے گا کہ اَب پرواز اس نقشے کے مطابق ہوگی اور بالآخر تم لاش سمیت مجھ تک پہنچ جاؤ گے۔ تمہارے اور کرنل مذکور کے چہرے کی بناوٹ میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے بس تھوڑی سی تبدیلی کرنی پڑے گی امید ہے کہ بات پوری طرح تمہاری سمجھ میں آ گئی ہوگی۔"

عمران نے طویل سانس لی اور اس نقشے کو بغور دیکھنے لگا جو خط سے منسلک تھا۔ اَب یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا لیکن آئی۔ ایس۔ آئی والوں نے اس حال میں دھر لیا تو کیا ہوگا۔ وہ کس طرح جواب دہی کرے گا کہ اصل کرنل کہاں ہے۔ پھر اُسے پوری طرح کھل جانا پڑے گا اور یہ اُس سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔

تن بہ تقدیر ہو کر دوسرا میک اپ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف بلیک زیرو تھا اور خاور کی رپورٹ کا بقیہ حصہ اُسے سنا رہا تھا۔ خاور کے بیان کے مطابق سنگزاد کی لاش کو یہاں سے کسی تجربہ گاہ میں منتقل کیا جا رہا ہے جو شمالی پہاڑوں کے درمیان کہیں واقع ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم مجھ سے خود رابطہ قائم کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میں خود ہی ضرورت پڑنے پر تمہیں کال کر لوں گا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اور پھر روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

آدھے گھنٹے کے بعد آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ واقعی ایک پُروقار کرنل لگ رہا تھا لیکن اس خیال سے سٹی گم تھی کہ کہیں اپنوں ہی کے ہاتھوں بے عزتی نہ ہو جائے۔ بہر حال ایرو کلب تک

پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ہیلی پیڈ پر شہری ہوا بازی کا ایک ہیلی کوپٹر موجود تھا۔ پائلٹ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "کرنل مکرم پلیز.....!"

"یس اٹ از کرنل مکرم۔"

"دس وے سر....." پائلٹ ہیلی کوپٹر کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

پھر پانچ منٹ کے اندر ہی اندر ہیلی کوپٹر پرواز کر گیا تھا۔

آرمی کے ہیلی پیڈ پر متعدد ہیلی کوپٹر نظر آئے۔ وہ شہری ہوا بازی کے ہیلی کوپٹر سے اتر گئے۔ پھر وہاں آرمی کے ایک پائلٹ نے آگے بڑھ کر اُسے سیلوٹ کیا اور پوچھا "کرنل مکرم سر"

"دس وے سر.....!" اُس نے ایک بڑے ہیلی کوپٹر کی طرف اُس کی رہنمائی کی اور بولا۔ "میرا نام رشید امجد ہے جناب۔"

عمران نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ رشید امجد کہاں سنا تھا یہ نام.... سنا ضرور تھا۔ پھر اُسے یاد آگیا۔ بلیک زیرو نے تین مشتبہ پائلٹ انجینئروں کے نام بتائے تھے اُنہی میں سے ایک یہ بھی تھا۔ تو کیا اس کے لئے بھی ریوالور نکالنا پڑے گا۔

ہیلی کوپٹر اوپر اٹھ رہا تھا۔ لاش پچھلے حصے میں تھی اور یہ دونوں کاک پٹ میں تھے۔ عمران سوچنے لگا آخر وہ ریڈ پوائنٹ کہاں آئے گا۔ اُس کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا اور نہ وہ نقشہ ہی پلے پڑا تھا۔

پندرہ بیس میل کی پرواز کے بعد عجیب سی آواز کاک پٹ میں گونجی اور سرخ رنگ کا ایک بلب جلدی جلدی جلنے بجھنے لگا۔ اوہ تو یہ ہے ریڈ پوائنٹ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور اُس کا رخ پائلٹ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم اس نقشے کے مطابق چلو گے۔" نقشہ اُس نے اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"رکھئے۔ بعد میں دیکھ لوں گا۔" پائلٹ مسکرا کر بولا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں۔" عمران نے ریوالور کو جنبش دی۔

"جیگوار کا بہت بہت شکریہ۔" پائلٹ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں کرنل.....!"

"اوہ....." عمران ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"جیگوار نے میرے اطمینان کے لئے آپ کو یہ ہدایات دی ہوں گی۔ اُس نے کہا تھا کہ کرنل مکرم بھی اپنے ہی آدمی ہیں۔ لیکن مجھے یقین نہیں آیا تھا۔"

"تب تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" کہتے ہوئے عمران نے ریوالور ہولسٹر میں رکھ لیا اور پائلٹ نے کہا۔ "ہم دنیا کو تیسری جنگ سے بچانا چاہتے ہیں کرنل اس لئے میرے ضمیر پر ذرہ برابر بھی بوجھ نہیں ہے۔"

"بالکل..... بالکل۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "مجھے ہر حال میں اپنا ہم خیال پاؤ گے۔"

"بہر حال ہم اصلی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔"

"ذرا دیکھ لو کہیں ٹیپ ریکارڈر اور کیمرہ تو نہیں کھلے ہوئے ہیں۔"

"نہیں کرنل ایسا کیونکر ممکن ہے۔"

"پھر بھی دیکھ ہی لو۔"

"اس نے دیکھا اور چیخ پڑا۔ بائی گارڈ دونوں چل رہے ہیں۔ مگر یہ ہوا کیسے؟ میں نے تو خصوصیت سے دھیان دیا تھا اس پر۔"

"میں ہی نہ جانوں گا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

اس نے فوری طور پر کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر کے سوئچ آف کر دیئے۔

"سوال یہ ہے کہ سوئچ آن کس نے کیا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا تم نے اپنے ہیلی پیڈ ہی پر اُسے بند کر دیا تھا؟"

"ہاں کرنل مجھے اچھی طرح یاد آیا۔"

"تب پھر تم لوگ ایک دوسرے کو اس حیثیت سے نہیں جانتے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا تم تینوں دوست ان سے ملے ہوئے ہو۔"

"جی نہیں صرف..... میں۔ وہ دونوں نہیں جانتے۔"

"اچھا تو ایسا کرو ہیلی کوپٹر کو کسی مناسب جگہ اُتار دو۔ چند ضروری باتیں کر کے پھر آگے

بڑھیں گے۔"

"جیسا حکم کرنل.... وہ دیکھئے وہ چٹان جس کا بالائی حصہ مسطح اور کشادہ ہے۔"

"یہ تم جانو۔" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

اس نے بڑی احتیاط سے ہیلی کوپٹر کو اسی جگہ اُتار دیا اور عمران نے اس سے کہا۔ "کچھ دنوں پہلے کی بات ہے ایک انجینئر پائیلٹ آزمائشی پرواز سے واپسی پر مر گیا تھا۔"

"جی ہاں.... وہ تھا بیچارہ۔"

"اُس کا کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر آئی۔ ایس۔ آئی والوں نے نکلوا لیا تھا۔"

"اس کا علم تو مجھے نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ بہر حال ٹیپ ریکارڈر اور کیمرے نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ آزمائشی پرواز پر تنہا نہیں تھا۔ اُس کے ساتھ کوئی غیر ملکی عورت بھی تھی دونوں کی گفتگو کے ریکارڈ سے یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ وہ عورت انہی لوگوں کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی جن کے لئے آج ہم سنگزاد کی لاش لے جا رہے ہیں۔"

"نہیں۔" پائیلٹ بوکھلا گیا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔ مقصد یہ ہے کہ تم وہاں ان لوگوں کی فراہم کردہ کوئی چیز کھاؤ پیو گے نہیں۔ اب اِس ٹیپ ریکارڈر کی وہ گفتگو اریز کر کے دوسری گفتگو ریکارڈ کرو تاکہ واپسی پر یہ ثابت ہو سکے کہ کرنل مکرم نے ایک جگہ تم پر ریوالور تان کر ہیلی کوپٹر لینڈ کرنے کو کہا تھا اور تم نے بے بسی سے اس کا حکم مانا تھا۔ اور پھر اُس نے ایک ویرانے میں سنگزاد کا تابوت اُتروا لیا تھا۔ یہ اس لئے کہ یہ واقعہ چھپا نہیں رہ سکے گا۔ تمہیں جواب وہی کرنی پڑے گی۔ لہٰذا واپسی پر واویلا کر دینا.... اس طرح تمہاری گردن بچ جائے گی۔"

"لیکن آپ کا کیا ہو گا۔"

"ظاہر ہے کہ اَب میری واپسی نہیں ہو گی۔"

"کک.... کرنل صاحب اگر یہی بات ہے تو یہ لوگ کم از کم مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں آخر کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"پھنسے کس طرح تھے۔"

"بس تیسری جنگ سے بچاؤ کی تحریک ہم لوگوں میں شروع ہوئی تھی۔ جو غالباً انہی لوگوں کی چلائی ہوئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ تمہارے ملک کو ہمارے ہی ساتھ رہنا چاہئے اس طرح تیسری جنگ سے بچاؤ ہو سکے گا۔"

"بہر حال ہم دونوں بُرے پھنسے ہیں۔" عمران نے کہا۔

"تو پھر کوئی ایسی صورت نکالئے کہ ہم دونوں یہیں رہ جائیں۔ واپس ہی نہ جائیں۔ یا کسی دوسرے ملک میں نکل چلیں۔"

"میں کوشش کروں گا کہ یہی ہو جائے لیکن دوسری صورت میں بھی تم نقصان میں نہیں رہو گے۔ یعنی گفتگو دوبارہ ریکارڈ کرو اور واپس چلے جاؤ۔ چھان بین ہو تو اسی چٹان کی نشاندہی کر دینا اور کہنا کہ تابوت اُتروا لینے کے بعد پھر میں نے تمہیں وہاں نہیں رکنے دیا تھا۔"

"اچھی بات ہے تو یہی کر لیجئے۔ لیکن آخر یہ ہمیں مار کیوں ڈالتے ہیں؟"

"صرف انہیں مارتے ہیں جو اُن کا وہ ٹھکانا دیکھ لیتے ہیں۔"

"بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ بہر حال وہ یہاں جو کچھ بھی کر رہے ہیں غیر قانونی ہے۔ آخر میری عقل کو کیا ہوا تھا۔"

"ہو جاتی ہیں ایسی غلطیاں اور پھر یہ غیر ملکی ایجنٹ تو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ اس طرح اپنا پن ظاہر کرتے ہیں کہ شدت جذبات سے مخاطب کی زبان گنگ ہو جائے۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں ٹیپ کئے جانے والی گفتگو کا ریہرسل کر رہے تھے۔ پھر وہ گفتگو ٹیپ بھی کر لی گئی اور ہیلی کوپٹر دوبارہ پرواز کرنے لگا۔

"لیکن تم لوگوں کو راستے کا علم کیونکر ہوتا ہے؟"

"انہی لوگوں کی طرف سے نقشہ ہمیں بھجوایا جاتا ہے۔"

"کتنے چالاک لوگ ہیں ہمارے ملک کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور ہماری فوج کے ہیلی کوپٹر استعمال کرتے ہیں۔ ابھی کتنی اور پرواز باقی ہے۔"

"ایک گھنٹے کی۔"

"بس میری ہدایت یاد رکھنا کہ جیسے ہی تابوت اتر چکے فوراً ہیلی کوپٹر اڑا لے جانا سمجھے۔"

"یہ زیادہ مناسب ہو گا کرنل صاحب، میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"پرواہ نہ کرو۔ یہ سارا زہر میں خود پینا چاہتا ہوں۔ بقیہ لوگ بچے رہیں تو بہتر ہے۔"

"آپ مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے کرنل۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ پرواز جاری رہی۔ ایک جگہ ہیلی پیڈ کے آثار نظر آئے اور نیچے سے کچھ اشارے بھی موصول ہوئے۔

"یہیں لینڈ کرنا ہے۔" عمران نے کہا۔ "بس جیسے ہی تابوت اتر جائے تم پرواز کر جانا۔"

"لیکن میں جاؤں گا کہاں۔"

"پھر وہی بیوقوفی کی باتیں اپنی کور میں واپس جانا اور کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر ان کے حوالے کر دینا تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

"جیسا آپ فرمائیں کرنل لیکن مجھے آپ کے بارے میں تشویش رہے گی۔"

"میری فکر نہ کرو۔ میں ہزار سال پُرانا گدھ ہوں۔"

ہیلی کوپٹر کے لینڈ کرتے ہی دس بارہ آدمیوں نے ہیلی کوپٹر کو گھیر لیا۔

عمران نیچے اُتر گیا۔ اُن افراد میں سے ایک اُس کی جانب بڑھ کر بولا۔ "خوش آمدید کرنل.. میں جیگوار کا نمائندہ ہوں۔"

دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ سنگواد کا تابوت اُتارا جا رہا تھا۔ دفعتاً عمران کی نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر وارننگ تحریر تھی۔ "پائیلٹس کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ پرواز کی اجازت ملے بغیر پرواز نہ کریں ورنہ ہیلی کوپٹر کو فضا ہی میں تباہ کر دیا جائے گا۔"

اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں اور اس نے بوکھلا کر پائیلٹ کی طرف دیکھا جسے وہ فوراً پرواز کر جانے کی ہدایت دے چکا تھا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ پائیلٹ کی نظر بھی اُس وارننگ پر جمی ہوئی ہے اور وہ بھی اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا ہے۔ پھر دونوں کی نظریں بے بسی کے سے انداز میں ملیں اور جھک گئیں۔

وہ تابوت اُتار کر ایک جانب چلے گئے۔ جیگوار کا نمائندہ عمران کے قریب اب بھی موجود تھا۔

جب تابوت چٹانوں کے درمیان نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے عمران سے کہا۔

"چلئے جناب۔" عمران اس کے پیچھے چلنے لگا۔ پائیلٹ نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔

چٹانوں سے گذرتے ہوئے۔ "وہ ایک درے میں داخل ہوئے پھر ایک غار میں اُترے تھے۔ اندر کی تعمیرات عمران کے لئے نئی نہیں تھیں۔ بارہا ایسی زمین دوز تعمیرات سے سابقہ پڑ چکا تھا۔

عمران کی نظر سب سے پہلے کلارا ڈکسن پر پڑی۔ سامنے ہی کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"خوش آمدید پروفیسر۔" اس نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں جیگوار کی پرسنل اسسٹنٹ ہوں۔"

"مل کر خوشی ہوئی۔" پروفیسر نے خشک لہجے میں کہا۔ "جیگوار کہاں ہے!"

"خدا جانے....!"

"کیا مطلب! میں تو سمجھا تھا کہ یہاں ملاقات ہوگی۔"

"ملاقات۔" وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "میری تو آج تک ملاقات ہوئی نہیں ہے۔ تم ملاقات کرنے آئے ہو۔"

"بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی محترمہ!"

"ہمیں یا تو اس کے تحریری پیغامات ملتے ہیں۔ یا ہم ٹرانس میٹر پر اس کی آواز سنتے ہیں۔"

"اُوہ۔ میں سمجھا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "تو یہ جیگوار بہت محتاط آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"بہت زیادہ پروفیسر اور یہی وجہ ہے کہ اُس کا کوئی ساتھی کبھی اس سے غداری کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔"

"یہ بات تو ہے۔" عمران نے توصیفی لہجے میں کہا۔

"تم آرام کرو پروفیسر باتیں پھر ہوں گی۔ تھوڑی دیر بعد چائے یا کافی جو بھی پسند کرو اور رات کا کھانا آٹھ بجے۔"

"لیکن میں سب سے پہلے کسی ذمہ دار فرد سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"جیگوار کے بعد میں ہی ہوں۔" کلارا بولی۔

"یعنی تم اپنا اختیار بھی استعمال کر سکتی ہو۔"

"یقیناً پروفیسر....!"

"اچھا تو پھر...." عمران چاروں طرف دیکھ کر رہ گیا۔ انداز ایسا ہی تھا۔ جیسے گفتگو کے

دوران میں کسی تیسرے آدمی کی موجودگی پسند نہ کرتا ہو۔

"اُوہ....!" وہ ہنس کر بولی۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اُسے ایک کشادہ کمرے میں لے آئی جہاں صرف چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور کسی قسم کی سجاوٹ نہیں تھی۔

عمران نے بیٹھتے ہی مطلب کی بات شروع کی۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ جیگوار کا ساتھ ہونے کے بعد سے میں نے تم لوگوں کے بارے میں خاصی چھان بین کی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" وہ سر ہلا کر بولی۔ "یہ تو ہونا ہی چاہئے تھا۔ ورنہ پروفیسر شکور اور ایک عام آدمی میں کیا فرق رہے گا۔"

"ہیلی کوپٹر کے پائیلٹ کے ساتھ تمہارا رویہ مناسب نہیں ہے۔ چند ہی دن ہوئے ایک آزمائشی پرواز والے ہیلی کاپٹر کا پائیلٹ حیرت انگیز طور پر مر گیا تھا۔ پھر تم نے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی کہ ٹیپ ریکارڈر اور کیمرے ہی کو چیک کر لیتے۔ اس طرح یہ بات ملٹری انٹیلی جنس تک پہنچ گئی اور وہ سنگزاد کے معاملے میں اور زیادہ محتاط ہو گئے۔"

"ہاں۔ یہ غلطی ضرور ہوئی تھی۔" کلارا نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"تم اسے غلطی سمجھتی ہو۔ حالانکہ دیدہ دانستہ ایسا کیا گیا تھا تاکہ آئی ایس آئی والے فوری طور پر سنگزاد کو اپنی تحویل میں لے لیں۔"

"میں جیگوار کے ہر معاملے سے آگاہ نہیں ہوں پروفیسر۔"

"تمہارا کوئی آدمی وہیں پائیلٹ کی نادانستگی میں کیمرے اور ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آن کر دیتا ہے۔"

"مجھے الجھن میں نہ ڈالو۔ ان سب معاملات کو وہی جانے۔ ہو سکتا ہے اس میں یہ مصلحت پوشیدہ ہو کہ کبھی کوئی پائیلٹ ہماری نشاندہی نہ کر سکے۔"

"سمجھ میں آنے والی بات ہے۔" عمران نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔ "لیکن تم لوگوں میں مجھے صرف یہ خامی نظر آتی ہے کہ تمہیں صرف کام نکالنے سے غرض ہوتی ہے دوسروں پر اعتما نہیں کرتے۔"

"یہ ہماری تنظیم کی بنیادی پالیسی ہے۔"

"لیکن میں نے اس پائیلٹ کے لئے وہ تدبیر کر دی ہے کہ اُسے زندہ ہی واپس بھیجا جا سکتا ہے۔"

پھر وہ اُسے بتاتا ہے کہ کس طرح اُس نے راستے میں ریہرسل کی تھی اور ٹیپ ریکارڈر اور کیمرے کو استعمال کیا تھا۔

"تم نے تو کمال کر دیا پروفیسر۔"

"وہ انہیں شمال کی طرف لے جائے گا جہاں اُسے جانا تھا۔ شمال مشرق کیطرف نہیں لائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ محض تمہارے کہنے سے ہم اُسے بخش دیں گے۔ اب اُٹھو میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھادوں۔"

عمران اٹھ گیا۔ جس کمرے میں اُسے وہ لائی تھی خاصا کشادہ تھا اور اُس کی سجاوٹ میں بڑے سلیقے سے کام لیا گیا تھا۔

"تھوڑی دیر بعد.... ہاں تم کافی پسند کرو گے یا چائے۔" کلارا نے پوچھا۔

"کافی بہتر رہے گی۔"

"سگار یا سگریٹ۔"

"میں دخانی جانور نہیں ہوں۔"

وہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک بے حد حسین اور کم سے کم لباس والی لڑکی کافی لائی تھی۔

"بس اب تم جاؤ۔" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں خود بناؤں گا اور پی لوں گا۔" وہ حقارت سے سر جھٹک کر چلی گئی۔

کافی بہت ہی عمدہ قسم کی معلوم ہوتی تھی۔ پہلے ہی گھونٹ پر ایسا لگا جیسے ساری تھکن کافور ہو گئی ہو۔ آنکھیں کھلتی چلی جارہی تھیں۔ ذہن کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے عالم شیر خواری تک کی باتیں یاد آتی چلی جارہی ہوں.... پھر اچانک اس روشن ذہنی پر غبار سا چھانے لگا جو آہستہ آہستہ گہری کہر میں تبدیل ہوتا جارہا تھا۔

خداوند تو کیا....؟ وہ بوکھلا کر اٹھ گیا۔ کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔ بس دو قدم چلا اور لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

پھر آنکھیں کھلی تو وہ کمرہ نہیں تھا۔ یہاں کی چاروں دیواریں شیشے کی تھیں۔ اُن میں اپنا عکس دیکھ کر بُری طرح سمٹ گیا۔ بالکل برہنہ عمران تھا۔ پروفیسر شکور نہیں.... لیکن.... لیکن

اُس کے جسم پر تو لباس موجود تھا۔ اور چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی۔ یعنی اب بھی کرنل مکرم کے میک اپ میں تھا۔

دفعتاً کمرے کی محدود فضا میں جیگوار کا قہقہہ گونجا اور پھر استہزائیہ انداز میں کہا گیا۔ "ہمیں دھوکا دینا آسان نہیں ہے مسٹر علی عمران....!"

"چلو تسلیم کرلیا کہ تم مجھ سے زیادہ عقل مند ہو لیکن خدارا اب مجھے یہاں سے اور کہیں منتقل کرو۔ ورنہ میں کتوں کی طرح بھونکنے لگوں گا۔"

"تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کی جائے گی۔ کیونکہ تم بہرحال ہمارے کام آئے ہو۔"

دفعتاً شیشے کی ایک دیوار تھوڑی سی سرک گئی اور عمران بستر سے اُٹھ کر دوڑتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوگیا۔

اس کمرے میں صرف ایک بستر تھا اور دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ "ایک قدم آدم آئینہ بھی تھا۔ عمران نے بوکھلا کر اس میں اپنا جائزہ لینا شروع کیا۔ کرنل مکرم کا میک اپ بدستور قائم تھا۔

اَب اُسے بدقسمت پائیلٹ یاد آیا۔ اُس کے سلسلے میں بھی ضرور وعدہ خلافی کی گئی ہوگی یا پھر....؟ خیالات کی رو پھر اپنی جانب پلٹ آئی۔ شائد وہ اُسے بہت پہلے پہچان چکے تھے۔

دفعتاً اس کمرے میں بھی جیگوار کی آواز سنائی دی۔ "کیوں مسٹر عمران اب کیا خیال ہے۔"

"اب میرا کوئی خیال نہیں ہے۔ ایک بے بس بٹیر کی طرح جال میں آپھنسا ہوں۔"

"اور تمہیں اس سے خاصی پریشانی ہوگئی ہے۔"

"پریشانی جیسا لفظ میری ڈکشنری میں نہیں پایا جاتا۔"

"ہم دیکھیں گے کہ تم کتنے دلیر ہو۔"

"یہ دلیری نہیں بلکہ عادت ہے۔ دلیری کا مظاہرہ مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ آج کی دنیا میں رکھا ہی کیا ہے جس کے سلسلے میں دلیری دکھائی جائے۔"

"تمہارے اس خیال سے میں متفق نہیں ہوں۔ دراصل پروفیسر شکور سے متعلق ہماری معلومات ناقص تھیں۔ ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ زنجبار میں ہمارا قیدی ہے۔"

"ارے مروادیا۔" عمران کراہ کر رہ گیا۔

"اور سنو راشد پٹھان بھی تم ہی تھے۔"

"دراصل مجھے اس مظلوم لڑکی سے وہ ہوگئی ہے۔"

"یہاں بھی تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہیں آج تک کسی سے بھی وہ نہیں ہوئی۔"

"اَب ہوگئی ہے اس لئے کہ وہ آدھی مرد ہے اور میں آدھا عورت ہوں۔"

"خیر ہمیں اس سے کیا سروکار۔"

"ہاں تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ کس قسم کا برتاؤ ہوگا۔"

"اوہ یہی سوال پورو نے سکندر سے کیا تھا۔ لہٰذا میرا جواب سکندر کے جواب سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس نے پورو کو یونانی نام پورس سے نوازا تھا.... میں بھی....!"

"بیوقوف بنانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے کیا میری ذات سے تم لوگوں کو کوئی نقصان پہنچا ہے۔ وہ میں ہی تھا جس کے اصرار پر سنگوادا اپنے آفس تک پہنچا تھا۔"

"ڈیوڈ کی موت کا باعث تم ہی بنے تھے۔"

"کیا وہ احمق اس قابل تھا کہ زندہ رکھا جاتا؟"

"آہا.... تو تم یہاں بھی ہمارے کام آئے ہو۔"

"بالکل بالکل....!"

"چلو یہ بھی تسلیم۔ لیکن کیا تم اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کررہے ہو۔ کیا ہاتھ لگا ہے تمہارے ہمارے ساتھ ہوتے تو اس وقت سوئٹزرلینڈ کے کسی بنک میں تمہارے لاکھوں ڈالر جمع ہوتے۔ ہم نے اس وقت بھی تمہارا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جب زیرولینڈ والوں نے مرنج کا اسکینڈل چلایا تھا۔"

"ہاں مجھے یاد ہے اور میں نے تنہا اُس مرنج کو تباہ کیا تھا۔"

"تنہا کام کرنا تمہارا ایک دانش مندانہ فیصلہ تھا۔ ہماری تنظیم کے ماہرین نے جب پورے معاملے کا تجزیہ کیا تو اُن کی یہی رائے تھی۔ بھیڑ بھاڑ سے کھیل بگڑ جاتا۔ زیرولینڈ والے پورے پورے بریگیڈ تباہ کردیتے۔ لیکن پھر پوچھوں گا تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا۔"

"آج تک کوئی تمغہ بھی نہیں ملا۔ لیکن بہرحال میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اپنی قوم کے کام آیا۔ اپنے ملک کے لئے قربانی دی۔"

"ہمارے ساتھ مل کر بھی تم اپنے ملک ہی کی خدمت کرو گے۔ موجودہ قیادت ہم سے

فرنٹ ہوگئی ہے۔ حالانکہ یہ اس کی غلطی ہے اور اُسے ایک دن اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس سے غلطی ہوئی تھی۔"

"سنو مسٹر جیگوار مجھے نہ سیاست سے دلچسپی ہے اور نہ قیادتوں سے۔ میں تو صرف زمین کے اُس ٹکڑے کے تحفظ کو اپنا ایمان سمجھتا ہوں جو میرا ملک کہلاتا ہے۔"

"آخر ہماری ذات سے زمین کے اُس ٹکڑے کو کیا نقصان پہنچا۔ کیا ہماری ہی امداد سے تم اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہوئے۔"

"ہوسکتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ انگریزوں کی سیاسی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد کسی کی اقتصادی غلامی قبول کرنے پر تیار نہیں۔"

"دراصل تم لوگ غلامی کو مپلکس کا شکار ہوگئے ہو پوری قوم کا نفسیاتی تجزیہ ہونا چاہئے۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد خاموش رہ کر جیگوار بولا۔ "اچھا اب تم آرام کرو۔ پھر باتیں ہوں گی۔"

پھر سناٹا چھا گیا۔ عمران تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلاتا رہا تھا۔



رات کے کھانے کی میز پر عمران تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کلارا ڈکسن بھی تھی اور اس کا ساتھی رابرٹو بھی۔

"سنا ہے کہ تم بہتیرے ایسے فنون سے واقف ہو جو اَب مفقود ہیں۔" کلارا نے عمران سے کہا۔

"کسی نے ہوائی چھوڑی ہوگی۔ میں تو سیدھا سادھا عمران ہوں۔"

"اگر تم پر پے درپے فائر کئے جائیں تو تم خود کو بچالو گے۔"

"بشرطیکہ صرف ایک آدمی فائر کر رہا ہو۔"

"یہ بھی بڑی بات ہے۔"

"اگر تمہیں کسی پتھر کے آدمی سے ٹکرانا پڑے تو کیا کرو گے۔"

"نہایت اطمینان سے مارا جاؤں گا۔"

"نہیں مجھے یقین ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح خود کو بچالے جاؤ گے۔"

"کہیں امتحان نہ لے بیٹھنا۔"

"یہاں اس ویرانے میں ہم تفریح کو ترس گئے ہیں۔ لہٰذا میں نے یونٹ میں اعلان کرادیا ہے کہ دس بجے شب ایک تفریحی پروگرام ہوگا۔"

"مارا گیا؟" عمران کراہ کر رہ گیا۔ "جان ہی لینا چاہتی تو اب کے کافی میں زہر دے دینا خواہ مخواہ تھکا کر مارنے سے کیا فائدہ۔"

"ہم تمہیں زندہ دیکھنا چاہتے ہیں مسٹر عمران۔ جیگوار نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔"

"جیگوار.... میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"اپنا ایکس ٹو سمجھ میں آگیا ہے۔"

"خدا کی پناہ تم یہ بھی جانتی ہو۔"

"جولیانا فٹنر واٹر نے بتایا تھا۔"

"کنفیشن چیئر بُری بلا ہے۔" عمران نے کہا اور اُداس ہوگیا۔

"مجھے یقین نہیں ہے مسٹر عمران کہ تم اپنے چیف کی شخصیت سے واقف نہ ہوگے۔"

"بٹھادو۔ مجھے بھی کنفیشن چیئر پر۔ میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا۔"

"مجھے یقین آگیا کہ تم بھی نہیں جانتے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"یہ معلوم کرکے کرو گی کیا۔ ہم لوگ تمہاری طرح اپنی حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔"

"کیا تم پیٹ بھر کر کھانا کھالینے کے بعد اپنے کرتب دکھا سکو گے۔"

"ہرگز نہیں۔ کیونکہ اُس صورت میں مجھے نیند آنے لگتی ہے۔"

"لہٰذا اب بس کرو۔"

"بس کیا۔" عمران نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

اور کلارا نے رابرٹو سے کہا۔ "تم جا کر انتظام کرو۔ ایک گھنٹے بعد ہم ہال میں پہنچ جائیں گے۔"

رابرٹو نے بھی ہاتھ روک لئے اور فوری طور پر اٹھ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد کلارا نے عمران سے کہا۔ "اب ہم کچھ دیر کھلی ہوا میں بیٹھیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں بھی یہی چاہتا تھا۔ لیکن چونکہ اَب میں تمہارا قیدی ہوں لہٰذا اپنی کسی خواہش کا اظہار

نہیں کر سکتا۔“

کلارا کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے عمران کو اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ غار سے نکل کر وہ کھلے آسمان کے نیچے آگئے اور کلارا طویل سانس لے کر بولی۔ ”کبھی میں بھی آدمی تھی۔“

”اوہو۔ تو اب کیا ہو....؟“

”اب میں صرف ایک روبوٹ ہوں۔ کبھی میرے بھی جذبات و احساسات تھے لیکن اب سب کچھ ایک مرکزی مشین کے قبضے میں ہے۔ ہم اب پتھر کے آدمی ہیں۔ اس بھیڑ میں تمہیں سب ہی سنگزاد ملیں گے۔“

”میرے لئے بڑی عجیب اطلاع ہے۔“

”ہاں ہم سب پتھر ہوگئے ہیں۔ اس وقت میں انسانیت کے جامے میں ہوں۔ لیکن اگر ابھی کوئی مرکزی مشین کو حرکت دے دے تو میں تمہارے لئے درندہ بن جاؤں گی۔“

”تو تم مجھ گوشت پوست کے انسان کو پتھروں سے لڑانا چاہتی ہو۔“

”میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ آدمی اَب بھی مشین سے برتر ہے۔ جگیوار سے میری بحث ہوگئی ہے۔ وہ مشین کی برتری کا قائل ہے۔“

”یہ چھوٹا کرسٹل اور بڑا کرسٹل کیا بلا ہے؟“

”ہمارے مغز کا آپریشن کر کے اس میں رکھے گئے ہیں یہ دونوں کرسٹل اور یہی ہمیں آدمی سے روبوٹ بنا دیتے ہیں۔ یعنی ہمارا ذہن مشین کے تابع ہو جاتا ہے۔ وہ کرسٹلز کو کنٹرول کرتی ہے اور کرسٹل ہمیں ذہنی اور جسمانی طور پر درندہ بنا دیتے ہیں۔ لیکن میں تمہیں ایک گُر کی بات بتاؤں۔ تھکن کے معاملے میں ہم آدمی ہی ہیں۔ روبوٹ نہیں بن سکے۔ تمہارے سائیکو مینشن میں ہنگامہ برپا کرنے کے بعد مجھے تین دن تک آرام کرنا پڑا تھا۔ کیا سمجھے۔“

”اچھی طرح سمجھ گیا۔“

”اَب پھر واپس چلو۔ خاصی تازہ ہوا حاصل کرلی۔“

وہ کچھ دیر بعد پھر اُسی کمرے میں تھے۔ جہاں عمران کا قیام تھا۔ عمران نے نہ صرف خاموشی اختیار کرلی تھی بلکہ آنکھوں میں تشویش کے آثار بھی پیدا کرلئے تھے۔

”کیا تم خائف ہو عمران۔“ کلارا ڈکسن نے پوچھا۔

”نہیں مجھے وہ منظر یاد آیا ہے جب تم نے خونخوار چوہوں کو دیکھ کر قہقہہ لگایا تھا۔ کبھی کوئی عورت اتنی اچھی نہیں لگی جتنی اچھی تم اس وقت مجھے لگی تھیں۔ کیونکہ دلیر سے دلیر عورت بھی کم از کم تمہارے ملک میں چوہا دیکھ کر ضرور چیخ اٹھتی ہے۔“

”اور تمہارے ملک کی عورت!“

”وہ تو صدا کی چوہے مار ہے۔“

”میں سمجھی نہیں....!“

”گھر کے چوہے مارنا اُس کے فرائض میں شامل ہے۔“

”تو لوگ واقعی عجیب ہو۔“ کلارا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو چلو اب ہال میں چلیں۔“

”کیا یہ تفریح جگیوار کے علم میں ہے؟“

”اس کے حکم کے بغیر تو یہاں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“

وہ اُسے اس بڑے ہال میں لے آئی جو کسی اسٹیڈیم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تماشائیوں کے لئے اسٹال بنے ہوئے تھے اور ہال کے وسط میں اَیرینا تھا۔ عمران کو دوسروں پر چھوڑ کر وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ تماشائی اُسے دیکھ کر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے پھر اس کے صدر نشین ہونے کے بعد وہ بھی بیٹھ گئے۔ رابرٹو اُس کی کرسی کے قریب مؤدب کھڑا تھا۔ پھر وہ کلارا کے اشارے پر آگے بڑھا اور مجمعے کو مخاطب کر کے بولا۔ ”پتھر کے آدمیو! اس وقت تمہارے درمیان ایک حیرت انگیز آدمی موجود ہے۔ لیکن وہ تمہاری طرح پتھر کا نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی ہمارے بہترین لڑاکے اور نشانہ باز اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ سب سے پہلے وہ گولیوں سے بچنے کا مظاہرہ کرے گا۔ ہمارا سب سے اُتم نشانہ باز ایڈگر اس پر ریوالور سے چھ فائر کرے گا۔“

اس نے وہیں کھڑے کھڑے عمران کو ایرینا میں آنے کا اشارہ کیا۔ عمران کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے رابرٹو سے کہا۔ ”سی نیور رابرٹو اپنے نشانہ باز کو یہ ضرور سمجھا دینا کہ مجھے اَیرینا کے ایسے ہی رخ پر رکھے گا کہ اُس کی خطا کی ہوئی گولی کسی تماشائی کے نہ لگ جائے۔“

”اس کا خیال رکھا جائے گا مسٹر عمران۔“ رابرٹو نے شاہانہ انداز میں کہا اور پھر اُن کا نشانہ باز بھی بڑے شاہانہ انداز میں ایرینا میں داخل ہوا تھا۔ اس نے پہلا فائر کیا لیکن بے اثر... عمران نے محض پینترہ بدل کر وار خالی دیا تھا۔ غالباً نشانہ باز بھی اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ مقابل کس قسم کا

شعبدہ کار ہے۔ پھر اُس نے پے در پے دو فائر کئے۔ عمران گویا ہوا میں اڑ رہا تھا۔ تین فائر بے اثر ہو چکے تھے۔ مجمع پر سناٹا چھا گیا تھا نشانہ باز کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ ادھر عمران نے قہقہہ لگا کر اُسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا اور اُس نے بقیہ تین فائر بھی جھونک مارے لیکن سنگ آرٹ تو شائد لازوال تھا۔ عمران ایک جانب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

پھر فضا تالیوں کے شور سے گونج اٹھی اور نشانہ باز سر جھکائے ہوئے ایرینا سے نکل گیا۔

"مسٹر عمران۔" رابرٹو نے اونچی آواز میں پوچھا۔ "دوسرے آئیٹم کیلئے کتنا وقت لو گے۔"

"صرف دس منٹ۔ سی نیور رابرٹو.." عمران نے جواب دیا اور پھر تالیوں کا شور گونجنے لگا۔

"مسٹر عمران تمہارا مقابل قد میں تم سے کم از کم ایک فٹ اور ایک انچ اونچا ہوگا۔ تمہیں اس پر اعتراض تو نہیں۔" رابرٹو نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... دو فٹ دو انچ بھی اونچا ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" عمران نے جواب دیا۔

پھر تالیوں سے ہال گونجنے لگا اور کلارا نے عجیب نظروں سے رابرٹو کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔ تماشائی بہت محظوظ ہو رہے تھے۔

دس منٹ بعد عمران نے اونچی آواز میں کہا۔ "میں تیار ہوں...."

پھر تالیاں بجیں ساتھ ہی ایک دیوزاد ایرینا میں داخل ہوا جس کا قد سات فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا اور یہ ایک سیاہ فام آدمی تھا۔ عمران کو دیکھ کر اس نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور پھر اس طرح جھکا جیسے عمران کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر بٹھالے گا۔ عمران نے بڑی پھرتی سے اُس کی کھوپڑی پر دونوں ہاتھ ٹکائے اور اس کے اوپر سے گذرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور وہ سیدھا کھڑا ہو کر ہونقوں کی طرح اُسے گھورنے لگا۔ ہال تالیوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ سچ مچ تفریح کو ترسے ہوئے لوگ معلوم ہوتے تھے۔ اس بار دیوزاد نے اُس پر چھلانگ لگائی یہ انداز عمران کے لئے متوقع تھا لہٰذا غافل نہیں تھا اس بار وہ اس کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل گیا۔ نہ صرف نکل گیا بلکہ گردن پر ایک لات بھی رسید کر دی۔ وہ کسی جڑ سے اکھڑے ہوئے درخت کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر تالیاں بجیں اس بار وہ اٹھا تو بے حد خونخوار ہو گیا تھا کسی بپھرے ہوئے ریچھ کی طرح جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا اور عمران اُسے پورے ایرینا میں دوڑائے

پھرتا رہا۔ تالیاں بجتی رہیں۔ شور ہوتا رہا۔ بالآخر وہ دیوزاد تھک کر گر پڑا۔

پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے ہال کی چھت ہی اڑ جائے گی۔ کچھ لوگ ایک اسٹریچر اٹھائے ہوئے ایرینا میں داخل ہوئے اور دیوزاد کو اٹھا لے گئے۔

"کچھ اور.... کچھ اور...." مجمع چلایا۔

"خواتین و حضرات" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آج بس اتنا ہی۔ بقیہ کل۔ کل اس سے بھی بہتر کرتب دیکھئے گا۔"

"نہیں نہیں.... ہم تمہیں بھی تھکا کر مار ڈالیں گے۔" کئی آوازیں آئیں دفعتاً کلارا ڈکسن اٹھ گئی اور ہاتھ ہلا کر چیخی۔ "بکواس بند کرو اور خاموشی سے ہال خالی کر دو۔"

مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ اور لوگ خوفزدہ انداز میں اُٹھنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہال خالی ہو گیا اور وہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہ رہ گیا۔

رابرٹو اور کلارا بھی ایرینا میں عمران کے قریب ہی آ کھڑے ہوئے تھے۔

"واقعی اپنے فنون کے ماہر ہو۔" کلارا نے عمران سے کہا۔

"شکریہ۔ اگر میں پہلے سے تھکا ہوا نہ ہوتا تو انہیں ہرگز مایوس نہ کرتا۔"

"کوئی بات نہیں۔ پھر سہی!" رابرٹو بولا۔

وہاں سے وہ سیدھے کمرے میں آئے تھے۔ جہاں عمران مقیم تھا۔

"اپنی تھکن اُتارنے کے لئے تم کیا کرو گے۔" رابرٹو نے پوچھا۔

"تھکن کی قاتل صرف میٹھی نیند ہی ہو سکتی ہے۔" عمران نے جواب دیا۔

"تم جا سکتے ہو۔" دفعتاً کلارا نے رابرٹو سے کہا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک عمران کو بغور دیکھتی رہی پھر بولی۔ "سونے سے پہلے کچھ دیر کے لئے پھر کھلی ہوا میں چلو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔ "کچھ ایسا زیادہ تھکا ہوا بھی نہیں ہوں۔"

وہ پھر غار سے نکل کر ہیلی پیڈ کی طرف آئے اور دفعتاً عمران نے سوال کیا۔

"اُس پائلیٹ اور ہیلی کوپٹر کا کیا ہوا۔"

"جیگوار کے حکم کے مطابق دونوں کو تباہ کر دیا گیا۔ وہ تمہارے نکتہ نظر سے متفق نہیں تھا۔"

"تو پھر اَب اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو یہاں سے ہیلی پیڈ کی علامات ہٹالو۔ میں نے انہیں

ایک خاص راستے پر ڈالنے کی کوشش کی تھی اب وہ پورے کوہستان میں چکراتے پھریں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔ صبح تک یہاں سے علامات ہٹا دی جائیں گی۔ جیگوار بھی اسے سمجھتا ہے تم سے پہلے ہی اُس نے یہ مشورہ دیا تھا۔"

"یہ جیگوار میری عقل سے چٹ کر رہ گیا ہے۔" عمران بڑبڑایا۔

"اور تمہارا نشانہ کیسا ہے؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ چھ گولیوں میں سے ایک بھی ٹارگٹ سے باہر نہیں جائے گی۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اگر ریوالور ہو تمہارے پاس تو واپسی پر تہہ خانے والی سیڑھیوں پر اس کا بھی مظاہرہ کر سکوں گا۔ زینے جہاں سے شروع ہوں وہاں ایک ٹارگٹ بنا دینا ایک ایک زینہ اُتروں گا اور مڑ کر فائر کروں گا۔ اگر ایک گولی بھی ٹارگٹ کو مس کرے تو وہیں گولی مار دینا۔"

"میں یہ مظاہرہ بھی دیکھوں گی۔ ریوالور ہے میرے پاس۔ چلو واپس چلیں۔"

"کھلی ہوا میں کس لئے آئی تھیں؟"

"دراصل میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ تم سے ملاقات ہونے کے بعد سے مجھے کیا ہو گیا ہے۔"

"کھلی ہوا میں غالباً اس لئے آتی ہو کہ ہماری گفتگو جیگوار تک نہ پہنچ سکے۔"

"تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ لیکن تم سے کیا کہنا چاہتی ہوں یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا۔"

"واقعی تم اپنے کرسٹل نکلوا دو۔"

"میں نے جیگوار سے درخواست کی ہے۔ شائد منظور ہو جائے۔ لیکن مجھے اس کو راز ہی رکھنا پڑے گا کہ اَب میں روبوٹ نہیں رہی۔"

"وہ کس لئے؟"

"کمتر سمجھی جاؤں گی اور پھر وہ لوگ میرے احکامات نہیں مانیں گے۔ جیگوار نے مجھے یونٹ کا انچارج بنایا ہے۔"

"کہیں وہ تم سے محبت تو نہیں کرتا۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"کیا تمہیں اُس سے محبت نہیں ہے۔"

"میں اُس سے خائف رہتی ہوں اس لئے محبت کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ خیر ختم کرو اس قصے کو یہ لو ریوالور۔"

وہ زینوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ داخلے کے دروازے پر کلارا نے کوئلے سے ایک دائرہ بنا کر ٹارگٹ مقرر کیا اور خود جلدی جلدی نیچے اُتر گئی۔ عمران ایک زینہ اُتر کر مڑا اور فائر کر دیا۔ پے در پے اسی طرح زینے اُتر اُتر کر چھ فائر کئے اور نیچے پہنچا تو وہ نتیجہ دیکھنے کے لئے اوپر دوڑ گئی۔ واپس آئی تو اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

"واقعی تم حیرت انگیز ہو۔ ایک گولی بھی ٹارگٹ کے باہر نہیں گئی۔"

"شکریہ! میرے اپنے لوگوں کی نظروں میں ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں وہ صرف کام چاہتے ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ عمران کے کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ "اب شائد تم کافی پینا پسند کرو گے۔"

"واقعی بڑی شدت سے طلب محسوس ہو رہی ہے۔" عمران نے کہا۔ وہ اب بھی کرنل مکرم ہی کے میک اپ میں تھا۔ یعنی چہرہ بدستور ڈاڑھی دار تھا۔ نہ کسی نے میک اپ اتارنے کو کہا اور نہ اُس نے اُتارا۔

"اچھا تو تم چلو اپنے کمرے میں۔ میں کافی بھجواتی ہوں۔"

"کسی مرد سے بھجوانا۔ مجھے وہ لڑکی اچھی نہیں لگتی۔"

"اوہو۔ وہ اس زیرزمین بستی کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہے۔"

"قطعی نہیں۔ یہاں تم سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔"

"شکریہ! میں اس تعریف کو کیا سمجھوں۔"

"خالص تعریف! اس میں کسی قسم کی بھی ملاوٹ نہیں ہے۔"

وہ اُسے کمرے کے سامنے چھوڑ کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مرد ہی کافی لایا تھا۔ اعلیٰ درجے کی کافی تھی۔ لیکن یہ کیا ہوا.... پھر وہی چکر۔ پھر مردودوں نے بیہوشی آور کافی پلوا دی۔ کافی کی ٹرالی لانے والا جا چکا تھا۔

اُب کیا ہو گا۔ آخر اب کیا چاہتے ہیں۔ تو گویا ابھی تک کلارا اس سے کھیلتی رہی تھی۔ اونہہ ہو گا۔ جہنم میں جائے۔ نیند تو شاندار آئے گی۔ وہ پیالی ختم کر کے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ

سناٹے میں جیگوار کی آواز گونجی۔

"کیا بے ہوش ہوگئے مسٹر عمران۔"

"نہیں بس ہونے ہی والا ہوں۔ آخر یہ کیا چکر ہے۔"

"اب تھوڑی سی تفریح میں بھی کرلوں گا۔" جیگوار کی آواز آئی۔

"میں نہیں سمجھا۔" عمران کو اپنی آواز ایسی لگی جیسے کسی کنوئیں کے اندر سے بول رہا ہو۔

"تم نے کلارا کو متاثر کیا ہے۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

"وہ خود ہی متاثر ہوئی ہوگی۔ میں نے تو اس کے لئے کوشش نہیں کی تھی۔"

"یہ اور بُرا ہے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" کہہ کر وہ کروٹ لینے ہی والا تھا کہ جیگوار کی آواز آئی۔

"تم سن رہے ہو مسٹر عمران۔"

"ہاں ابھی تو سن رہا ہوں۔"

"تو سنو! میری تفریح یہ ہوگی کہ میں تمہیں کرنل مکرم کی حیثیت سے تمہارے آئی ایس آئی والوں کے حوالے کردوں۔"

"نہیں!" عمران زور سے چیخا اور اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"تم پہلے بھی کوشش کرچکے ہو کہ سنگزاد کی لاش تمہیں مل جائے۔ لہٰذا وہ تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کریں گے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"میں جانتا ہوں مسٹر عمران، انہی لوگوں کے ہاتھوں تم اپنے انجام کو پہنچو گے۔"

عمران کی زبان سے آخری جملہ نکلا "پہنچ گیا۔"

اور پھر وہ سچ مچ خراٹے لینے لگا تھا۔ جیگوار کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔ لیکن اب وہاں سننے والا کون تھا۔

عمران سیریز نمبر 114

خطرناک انگلیاں

(تیسرا حصہ)

پیشرس

خطرناک انگلیاں ملاحظہ فرمائیے۔

ابھی میری علالت کا سلسلہ جاری ہی ہے۔ امراض جگر سے جلد چھٹکارا نہیں ہوتا۔ پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا ہوں۔ لیکن اتنا تو کر ہی سکتا ہوں کہ جیسے تیسے آپ کو انتظار کی مزید زحمت سے بچا لوں۔ لہٰذا کتاب حاضر ہے ۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ پڑھنے والوں کو مطمئن کر سکوں۔ اس کے باوجود بھی اگر کسی صاحب کو بہت زیادہ مزہ نہ آئے تو بیمار سمجھ کر معاف کر دیں۔ بس دعا کرتے رہئے کہ پوری طرح آپ کی خدمت کے قابل ہو جاؤں۔

اچھا اَب پوری بات سن لیجئے اور پھر مجھ پر الزام لگایئے گا کہ میں حکومت سے کوئی انعام لینا چاہتا ہوں یا ایک سرمایہ دار گھرانے کے نام سے منسوب انعام کا متمنی ہوں۔ اگر میں اُس سوال کے جواب میں کوئی مقالہ لکھ رہا ہوتا تو اگلی سطریں مندرجہ ذیل ہوتیں۔

"شہنشاہیت نے اسلامی سماجی ارتقاء کی راہ روک لی تھی۔ ورنہ دنیا کو بھانت بھانت کے ازموں (ISMS) کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔"

اور بھائی اسلام کو تماشا بنا لیا ہے یار لوگوں نے جسے دیکھو ایک نئی تفسیر لئے دوڑا آرہا ہے۔ لیکن اب وہ وقت دور نہیں جب دودھ کا

دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ انشاء اللہ عالم اسلام بیدار ہو رہا ہے۔

اور ہاں اس خیال کو دل سے نکال دیجئے کہ میں اپنے ہی جیسے کسی انسان سے انعام کا خواہاں ہوں۔ اس کا تصور بھی مجھے احساسِ کمتری کے گڑھے میں دھکیل دے گا۔ میرے لئے میرے اللہ کا یہی انعام کافی ہے کہ کتب فروش میری کتابوں کو "کرنسی نوٹ" کہتے ہیں۔

اُمید ہے کہ آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی۔ بھائی صاحب اگر میرے سر میں لیڈری کا سودا سماتا تو کبھی کا لیڈر بن کر اَب تک دریا بُرد ہو چکا ہوتا۔ کیا سمجھے! میری طرف سے بدگمان نہ ہوا کیجئے۔ میں ہمیشہ غریب مسلم عوام کے ساتھ رہا ہوں اور انشاء اللہ مرتے دم تک رہوں گا۔ کیونکہ میں بھی غریب ہی ہوں۔ غربت ہی میں ہوش سنبھالا تھا اور اللہ سے دعا ہے کہ غریبوں کے ساتھ مجھے اٹھائے۔ آپ کی باتوں نے مجھے بہت زیادہ دکھی کر دیا ہے بہر حال خدا آپ کو خوش رکھے۔

والسلام

ابنِ صفی

یکم مئی ۱۹۸۰



آئی ایس آئی والوں نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ کیونکہ کرنل مکرم پروفیسر شکور والے ہوٹل کے کمرے میں بیہوش پڑا ملا تھا اور پروفیسر شکور کا کہیں پتا نہیں تھا۔ پولیس پہلے ہی سے پروفیسر شکور سے متعلق پوچھ گچھ کرتی پھر رہی تھی کہ کسی طرح اُس کی رسائی دینار ہوٹل تک ہوگئی۔

بلیک زیرو کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے بحیثیت ایکس ٹو ان لوگوں سے رپورٹ طلب کرلی جو دینار ہوٹل کی نگرانی کر رہے تھے۔ یہ ظفرالملک اور جیمسن تھے۔

"یس سر۔" ظفرالملک بولا۔ "پولیس کو کئی دنوں سے پروفیسر کی تلاش تھی۔ وہ دینار ہوٹل تک جا پہنچی۔ پروفیسر کئی دنوں سے غائب تھا۔ کنجی کاؤنٹر کلرک کے پاس تھی۔ پولیس نے کنجی حاصل کر کے کمرہ کھولا۔ وہاں سے کوئی کرنل مکرم اس حال میں برآمد ہوا کہ اُس کا جسم رسیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ بحالت بیہوشی ملا تھا۔ ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق اسے افیون کے انجکشن کے تحت رکھا گیا تھا۔ اُسے بالآخر آئی۔ ایس۔ آئی والے لے گئے۔ پروفیسر کے کمرے سے اُس کے کاغذات بھی برآمد ہوئے ہیں جو پولیس کے بیان کے مطابق جعلی ہیں۔"

"کرنل مکرم کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر کے مجھے ایک گھنٹے کے اندر مطلع کرو۔" بلیک زیرو نے کہا۔

"بہت بہتر۔" کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

اَب پروفیسر شکور آئی۔ ایس۔ آئی والوں کا بھی ٹارگٹ بن گیا تھا۔ ایک ڈپٹی ڈائریکٹر میجر شہاب پوچھ گچھ کرتا ہوا شہلا چوہدری تک بھی پہنچ گیا۔

"میں نے اُسے پروفیسر شکور کی حیثیت سے پہچانا۔ اس نے بھی مجھے پہچان لیا۔ لیکن دینار ہوٹل میں اُس کے قیام سے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ مقیم ہے۔" شہلا چوہدری میجر شہاب کو اپنا بیان لکھواتی رہی۔ "رائفل کلب میں اس کے مظاہروں کی میں تنہا ذمہ دار نہیں ہوں۔ کلب کے سیکریٹری بریگیڈیئر سالم نے اس کی اجازت دی تھی۔ وہ بھی پروفیسر کے پرانے شناساؤں میں سے تھے اور کلب کے متعدد ممبروں کی سفارش پر وہ دعوت نامہ اس کے نام جاری کیا گیا تھا۔"

"آپ خصوصیت سے انٹرسٹڈ نہیں تھیں؟" میجر شہاب نے پوچھا۔

"صرف اس حد تک کہ میں نے پروفیسر سے بہت کچھ سیکھا تھا۔"

"دینار ہوٹل تو آپ ہی لوگوں کی ملکیت ہے۔" میجر شہاب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا یہ حیرت انگیز نہیں ہے کہ اُس نے قیام کے لئے بھی آپ ہی کے ہوٹل کا انتخاب کیا۔"

"ہوسکتا ہے حیرت انگیز ہو۔ لیکن اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔"

دینار ہوٹل کے منیجر اور کاؤنٹر کلرک اپنی نوکریوں سے بیزار نہیں تھے جو کوئی ایسا بیان دے بیٹھتے جس سے مالک کی بیٹی پر حرف آتا۔

اُدھر کرنل فیضی نے عمران کے سلسلے میں سر سلطان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ فون پر گفتگو ہوتی تھی۔ آخر سر سلطان نے ایک بار جھلا کر کرنل فیضی کو جواب دیا۔ "عمران شہر میں موجود نہیں۔ میں نے ایک کام سے اُسے ملک کے باہر بھیجا ہے لہٰذا آپ لوگ براہِ کرم اُس کے فلیٹ کا محاصرہ ختم کر دیجئے۔ ورنہ میں اس بات کو آگے بڑھانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

یہاں تو بات ختم ہوگئی، لیکن اُدھر ظفرالملک نے بلیک زیرو کو رپورٹ دی۔

"سنگرزاد کی لاش کو شمالی علاقے کی تجربہ گاہ تک پہنچانے کے لئے کرنل مکرم کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ وہ بروقت آرمی کے ہیلی پیڈ پر پہنچ گیا اور ایک ہیلی کوپٹر کے ذریعے لاش شمالی علاقے کی طرف روانہ کر دی گئی۔ لیکن دو دن گزر جانے کے بعد بھی ہیلی کوپٹر واپس نہیں آیا اور کرنل مکرم یہاں پروفیسر شکور کے کمرے میں پایا گیا۔ پروفیسر مکرم کا بیان ہے کہ اُسے کچھ لوگوں نے اغوا کیا تھا اور زبردستی مارفیا کے انجکشن لگاتے رہے تھے۔"

"ٹھیک ہے۔" بلیک زیرو نے ایکس ٹو کی آواز میں کہا۔ "تم دونوں آئی۔ ایس۔ آئی والوں کی مصروفیات سے مجھے آگاہ رکھو۔"

ظفر الملک نے رابطہ منقطع کر کے جیمسن کو اس گفتگو سے آگاہ کیا اور جیمسن تنک کر بولا۔

"میری مصروفیات میں خلل پڑ رہا ہے۔ ان فضولیات سے۔ آج کل میں میر تقی میر اور نظیر اکبر آبادی کو پڑھ رہا ہوں۔"

"اس کے باوجود بھی تمہاری صحت بدستور ہے۔"

"سو میں بھی ہوں آدمی۔"

"میر تقی میر سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔"

"آہ وزاری کا سلیقہ پیدا ہوگا اور میں اس دور کے کلچر کو سمجھنے کے قابل ہو سکوں گا۔ 'سو میں بھی ہوں آدمی'۔"

"اُس دور کے کلچر کو تم نے سمجھ بھی لیا تو تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔"

"وہی فائدہ جو ڈاڑھی سے پہنچ رہا ہے۔" جیمسن ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"فضول بکواس مت کرو۔ تم وقت ضائع کرنے کی مشین بنتے جا رہے ہو۔"

"ہم میں کون ہے جو وقت ضائع کرنے کی مشین نہیں ہے۔ کون دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے کسی افادیت کا حامل ہے۔"

"اردو بھی گاڑھی قسم کی بولنے لگے ہو۔"

"مطالعہ کا نتیجہ ہے۔"

"میں کہتا ہوں ختم کرو۔ یہ بکواس سنا ہے جوزف چرس پینے لگا ہے۔"

"ضرور پینے لگا ہوگا۔ اُسے چھوٹ ہی اتنی ملی ہوئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہز میجسٹی عمران دی گریٹ کس دماغ کے آدمی ہیں۔ ہم میں سے کوئی ذرا سی چکھ بھی لے تو قیامت او۔ اس کے لئے چھ بوتلیں یومیہ کا انتظام۔ اب شراب بندی ہوئی ہے تو وہ چرس پیئے گا۔"

"عادی نشے باز ہے اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم شراب ترک کر کے مر تو نہیں گئے۔"

"آپ آخر کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"کتابیں چاٹنے کی بجائے کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔"

"مجھے بھی چرس پینے کی اجازت دلوا دیجئے۔"

ادھر جوزف چرس کے ایکسٹریکٹ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ جو شیدی اُسے سپلائی کرتا تھا دھر لیا گیا۔

دفعتاً ایک میلی کچیلی عورت سے ملاقات ہوئی وہ اُسے دیکھ کر رکتی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "کیا تم شیدی جمال کے گاہک ہو؟"

"ہاں ہاں!" جوزف نے زور سے سر ہلایا۔

"کیفے میلکم چلے جاؤ۔ مالکہ کا نام میریا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ خاتون۔" جوزف کے دانت نکل پڑے۔ وہ کیفے میلکم کی طرف روانہ ہو گیا جو اُسی گندی سی بستی کے ایک گوشے میں واقع تھا۔ شیدی جمال پکڑا نہ جاتا لیکن اُس نے مجرموں اور پولیس کے درمیان آنکھ مچولی شروع کرادی تھی۔ دراصل وہ پولیس انفارمر بھی تھا اور اسی لئے دھڑلے سے بزنس کرتا تھا لیکن پھر اس نے پولیس کو بھی دھوکا دینا شروع کر دیا اور بالآخر پکڑا گیا۔ جوزف کی شناسائی صرف اسی سے تھی اور کسی کو نہیں جانتا تھا۔ وہ کیفے میلکم پہنچ گیا۔ اس کی مالکہ ایک بوڑھی یوریشین عورت تھی۔ شراب بندی سے قبل یہ میلکم بار تھا۔

جوزف کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ "میں شیدی جمال کا گاہک ہوں۔"

"کیا چاہیئے؟" بوڑھی نے بے رخی سے پوچھا۔

"ایکسٹریکٹ.....!"

"وہ تمہیں یہاں نہیں ملے گا۔"

"مگر میں جمال کا گاہک ہوں اور مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

"میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ تم یہیں کھڑے ہوئے ہو۔ لیکن ایکسٹریکٹ کا بزنس دوسرے کے پاس ہے۔ تمہیں بندرگاہ کے علاقے میں جانا پڑے گا۔ یہ کارڈ رکھو۔" اس نے کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک کارڈ نکال کر جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ جوزف نے اس پر نظر ڈالی کسی شاجا مانجھی کا نام اور پتہ تحریر تھا۔ وہ اُس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے بھی چل پڑا۔ پھر وہ شاجا مانجھی تک بھی پہنچ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اپنا کارڈ دیکھ کر شاجا نے تیموں کی سی شکل بنائی اور بولا۔

"یہاں کہاں دھرا ہے ایکسٹریکٹ! جمال اسی لئے دھر لیا گیا کہ مال ساتھ لئے پھرتا تھا۔"

"پھر کدھر چلے گا۔" جوزف نے پوچھا۔

"ماہی بندر پر۔ ٹرالر ہے ہمارا۔ مال وہیں ہے۔ تمہیں اُدھر ہی چلنا پڑے گا۔ گھبراؤ نہیں گاڑی ہے اپنی۔ تمہیں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔"

"چلے گا۔" جوزف سر ہلا کر بولا۔

شاجا مانجھی کی کھٹارا کار میں بیٹھ کر وہ ماہی بندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شاجا خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ جوزف نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا کہ شاجا بہت خوش اخلاق اور پیارا آدمی ہے۔ ماہی بندر پہنچتے پہنچتے دونوں میں گاڑھی چھننے لگی اور ٹرالر میں پہنچتے ہی شاجا مانجھی نے ہانک لگائی۔ "جوزف بھائی کے لئے کافی لاؤ۔"

"ارے نہیں اس کا کیا جرورت!" جوزف کے دانت نکل پڑے۔

"واہ جوزف بھائی۔ اس وقت تم مہمان ہو۔ لو جب تک یہ سگریٹ پیئو۔ ایکسٹریکٹ ہی والا ہے۔"

جوزف دیر سے ترسا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ سے سگریٹ جھپٹ کر سلگانے لگا۔ اتنے میں کافی بھی آ گئی۔ گویا پہلے ہی سے تیار تھی۔

جوزف مگن مگن کافی کے گھونٹ اور سگریٹ کے کش لینے لگا۔ لیکن اُسے ہوش نہیں کہ پہلے کافی ختم ہوئی تھی یا سگریٹ! دوبارہ ہوش آیا تھا تو اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور ٹرالر حرکت کر رہا تھا۔

ٹرالر کے نچلے حصے میں وہ تنہا نہیں تھا۔ اُسی کی طرح آٹھ دس اور بھی بندھے پڑے ہوئے تھے۔

"شش شاجا بھائی کدھر ہے۔" جوزف نے ایک ہمسفر سے پوچھا۔

"بھائی کہتے ہو! قسائی ہے سالا قسائی۔" ہمسفر بولا۔ "پتا نہیں حرامی ہمیں کہاں لئے جا رہا ہے۔"

جوزف کا حلق خشک ہونے لگا۔



عمران بے دست و پا بستر پر پڑا ہوا تھا۔ بے دست و پا یوں کہ قوت ارادی نہ جانے کہاں غرق ہو گئی تھی۔ ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ ذہن بالکل سپاٹ تھا۔ اور یادداشت کا یہ عالم تھا کہ کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ بستر پر چت پڑا چھت کو تکتا رہا۔

یہ ایک چھوٹا سا کیبن تھا۔ دیوار سے لگے ہوئے کلاک نے بارہ بجائے۔ گھنٹے کی آوازیں اُسے ایسی لگی تھیں جیسے کھوپڑی پر بارہ ہتھوڑے چل گئے ہوں۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے کیبن کا دروازہ کھولا۔ اور ایک چھوٹی سی ٹرالی سمیت اندر داخل ہوا۔

یہ ایک سیاہ فام آدمی تھا۔ اُس نے سوئچ آن کر کے کیبن میں روشنی کر دی اور عمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "ناشتہ کر لو۔" زبان انگلش تھی۔

"میں اٹھ نہیں سکتا۔" عمران نے کہا۔

"کوشش کرو۔ میں تمہارے منہ میں چمچہ تو نہیں دوں گا۔" سیاہ فام بولا۔

"اچھا تو مجھے اٹھ بیٹھنے میں مدد تو دے سکتے ہو۔"

"اچھا۔ دیکھتا ہوں۔" کہہ کر سیاہ فام نے اُسے بستر ہی پر بیٹھ جانے میں مدد دی تھی۔

"کیا یہ کوئی اسٹیمر ہے۔" عمران نے نحیف آواز میں پوچھا۔

"نہیں ٹرالر ہے۔" سیاہ فام نے جواب دیا۔ "بڑے جھینگوں کا شکار ہو رہا ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔" عمران نے کہا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کافی پاٹ کے ساتھ سی فوڈ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے دو بڑے جھینگے کھائے اور کافی پینے لگا۔ سیاہ فام نے اُس سے کہا۔ "تم تو ٹرالر پر قدم رکھتے ہی بیمار ہو گئے۔ حالانکہ ہماری مدد کرنے آئے تھے۔"

"کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب بیمار پڑ جائے گا۔"

"نمبر تین قسم کے جھینگوں پر تمہیں ریسرچ کرنی تھی۔"

"اچھا.... ہاں....!" عمران سر ہلا کر رہ گیا۔

"اب تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ ہمارا ٹرالر نمبر تین قسم کے جھینگوں کے علاقے میں داخل ہی ہونے والا ہے۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں کہ میرے اعصاب قابو میں آ جائیں۔" عمران نے بے بسی سے کہا۔ کافی پی چکنے کے بعد بے اختیار دل چاہا کہ پھر لیٹ جائے۔ لیکن دل پر جبر کئے بیٹھا رہا۔

سیاہ فام آدمی ٹرالی کیبن سے نکال لے گیا۔ عمران بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ ذہن کی کہر چھٹ رہی تھی۔ یادداشت کی جھلکیاں شعور کی سطح پر ہیجان سا برپا کرنے لگیں اور پھر یک بیک اُسے یاد

آ گیا کہ وہ کون ہے اور اُس پر کیا گذری تھی۔ اُس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ کرنل مکرم کا میک اپ بدستور موجود تھا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی۔ لیکن جیگوار نے تو کہا تھا کہ وہ اُس کو اُسی حالت میں آئی۔ ایس۔ آئی والوں کے حوالے کر دے گا۔ لیکن یہ نمبر تین قسم کے جھینگوں کا کیسا قصہ نکل آیا۔ جھینگے.... آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ٹرالر انہیں کا ہو گا۔ لیکن وہ تو شمال مغربی کوہستان میں تھے اور یہ سمندر ہے۔ سلسلہ کہاں سے ملا۔ اسی الجھن میں وہ پوری طرح بیدار ہو گیا۔ ساری توانائیاں بھی عود کر آئیں۔

بستر سے فرش پر اُتر آیا اور مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔ کیا کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ فطری عمل تو یہی ہونا چاہئے۔ تو پھر دیکھا جائے گا اس نے کیبن کا دروازہ کھولا اور عرشے پر نکل آیا۔ ٹرالر نے جال ڈال رکھے تھے اور آہستہ روی سے ایک جانب چل رہا تھا۔ عمران کو عرشے پر زیادہ تر دیسی لوگ دکھائی دیئے جنہوں نے اس کی طرف قطعی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن جیسے ہی چند سیاہ فاموں نے اُسے دیکھا ٹرالر میں کسی قدر ہلچل نظر آنے لگی۔

اور پھر ایک بلند و بالا سیاہ فام آدمی دکھائی دیا جو تیزی سے اُسی کی جانب آ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر بولا۔ "میں کیپٹن سلواس ہوں مسٹر خان۔"

"اوہ.... اچھا!" عمران نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

"آپ بیماری ہی کی حالت میں ہم تک پہنچے تھے۔"

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" عمران نے کہا۔ "لیکن اس علالت نے میری یاد داشت پر کسی قدر اثر ضرور ڈالا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔ مسٹر خان۔"

"میں نہیں جانتا کہ مجھے یہاں کیوں بھیجا گیا ہے۔"

"بظاہر تیسری قسم کے جھینگوں پر ریسرچ۔"

"لیکن بباطن....!" عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

اس نے دوربین اپنے گلے سے اتار کر عمران کو تھماتے ہوئے ایک جانب اشارہ کیا۔ "اُدھر دیکھئے مسٹر خان۔"

عمران نے دوربین آنکھوں سے لگائی اور بتائی ہوئی سمت دیکھتا رہا۔ کسی جزیرے کے آثا

تھے۔ "ہاں! میں دیکھ رہا ہوں۔"

"اُس جزیرے کے آس پاس بہترین قسم کے جھینگے پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کے باشندے نہ خود ماہی گیری کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ کئی بار ہمارے ٹرالر پر فائرنگ کر چکے ہیں۔"

"تو پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا۔"

"گفت و شنید! ہماری بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اچھا.... اچھا.... میں سمجھ گیا۔"

"بس یہی کرنا ہے آپ کو مسٹر خان۔ اگر وہ لوگ خود ہی ماہی گیری کرتے ہوتے تو ہم اُن کے جزیرے کے پاس بھی نہ پھٹکتے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اور مسٹر خان۔ آپ اپنی ضروریات سے براہِ راست مجھے آگاہ کریں گے۔"

"ضرور.... ضرور۔" عمران نے کہا۔



پھر جوزف کے ہاتھ کھول دیئے گئے تاکہ وہ بہ آسانی کھا پی سکے اور چرس کے سگریٹ استعمال کر سکے۔ لیکن جو برتاؤ اُسکے ساتھ ہوا تھا اُسکے بارے میں کوئی اس سے گفتگو کرنے پر تیار نہیں تھا۔

اس نے ایک پڑوسی سے پوچھا۔ "تم کیسے آیا تھا۔"

"چرس کا چکر اور کیا؟" پڑوسی نے جواب دیا۔

"کس کا گاہک تھا....؟"

"شیدی جمال کا....!"

"ہم بی تھا۔" جوزف نے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر اُسی شام کو جوزف کے پیر بھی کھول دیئے گئے اور اُسے ٹرالر کے کپتان کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ ایک سخت گیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔

جوزف [illegible]

"تم انگریزی میں گفتگو کر سکتے ہو۔" اس نے بالآخر جوزف سے سوال کیا۔

"ہاں، کر سکتا ہوں۔"

"کہاں کے باشندے ہو۔"

"اَب تو یہیں کا ہوں۔ پہلے کبھی تنزانیہ کا تھا۔"

"بال بچے ہیں!"

"نہیں تنہا ہوں۔ مگر کیوں؟"

"شائد بیکار بھی تھے....!"

"نہیں کچھ ایسا زیادہ بیکار بھی نہیں تھا۔"

"بہر حال تمہاری نوکری لگ گئی ہے۔"

"زبردستی! میں کب نوکری کا خواہاں ہوں۔ پھر میرا ایک مالک موجود ہے۔"

"کیا تنخواہ دیتا تھا۔"

"سو روپے یومیہ۔"

"کیا کام کرتے تھے؟"

"اُس کا باڈی گارڈ تھا۔"

"ہم ڈیڑھ سو روپے یومیہ دیں گے اور چرس کا ایکسٹریکٹ مفت۔"

جوزف متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ پھر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ "لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا۔"

"یہ وہیں پہنچ کر معلوم ہوگا جہاں لے جائے جا رہے ہو۔"

"شاجاما نجھی کہاں ہے۔"

"اب اُسے بھول جاؤ۔ وہ ہمارا ایک معمولی سا ایجنٹ ہے۔"

"اور مجھے جانا کہاں ہے۔"

"جلد ہی پہنچ جاؤ گے۔ ہاں اگر کسی کے باڈی گارڈ تھے تو تمہارا نشانہ بھی اچھا ہوگا۔"

"اندھیرے میں آواز پر نشانہ لگا سکتا ہوں۔"

رات کو کسی وقت کہیں وہ ٹرالر لنگر انداز ہوا تھا۔ جوزف اور اُس کے ساتھی قیدیوں

ساحل پر اتار دیا گیا۔

چاروں طرف گھورا اندھیرا تھا۔ جو لوگ انہیں لینے آئے تھے مسلح تھے اور ان کے ساتھ ایک پرانی لاری تھی۔ انہیں اس لاری پر بٹھا دیا گیا اور لاری چل پڑی۔ جوزف خاموش تھا سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں کس جال میں پھنس گیا ہے۔ کاش باس کا کہنا مان لیا ہوتا۔ لیکن وہ سلیمان کا بچہ.... چرس کی تو اُسی نے سجھائی تھی اور رشیدی جمال سے بھی ملوایا تھا۔ مستقل کان کھاتا رہا تھا جب اُس نے چرس شروع نہیں کی تھی۔ لیکن وہ عمران کو یہ سب کچھ نہیں بتا سکا تھا۔

لاری بھی بالآخر ایک جگہ رکی تھی اور ان سے اُترنے کو کہا گیا تھا۔ جوزف نے گھڑی دیکھی رات کے تین بجے تھے۔ جس عمارت میں انہیں اُتارا گیا تھا بہت بڑی نہیں تھی۔ جوزف تو بستر پر گرتے ہی غافل ہو گیا تھا۔

دوسری صبح جاگا تو کئی شکلیں نظر آئیں۔ لیکن ان میں کوئی سیاہ فام نہیں تھا۔ قریب قریب بھی مقامی لوگ تھے۔ ناشتے کے بعد اُسے نئے باس کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ ایک بوڑھا لیکن بہت چالاک آدمی تھا۔ اُس نے جوزف کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر پوچھا۔ "کب سے چرس پی رہے ہو؟"

"شراب بندی کے بعد سے۔" جوزف نے جواب دیا۔

"کسی کے باڈی گارڈ تھے۔"

"ہاں! میں کسی کا باڈی گارڈ تھا اور دھوکے سے یہاں لایا گیا ہوں۔"

"تو گویا تمہیں یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔"

"اَب اس قصے کو رہنے دو۔ چرس مجھے یہاں لائی ہے۔"

"آزادی سے۔ یہاں تمہیں کسی قسم کا دھڑکا نہیں ہوگا۔"

"چلو ختم کرو۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"میرے جزیرے کے اطراف میں بہت عمدہ قسم کے جھینگے پائے جاتے ہیں۔ ایک ٹرالر یہاں جال لگانا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بحری پولیس کا ٹرالر ہو۔ اور ہماری ٹوہ میں ہو۔ اُس ٹرالر پر زیادہ تر سیاہ فام اور انگلش بولنے والے ہیں۔ معقول معاوضہ ادا کر کے وہ یہاں سے جھینگے پکڑنا چاہتے ہیں۔ تم اُن سے بات کرو گے اور یہ بھی دیکھو گے کہ کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے۔ اگر اُن سے معاملات طے ہو گئے تو تمہیں اُسی ٹرالر پر رہنا ہوگا۔"

"مجھے یہ کام سوٹ کرے گا۔"

"ویسے تمہیں کس بات پر زیادہ دھیان دینا ہوگا۔"

"اس پر کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"ٹھیک ہے تم یہ کام کر سکو گے۔" بوڑھے نے کہا۔ "آج اُن کا ایک آدمی گفت و شنید کے لئے یہاں آئے گا۔ تمہاری موجودگی ضروری ہوگی۔"

"میں موجود رہوں گا۔"



عمران نے اس معاملے پر بہت غور کیا تھا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ اس ٹرالر تک جیگوار ہی کے توسط سے پہنچا تھا۔ یعنی یہ ٹرالر بھی انہی لوگوں کا ہو سکتا تھا۔ تو پھر یہ جھینگوں کا کیا چکر ہے۔ کہاں سنگزادوں کی نمائش اور کہاں ماہی گیری۔ اور پھر ماہی گیری بھی اس قدر دَب دَب کر! یعنی وہ جزیرے کے لوگوں سے معاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ اپنی قوت کے بل بوتے پر زبردستی بھی یہ کام کر سکتا تھا۔

کیپٹن سلواس کے بیان کے مطابق وہ اسمگلرز کا جزیرہ تھا اور وہاں منشیات سازی کے کارخانے قائم تھے۔

بہرحال آج اُسے ایک چھوٹی کشتی پر بیٹھ کر جزیرے کے ساحل تک جانا تھا اور وہاں اُن اسمگلرز سے ماہی گیری سے متعلق گفت و شنید کرنی تھی۔ ساتھ ہی اُس رقم کی پہلی قسط بھی ادا کرنی تھی جو ماہی گیری کے معاوضے کے طور پر طے ہو جاتی۔ کیپٹن سلواس کے بیان کے مطابق رقم کی ادائیگی ڈالروں میں کی جاتی۔

ٹھیک نو بجے ٹرالر سے ایک چھوٹی موٹر بوٹ پانی میں اتاری گئی۔ عمران اس پر تنہا تھا اور اب بھی کرنل مکرم ہی کے میک اپ میں تھا۔ بس وردی نہیں تھی جسم پر۔

وہ موٹر بوٹ کو ساحل کی جانب اسٹیئر کرنے لگا۔ قریب پہنچا تو ایک مخصوص جگہ سے اشارہ موصول ہوا۔ گویا وہ لوگ چاہتے تھے کہ کشتی اُدھر ہی لنگر انداز ہو۔ عمران نے اُسی جانب کشتی کا رخ موڑ دیا۔

وہ غیر مسلح نہیں تھا اُس کے ہولسٹر میں اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور موجود تھا اور پیٹی کارتوسوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ کیپٹن سلواس نے فراہم کیا تھا۔ کشتی ساحل سے جا لگی اور عمران نے لنگر ڈال دیا۔ تین مسلح آدمی اس کی پیشوائی کو بڑھے۔ تینوں دیسی تھے۔

"کچھ.... پیدل چلنا ہوگا۔" اُن میں سے ایک بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" عمران نے جواب دیا۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا اور وہ ایک چھوٹی سی عمارت تک پہنچ گئے۔ یہاں بھی کئی افراد موجود تھے۔ ایک بوڑھا صدر نشین تھا۔ لیکن عمران پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ انہی لوگوں میں اُسے جوزف بھی دکھائی دیا تھا۔ پہلے تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا لیکن حقیقت پھر حقیقت ہے۔ جوزف کسی بُت کی طرح جامد و ساکت کھڑا ہوا تھا۔

ماہی گیری سے متعلق گفتگو شروع ہوئی اور بوڑھے نے کہا۔ "میں اس جزیرے کا مالک ہوں۔ خالد مٹو میرا نام ہے۔"

عمران نے اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں ٹی۔ اے خان ہوں۔"

"آپ تو مقامی ہی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"ہاں! میں اس ٹرالر پر کام کرتا ہوں۔"

"ٹرالر کا مالک کون ہے۔"

"ایک غیر ملکی سیاہ فام مسٹر سلواس۔"

"ہاں میں نے بھی سنا تھا کہ وہ انگلش بولنے والے سیاہ فام لوگ ہیں۔"

"تو اب معاملے کی بات کیجئے مسٹر مٹو۔"

"چالیس ہزار ڈالر معاوضہ ہوگا۔"

"سیزن بھر کا؟" عمران نے پوچھا۔

"ہاں سیزن بھر کا۔"

"مجھے منظور ہے لیکن ہم رقم بالاقساط ادا کریں گے۔"

"کتنی اقساط میں۔"

"کم از کم پانچ اقساط میں۔ پہلی قسط میں ساتھ لایا ہوں۔"

"لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔"

"فرمایئے۔ مسٹر مٹو۔"

"میرا ایک آدمی تمہارے ٹرالر پر رہے گا۔ جب تک تم ہمارے سمندر میں رہو گے۔"

"ضرور ضرور مسٹر مٹو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

مٹو نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "مسٹر جوزف مگونڈا۔"

عمران نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "بڑی خوشی سے۔"

"اس کی مادری زبان بھی انگلش ہی ہے۔" مٹو نے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی مسٹر مگونڈا۔" عمران نے جوزف سے مصافحہ کیا۔

اس کے بعد اُس نے آٹھ ہزار ڈالر مٹو کے حوالے کر دیئے تھے۔ مٹو شمار کرتا رہا۔ پھر بولا۔

"تو یہ معاملہ بخیر و خوبی طے ہو گیا۔"

"اور مسٹر مٹو۔ آپ کو ہماری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"بس تو پھر ہماری دوستی بھی قائم رہے گی۔"

تھوڑی دیر بعد مجلس برخواست ہو گئی اور عمران جوزف سمیت اپنی کشتی میں آ بیٹھا۔ لیکن اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ فی الحال خود کو جوزف پر ظاہر نہیں کرے گا۔

جوزف قطعی خاموش تھا۔ اس کی تو عادت ہی تھی کہ صرف سوالات کے جواب دیتا تھا۔

"کس ملک سے تعلق رکھتے ہو۔" عمران نے پوچھا۔

"اسی ملک سے۔ کبھی تنزانیہ کا باشندہ بھی تھا۔"

"تم آخر ہمارے ٹرالر پر کیا دیکھو گے۔"

"وہ میں تمہیں کیوں بتاؤں مسٹر!" جوزف نے کہا اور تیز ہوا میں سگریٹ سلگانے کی کوشش کرنے لگا۔ عمران نے طویل سانس لی۔

"وہ سگریٹ نہیں سلگا سکا تھا اور کنکھیوں سے عمران کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"افسوس کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" عمران بولا۔

"اگر تم ایک منٹ کے لئے انجن بند کر دو تو۔"

"کیا حال ہی میں اسموکنگ شروع کی ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو...!"

عمران نے انجن بند کر دیا اور اس وقت سمندر میں تموج نہیں تھا۔ اس لئے کسی مزید دشواری کے بغیر جوزف کا کام ہو گیا۔

"شکریہ مسٹر!" اُس کے دانت نکل پڑے۔

عمران نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا اور کشتی کا رخ ٹرالر کی طرف موڑ دیا۔

"یہ تو چرس معلوم ہوتی ہے۔" عمران نے کہا۔

"شوق رکھتے ہو تو پیش کروں ایک سگریٹ۔"

"شکریہ! میں تو تمباکو بھی نہیں پیتا۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔ کیا تمہارے ٹرالر پر شراب مل سکے گی۔"

"پتا نہیں! وہیں کسی سے معلوم کر لینا۔ میں صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔"

کشتی ٹرالر کے قریب پہنچ گئی تھی۔ انہیں اوپر چڑھا لیا گیا۔

جلد ہی کیپٹن سلواس کے سامنے اُن کی پیشی ہوئی تھی۔ سلواس اس سے بے خبر تھا کہ وہاں کیا طے پایا ہے۔ عمران نے اُسے جوزف کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس سے کوئی تردد نہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جو تم نے طے کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ہم صرف جھینگے پکڑیں گے۔ ویسے تمہارے باس نے کس شبہے کے تحت یہ شرط رکھی ہے۔" اس نے جوزف سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا مسٹر۔"

"پھر تم یہاں کیا کرو گے؟"

"اپنے مالک کے مفادات کی نگرانی کروں گا۔"

سلواس مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ عمران کو اُس کی یہ مسکراہٹ معنی خیز لگی تھی۔ پھر سلواس نے کچھ ذاتی نوعیت کے سوالات کئے تھے اور جوزف سے تشفی بخش جوابات پا کر خاموش ہو گیا تھا۔

ٹرالر کے عملے کو جوزف کی حیثیت سے آگاہ کر دیا گیا۔ اب ٹرالر جزیرے کی سمندری حدود کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عمران تھوڑی دیر بعد دوبارہ سلواس کے کیبن میں داخل ہوا۔ وہ اس وقت شراب پی رہا

تھا۔ عمران کو دیکھتے ہی ہنس پڑا۔ اور بولا۔ "تم تو پیتے بھی نہیں ہو۔"

"جوزف پوچھ رہا تھا کہ کیا ٹرالر پر شراب مل سکے گی۔" عمران نے کہا۔

"اسے نہیں مل سکے گی۔ ہمارا کوٹہ محدود ہے۔" سلواس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیا تم چاہتے ہو کہ اس کی مدارات کی جائے۔"

"میں کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"

"اگر اُن کا پیشہ منشیات کی اسمگلنگ ہے تو ہونا ہی چاہئے۔"

"لیکن وہ یہاں ٹرالر پر کیا کرے گا۔ خالد مٹو کی یہ شرط میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"انہیں ہم سے خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"کس بات کا خطرہ۔"

"کہیں ہم جزیرے پر قبضہ کر لینے کی کوشش نہ کریں۔"

"کیا خیال ہے اگر ایسا ہوا بھی تو یہ ایک عدد مرغ یہاں کیا کر سکے گا۔"

"یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے مسٹر سلواس۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"ویسے مجھے حیرت ہے کہ خالد مٹو خود ہی جھینگوں کا کاروبار کیوں نہیں کرتا۔" عمران نے کہا۔

"اُسے کچھ دشواریاں ہیں۔"

"مجھے تو کوئی دشواری نظر نہیں آئی۔"

"میں نے یہی سنا ہے کہ وہ کسی دشواری کی بناء پر ایسا نہیں کر سکتا۔"

"کیا یہ واقعی بہت ہی اعلیٰ قسم کے جھینگے ہیں۔"

"جال پڑیں گے خود دیکھ لینا۔"

عمران اس کے کیبن سے نکلا ہی تھا کہ جوزف سے مڈبھیڑ ہو گئی وہ اُسے دیکھ کر رکتا ہوا بولا۔ "یہاں شراب تو ہے مسٹر خان۔"

"ہے لیکن ان کے کوٹے سے زیادہ نہیں ہے۔ لہٰذا شائد تمہیں نہ مل سکے۔"

وہ ٹہلتے ہوئے ڈیک کی طرف نکل آئے، یہاں پانی میں جال ڈالے جا رہے تھے۔

"تمہارا باس مٹو کیسا آدمی ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"بالکل نئی ہے میری ملازمت کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"مجھے اس پر بھی حیرت ہے کہ مٹو نے ایک ناتجربہ کار آدمی کو ٹرالر پر کیوں بھیج دیا۔"

"مجھے بھی کم حیرت نہیں ہے مسٹر خان۔"

"اس جزیرے میں کب سے ہو۔"

"صرف تین دن سے۔ اس سے پہلے میرا باس بھی دوسرا تھا۔ مجھے زبردستی اس ملازمت پر مجبور کیا گیا ہے۔ اسی لئے میں خود کو قربانی کے بکرے سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"تمہاری کہانی دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔"

"میں بے وفا نہیں ہوں میرے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔ میں اب بھی اپنے پہلے ہی آقا کا غلام ہوں۔ اس لئے تمہیں یہ بات بتا رہا ہوں۔ نہ بتاؤں تو میری دانست میں میری وفا پر حرف آئے گا۔"

"تم عجیب ہو مسٹر مگونڈا۔"

"شراب بندی سے قبل میرا آقا میرے لئے چھ بوتلیں یومیہ کا انتظام رکھتا تھا۔ حالانکہ خود اس نے کبھی چکھی بھی نہیں تھی۔ شراب بندی کے بعد میں چرس کے راستے پر لگ گیا۔ جس سے خریدتا تھا ایک دن وہ پکڑا گیا اور اس کے گاہکوں کو دوسرے اڈے بتائے گئے۔ ایکسٹریکٹ ذرا مشکل سے ملتا ہے اس کے لئے مجھے ان لوگوں کے چکر میں آنا پڑا۔ دھوکے سے مجھے ایک ٹرالر میں لے گئے۔ بہانا تھا کہ ایکسٹریکٹ وہیں ملے گا۔ ٹرالر پر نشہ آور کافی پلائی گئی اور دھوکے سے مجھے گرفتار کر کے اس جزیرے پر پہنچا دیا گیا۔ یہ ہے میری کہانی۔"

"بڑا ظلم ہوا ہے تمہارے ساتھ۔"

"لیکن بہرحال مجھے یہاں خالد مٹو کے مفادات کی نگرانی کرنی ہے۔" جوزف نے کہا۔

"تمہارا پہلا آقا کہاں ہے؟"

"کاش، مجھے معلوم ہوتا مسٹر خان! وہ ایک سیلانی آدمی ہے۔"

"کرتا کیا ہے؟"

"یہ تو مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔"

"تب تو وہ بھی کوئی غیر قانونی ہی کام کرتا ہوگا۔"

"خدا جانے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ میں تو صرف اس پر نظر رکھتا ہوں کہ مجھے اس کے لئے کیا کرنا ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" عمران نے کہا۔ "لیکن یہاں خالد مٹو کے خلاف کیا ہے؟"

"اسے خوف ہے کہ کہیں تم لوگ ماہی گیری کرتے کرتے کوسٹ گارڈز کے عملے میں نہ تبدیل ہو جاؤ۔"

"ایسی صورت میں تم تنہا کیا کر سکو گے مسٹر جوزف۔"

"کم از کم مٹو کو مطلع تو کر سکوں گا۔"

"جزیرے میں کیا ہے مسٹر گونڈا۔"

"خاصے بڑے رقبے پر حشیش کی کاشت ہوتی ہے اور چرس بنائی جاتی ہے۔ ایکسٹریکٹ بنانے کے کارخانے ہیں۔"

"تعجب ہے کہ کسٹمز کے حکام اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔"

"بہت بارسوخ آدمی ہے۔ اکثر منسٹروں کی آنکھوں کا تارا رہ چکا ہے۔"

"خیر مجھے کیا۔" عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

"یہ سیاہ فام کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں مسٹر۔" جوزف نے پوچھا۔

"مختلف ممالک کے لوگ ہیں، کسی کا تعلق جمیکا سے ہے کسی کا برازیل سے اور کوئی امریکن ہے۔"

"اور بیچارے جھینگے پکڑتے پھرتے ہیں۔ لیکن یہ کاروبار تو کسی مقامی ہی آدمی کا ہوگا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔" عمران نے کہا۔

ٹھیک اسی وقت کیپٹن سلواس کے اردلی نے عمران کو پیغام پہنچایا کہ اُس نے اُسے اپنے کیبن میں طلب کیا ہے۔

کیبن میں وہ تنہا تھا اور سامنے شراب بھی موجود نہیں تھی۔

"تمہاری کال ہے مسٹر خان۔" اُس نے ٹرانسمیٹر کی طرف اشارہ کیا۔

عمران نے ہیڈ فون کانوں پر چڑھائے اور کال ریسیو کی۔

دوسری طرف سے کلاراڈکسن کی آواز آئی۔ "تم اچھے تو ہو نا۔"

"اوہو۔ یاد آوری کا شکریہ۔"

"خالد مٹو سے معاہدے پر مبارک باد قبول کرو۔"

"مگر مقصد کیا ہے!"

"ہم اس جزیرے پر اس طرح قبضہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بظاہر خالد مٹو ہی کی تحویل میں رہے۔"

"لیکن اس کا ایک آدمی ٹرالر پر موجود ہے۔"

"اور اتفاق سے وہ بھی تمہارا ہی آدمی ہے۔"

"خدا کی پناہ! تم یہ بھی جانتی ہو۔"

"ہاں! عمران ہماری معلومات تمہارے سلسلے میں بہت وسیع ہیں۔ کیونکہ فی الحال تم ہمارا سبجیکٹ ہو۔ جوزف گونڈا تمہارا اغلام ہے۔ اگر تم خود کو اس پر ظاہر کردو تو خالد مٹو ہوا میں اڑ جائے گا۔"

"لیکن میں اُس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔"

"کسی اور طرح ہولڈ کرو۔ لیکن وہ تنہا کس طرح حارج ہو سکے گا۔"

"یہ نہ کہو۔ وہ ایک جنگجو آدمی ہے اور جنگی چالوں سے کماحقہ واقف ہے۔"

"خیر یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔ میں نے فی الحال اسی بہانے سے تمہیں جیگوار سے بچالیا ہے۔ ورنہ وہ تو تمہیں آئی ایس آئی والوں کے حوالے کرنے جارہا تھا۔ تم خود سوچو جب کرنل مکرم کے روپ میں تمہارا وجود سامنے آتا تو کیا ہوتا۔"

"اتنا بُرا ہوتا کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"بس تو پھر مجھ سے تعاون کرو۔"

"کر تو رہا ہوں۔ لیکن اب اس میک اپ سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔"

"فی الحال مناسب نہ ہوگا۔ اگر تم کچھ اور ثابت ہوئے تو کیپٹن سلواس اپنی خود اعتمادی کھو بیٹھے گا۔"

"چلو تمہارے کہنے سے کچھ دن اور سہی۔"

"جزیرے پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں کیپٹن سلواس سے بات کرو۔"

"بہت اچھا۔"

"فی الحال خدا حافظ۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہوگیا۔

عمران نے سوئچ آف کر کے ہیڈ فون اُتار دیا۔ اور کیپٹن سلواس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں مسٹر خان۔" سلواس مسکرا کر بولا۔

"ابھی تو نہیں نکلے لیکن عنقریب شائد نکل ہی آئیں۔"

"کیا ہدایت ملی ہے؟"

"وہی جو ملنی چاہئے۔"

"تو تم ہی اس مہم کے سربراہ ہو گے۔" سلواس نے کہا۔

"شائد! لیکن پھر میں اپنی مرضی سے کام کروں گا۔ کسی کی بھی دخل اندازی میری برداشت سے باہر ہو گی۔"

"ظاہر ہے مسٹر خان۔ وہ تمہاری فیلڈ ہو گی۔"

"میں پھر اطمینان سے اس مسئلے پر گفتگو کروں گا۔ ابھی تم جھینگے پکڑو۔"

وہ اپنے کیبن میں واپس آگیا۔ اس نئی سچویشن نے مزید الجھن میں ڈال دیا تھا۔ خواہ مخواہ کشت و خون ہو گا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے کیبن کے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" عمران نے اونچی آواز میں کہا اور جوزف دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"بیٹھو۔" عمران نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

جوزف بیٹھتا ہوا بولا۔ "یہاں مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔"

"قدرتی امر ہے۔ تم ان کی نیتوں پر شبہے کے تحت یہاں آئے ہو۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"ویسے تمہیں خالد مٹو سے بھی ہمدردی نہیں ہے۔"

"یہ حقیقت ہے مسٹر خان۔"

"اگر واقعی ہم اس کے جزیرے پر قبضہ کرلیں تو کیسی رہے۔"

"اُسے قانونی تحفظ حاصل ہے تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ بہرحال اس ملک کا ایک قانون ہے۔ وہ جزیرے کا مالک ضرور ہے لیکن آزاد نہیں ہے۔"

"کسی قسم کے جھگڑے کی صورت میں تمہارا کیا رویہ ہو گا۔"

"سب سے پہلے اپنی جان بچانے کی کوشش کروں گا۔"

"پھر وہ اُسی صورت میں ممکن ہو گا جب تم ہم سے مل جاؤ۔"

"آخر کس بناء پر۔ وہاں سے تو مجھے چرس کا ایکسٹریکٹ مفت ملتا ہے۔ یہاں تمہاری نیت سے ایک بوتل شراب بھی نہ نکل سکی۔"

"یہ بات معقول ہے مسٹر گونڈا۔ لیکن اُس صورت میں تمہارا کیا رویہ ہو گا جب یہ لوگ تمہیں شراب دینے پر آمادہ ہو جائیں۔"

"پھر میں سوچوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"یہ ناممکن ہے شراب اور چرس ساتھ نہیں چل سکیں گی۔"

"شراب نہ ملنے کی بناء پر چرس شروع کی تھی۔ وہ ملنے لگے تو پھر چرس کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔"

"فرض کرو یہاں تمہیں کسی سازش کا علم ہوتا ہے تو تم مٹو کو کس طرح آگاہ کرو گے۔"

"یہ ریوالور دیکھ رہے ہو مسٹر!" جوزف نے اپنے ہولسٹر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس کے دستے سے ایک ٹرانسمیٹر بھی منسلک ہے۔ کیا سمجھے۔ مٹو اس جزیرے کا بادشاہ ہے۔ اُس کے پاس کیا نہیں ہے۔"

عمران نے طویل سانس لی۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں تمہارے لئے شراب کا انتظام کردوں گا۔"

"بس تو پھر میری وفاداری بھی پرانی ڈگر کو چھوڑ دے گی۔"

"تم نے جزیرے کو گھوم پھر کر بھی دیکھا۔"

"نہیں! مجھے کچھ دیکھنے نہیں دیا گیا۔ صرف ایک عمارت تک محدود رکھا گیا تھا۔"

"تب تو اُسے تم پر بھی اعتماد نہیں ہو سکتا۔"

"عقل کے ناخن لو مسٹر! تین دنوں میں کون کس پر اعتماد کرے گا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھا اب تم اپنے کیبن میں جاؤ۔ کھانا اور شراب وہیں پہنچ جائیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر!" جوزف نے پیشانی کو انگلی سے چھو کر کہا اور کیبن سے نکل گیا۔



رات کے بارہ بجے تھے۔ اور ٹرالر جزیرے ہی کے ایک ساحل پر لنگر انداز تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ٹرالر کا عملہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہو لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ تین

دن سے جزیرے کے اطراف میں ماہی گیری ہوتی رہی تھی اور جوزف اس دوران میں مٹو کو اپنی خیریت سے مطلع کرتا اور ٹرالر والوں کی طرف سے اطمینان دلاتا رہا تھا لیکن آج شب عمران کی اسکیم کے مطابق اُن دونوں کو جزیرے میں پہنچنا تھا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ حملہ کدھر سے کیا جائے۔ دونوں نے غوطہ خوری کا لباس پہنا اور پانی میں اُتر گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں پانی میں روشن ہونے والی ٹارچیں بھی تھیں۔ وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر اس پوائنٹ پر رکے جس کا تعین عمران نے ماہی گیری کے دوران ہی میں کر لیا تھا۔

پانی سے وہ خشکی پر چڑھ گئے اور جوزف آہستہ سے بولا۔ "تمہارا اندازہ درست تھا۔ ادھر پہرے دار نہیں ہیں۔"

"اب تم دو تین گھونٹ پی لو۔" عمران اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

جوزف نے فلاسک سے دو تین گھونٹ لئے اور عمران کا شکریہ ادا کر کے بولا۔ "تم بہت اچھے آدمی ہو مسٹر خان۔ تمہارے قریب رہ کر مجھے نہ جانے کیوں اتنا سکون ملتا ہے۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ یہ ایک تنگ سا درہ تھا جس کی دوسری جانب کا علم انہیں نہیں تھا۔

"اگر درے کے دوسرے سرے پر پہرہ دار ہوئے تو۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مسٹر! پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ انہوں نے مجھے صرف ایک عمارت تک محدود رکھا تھا۔"

"اچھا تو تم یہیں ٹھہرو۔ میں آگے جا رہا ہوں۔" عمران نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے مسٹر خان۔ ہم دونوں ساتھ چلے تھے۔" جوزف بولا۔

"اچھا تو پہل کون کرے گا۔"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ میں ہی آگے چلتا ہوں۔" جوزف نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

عمران خاموشی سے اٹھا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ریوالور ہولسٹر سے نکال لیا تھا۔ درہ اُوپر سے کشادہ تھا۔ اس لئے تاروں کی چھاؤں میں وہ راستہ دیکھ سکتے تھے۔ درے کے اختتام پر پھر چٹانوں کا سلسلہ تھا۔ بالکل ایسا لگا جیسے راستہ ہی مسدود ہو گیا ہو۔

"یہاں تو پوری فوج چھپائی جا سکتی ہے۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" جوزف نے کہا۔ "لیکن ان چٹانوں کے آگے کیا ہوگا۔"

"کچھ بھی ہو۔ بہر حال جزیرہ ہی ہوگا۔" عمران بولا۔

"تم نے مناسب جگہ کا انتخاب کیا تھا مسٹر خان۔ اسی طرف سے بہتر طور پر حملہ ہو سکے گا۔ لیکن پتا نہیں مٹو کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ "جگہ ہم نے دیکھ لی۔ اب واپس چلنا چاہئے۔"

وہ واپسی کے لئے مڑے ہی تھے کہ کسی جانب سے ایک فائر ہوا اور وہ بڑی پھرتی سے لیٹ گئے۔ پھر تو چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری بٹالین نے انہیں گھیرے میں لے لیا ہو۔

لیکن وہ دونوں اپنے غوطہ خوری کے لباس کی وجہ سے تاریکی میں مدغم ہو کر رہ گئے تھے۔ فائرنگ اونچائی سے ہو رہی تھی گولیاں اُن کے بہت اوپر سے گذر رہی تھیں۔

"درے کی طرف رینگ چلو۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"تم نے دیکھا، مٹو غافل نہیں ہے۔" جوزف نے کہا اور تیزی سے درے کی طرف مڑ گیا۔ سینے کے بل کھسکتے ہوئے دونوں درے کی جانب بڑھتے جا رہے تھے۔ فائرنگ اب بھی ہو رہی تھی اور عمران سوچ رہا تھا کہ کہیں ٹرالر والے بھی کچھ نہ شروع کر دیں۔ ایسی صورت میں پوری اسکیم پر پانی پھر جاتا۔ درے سے گزر کر وہ پانی میں اُتر گئے۔ فائروں کی آوازیں یہاں بھی فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔

وہ غوطہ لگا کر تیزی سے ٹرالر کی طرف بڑھتے چلے گئے اور ایسے وقت ٹرالر پر پہنچے جب وہ وہاں سے لنگر اٹھانے ہی والا تھا۔

"ٹھہرو۔ مسٹر سلواس!" عمران نے کپتان سلواس کو آواز دی۔

"اوہو۔ تم خیریت سے ہو۔"

"ہاں.... اور اتنی جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ لنگر مت اٹھاؤ۔"

"کہیں وہ خود ہی ہم پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔"

"وہ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"لیکن اچانک فائرنگ کیوں ہونے لگی تھی۔ کیا تم لوگ دیکھ لئے گئے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ بہت چوکس ہیں۔ جزیرے میں چاروں طرف پہرہ رہتا ہے۔"

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔" سلواس نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

اتنے میں جوزف نے پیچھے ہٹ کر ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور ہٹ والے ٹرانسمیٹر پر کوئی پیغام ریسیو کرنے لگا۔ غالباً اسے اشارہ موصول ہوا تھا۔

مٹو کی آواز تھی وہ اُسے کال کر رہا تھا۔

"یس باس! اٹ از جوزف....!"

"کیا تم بتا سکو گے کہ ٹرالر سے کچھ لوگ جزیرے میں کیوں داخل ہوئے تھے!"

"میں نہیں بتا سکتا باس! لیکن یہاں خاصی ہلچل پائی جاتی ہے۔ جزیرے میں فائرنگ کی آوازوں سے لوگ پریشان ہو گئے ہیں۔ شائد لنگر اٹھا دینے کی تجویز ہو رہی ہے۔"

"انہیں اس حماقت سے باز رکھو۔" مٹو کی آواز آئی۔ "انہیں سمجھانے کی کوشش کرو کہ پہرے دار چوکس رہنے کے لئے اکثر فائرنگ کرتے رہتے ہیں۔"

"بہت بہتر! میں کوشش کرتا ہوں۔"

"لیکن تم غافل رہتے ہو۔ جوزف یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"میں اَب اور چوکس ہو جاؤں گا باس۔"

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اوور اینڈ آل۔"

رابطہ منقطع ہو جانے کے بعد وہ سلواس اور عمران کی طرف متوجہ ہو گیا جو تھوڑے ہی فاصلے پر خاموش کھڑے اُسے گھور رہے تھے۔

"سب ٹھیک ہے!" جوزف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "لنگر مت اٹھاؤ۔"

پھر اُس نے انہیں اپنی اور مٹو کی گفتگو سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ نہیں چاہتا کہ ٹرالر یہاں سے ہٹے۔"

"اور یہ بھی جانتا ہے کہ ٹرالر ہی کے کچھ لوگ جزیرے میں داخل ہوئے تھے؟" عمران نے پوچھا۔

"ہاں.... اُس نے یہی کہا ہے۔"

سلواس نے عمران کو اپنے کیبن کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ جوزف جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

کیونکہ عمران نے چلتے چلتے اُسے وہیں ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

سلواس کسی قدر گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا۔ کیبن میں پہنچ کر سب سے پہلے اُس نے شراب کی بوتل نکالی اور ایک بار پھر شکوہ کیا کہ عمران نہیں پیتا۔

"یہ چال سمجھ میں نہیں آئی مسٹر خان۔"

"واقعی سوچنے کی بات ہے۔"

"کیا اَب وہ خود ہم پر حملہ کرے گا۔"

"اس کا امکان موجود ہے۔"

"تو پھر ہمیں لنگر اٹھا ہی دینا چاہئے۔ ہم اُس کی افرادی قوت سے ناواقف ہیں۔"

"لنگر اٹھا دینے میں یہ قباحت ہے کہ ہم دوبارہ ادھر نہ آسکیں گے۔" عمران نے کہا۔

"یہ بھی درست ہے۔" سلواس سر ہلا کر بولا۔

"جیگوار کی سیکریٹری سے مشورہ کر لو۔"

"ہم صرف احکامات وصول کر کے ان پر عمل کرتے ہیں مسٹر خان۔ ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی مشورہ اپنے طور پر لے سکیں۔"

"بہرحال میں لنگر اٹھا دینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اس سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ ہم ہر وقت چوکس رہیں۔"

"تو گویا.... آج رات ہم سو نہیں سکیں گے۔"

"ہاں مسٹر سلواس.... عقل مندی کا تقاضا یہی ہے۔"

پھر وہ سچ مچ ساری رات جاگتے ہی رہے تھے۔ لیکن جزیرے کی طرف سے اُن پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ عمران اپنے کیبن میں چلا آیا تھا۔ صبح ہی صبح کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے جوزف کھڑا تھا۔

"کیا تم بھی جاگتے رہے ہو۔" عمران نے اُس سے پوچھا۔

"سب کا ساتھ دینا ہی پڑا تھا مسٹر خان۔ کیا میں اندر آجاؤں؟"

"ضرور، ضرور۔" عمران پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

اُسے اس وقت جوزف کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس سے قبل اس

کے چہرے پر ایسے تاثرات نظر نہیں آئے تھے۔

"کیا بات ہے۔ تم کچھ پریشان سے نظر آرہے ہو۔"

"میں واقعی پریشان ہوں۔ رات تمہارے چلے آنے کے بعد کیپٹن سلواس مجھے اپنے کیبن میں لے گیا تھا۔ وہاں تھوڑی دیر تک خود بھی پیتا رہا تھا اور مجھے بھی پلائی تھی اس کے بعد ایک بڑے کیبن میں لے گیا تھا۔ وہاں میں نے ایسا مظاہرہ دیکھا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ مسٹر خان کیا اس ٹرالر پر کچھ بھوت بھی مقید ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ لیکن تم نے وہاں کیا دیکھا۔"

"تین آدمیوں کو فرش پر ڈال کر ڈنڈوں سے پیٹ رہے تھے۔ لیکن پٹنے والوں کے چہروں پر چوٹ کھانے کے تاثرات نہیں تھے۔ پھر انہیں تلواروں سے دھنا جانے لگا۔ میں کیا بتاؤں مسٹر.... ایسا لگتا تھا جیسے وہ تلواریں چٹانوں پر لگ کر اُچٹ رہی ہوں۔ تب مسٹر سلواس نے مجھ سے کہا۔ کیا یہ تین افراد اُس جزیرے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔"

عمران نے طویل سانس لی۔ "پھر وہی پتھر کا آدمی۔"

"میں نے ایک پتھر کے آدمی کے بارے میں سنا ضرور تھا لیکن دیکھا نہیں تھا۔ ایسے ہی ایک آدمی نے دارالحکومت میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔" جوزف نے کہا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے!" عمران بولا۔

"خیر۔! مٹو نے آج ہم دونوں کو پھر جزیرے میں طلب کیا ہے۔"

"تم نے مسٹر سلواس کو یہ بات بتائی یا نہیں۔"

"انہیں بتادی ہے۔ انہوں نے کہا ضرور جاؤ۔ بس ناشتے کے بعد ہم روانہ ہوجائیں گے۔"

"اور پھر ہماری واپسی شائد ناممکن ہوگی۔" عمران بولا۔

"اور اسی خدشے کے تحت میں نہیں چاہتا کہ مٹو کے اس مشورے پر عمل کیا جائے۔" جوزف نے کہا۔

"تب تو وہ سچ مچ ہمیں چور ہی سمجھے گا۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا۔ تم آن کی آن میں کھلے سمندر میں پہنچ سکتے ہو۔"

"لیکن پھر ہم جزیرے پر قبضہ کیسے کریں گے۔"

"تمہاری مرضی! میں ہر حال میں ساتھ دوں گا۔"

ناشتے کے بعد دونوں روانگی کے لئے تیار ہوگئے۔ عمران اب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہورہا ہے۔ وہ خود کس چکر میں پڑ گیا ہے۔ جن لوگوں کی گرفتاری کی فکر میں تھا.... اب انہیں لوگوں کے لئے اسے غیر قانونی حرکات میں ملوث ہونا پڑ رہا ہے۔

کشتی پانی میں اُتاری گئی اور وہ دونوں جزیرے کی طرف روانہ ہوگئے جس ساحل پر ٹرالر لنگر انداز تھا اُس کی دوسری جانب وہ گھاٹ تھا جس سے وہ اُس جگہ تک پہنچ سکتے جہاں پچھلی بار مٹو سے ملاقات ہوئی تھی۔

آج ان کی پذیرائی کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور وہ سب مسلح تھے۔ یہی نہیں بلکہ اُسی جگہ عمران کا اسلحہ بھی لے لیا گیا اور اُس نے چپ چاپ یہ زیادتی گوارا کرلی۔

مٹو غصے میں تھا۔ عمران کو دیکھتے ہی برس پڑا اور جب خاموش ہوا تو عمران نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "ہاں مسٹر مٹو! میں نے پچھلی رات جزیرے میں داخل ہونے کی جسارت کی تھی اور میرے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ لیکن ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ آخر تم بیرونی دنیا سے کس طرح رابطہ رکھتے ہو۔ کیونکہ یہاں کسی ساحل پر بھی ہم نے نہ آج تک کوئی کشتی دیکھی اور نہ کوئی اسٹیمر ہی نظر آیا۔"

"تمہیں اس سے کیا سروکار۔"

"محض اس لئے کہ ہم تمہارے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے تھے اور کچھ نہیں۔"

"ابھی تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ ہم بیرونی دنیا سے کس طرح رابطہ رکھتے ہیں۔ جب ہماری تین گن بوٹس تمہارے ٹرالر کے گرد گھیرا ڈالیں گی۔"

"واقعی!" عمران نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اُن پر ہلکی توپیں اور مشین گنیں نصب ہیں۔"

"اچھی بات ہے مسٹر مٹو تم اُن گن بوٹوں کا حشر بھی دیکھ لوگے اور پھر ہمیں جزیرے پر قبضہ کرلینے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا۔ تم ہماری قوت کا اندازہ نہیں رکھتے۔"

"تم لوگ آخر ہو کیا بلا....؟"

"جدید ترین بحری قزاق.... اور ہمارا نشانہ صرف اسمگلرز ہوتے ہیں۔ ہم اُن کی لانچوں پر

حملہ کر کے اُن کا مال چھین لیتے ہیں۔"

"میری رائے تم لوگوں کے بارے میں پہلے ہی بہتر نہیں تھی۔ لیکن میرے مشیروں نے مجھے اس بزنس پر آمادہ کرلیا۔ خیر میں دیکھوں گا۔ اس وقت تک تمہارا ٹرالر گھیر لیا گیا ہوگا اگر یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔"

"میں تیار ہوں مسٹر مٹو۔" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

مٹو اٹھتا ہوا جوزف سے بولا۔ "تم بھی آؤ غدار۔ تمہارے منہ سے شراب کی بو آرہی ہے تم ان لوگوں سے مل گئے ہو۔"

پھر اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ جوزف کو بھی غیر مسلح کردیا جائے۔ لیکن جوزف نے بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ کر ریوالور نکال لیا۔

"تم میری توہین نہیں کر سکتے۔ مسٹر مٹو۔ کوئی مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ بغیر ضرورت اس ریوالور کو استعمال نہیں کروں گا۔"

وہ سب خاموش کھڑے رہے۔ آخر مٹو خشک سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اچھا جوزف گھونڈا یہی سہی! لیکن یاد رکھنا کہ میرے نشانہ باز بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

جوزف نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور مٹو نے کہا۔ "ریوالور ہولسٹر میں رکھ لو۔ مٹو اپنی زبان سے پھرنا نہیں جانتا۔"

وہ سب واچ ٹاور پر پہنچے یہاں سے دور دور تک کا نظارہ کیا جاسکتا تھا اور عمران نے سچ مچ دیکھا کہ ٹرالر کو تین چھوٹی گن بوٹوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

"کیا میں دوربین بھی پیش کروں مسٹر خان۔" مٹو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ضرور۔ ضرور.... مسٹر مٹو شکریہ!" عمران مسکرا کر بولا۔

دوربین اُسے دی گئی اور اُس نے دیکھا کہ ٹرالر کے عرشے پر صرف تین عدد قد آور افراد کھڑے ہوئے ہیں۔

عمران نے دوربین مٹو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم بھی دیکھو مسٹر مٹو۔"

مٹو نے دوربین لے کر ٹرالر پر نظر ڈالی اور متحیرانہ آواز میں بولا۔ "یہ کیا.... عرشے پر صرف تین آدمی کھڑے ہیں۔"

"اور یہی تین تمہاری گن بوٹوں کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ تم جدید ترین بحری قزاقوں کی تکنیک سے واقف نہیں ہو۔"

"بکواس ہے۔"

"خود ہی دیکھ لو گے۔ اَب دوربین اپنے ہی پاس رکھو۔ کیونکہ میں تو جانتا ہی ہوں کہ اب کیا ہوگا۔"

"اُوہ.... وہ تینوں پانی میں کود گئے۔ اُن پر اب مشین گن سے فائرنگ ہو رہی ہے.... ارے.... یہ کیا.... یہ کیا ہوا....؟" مٹو نے بوکھلا کر دوربین آنکھوں سے ہٹالی اور عمران کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ دوسری دنیا کی کوئی مخلوق ہو۔

"کیا بات ہے....!" عمران نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایک گن بوٹ اُلٹ گئی۔"

"تینوں کا یہی حشر ہوگا مسٹر مٹو۔ وہ تین تین ہزار کے لئے کافی ہیں اور اب.... اور اب!"

اچانک عمران نے مسٹر مٹو کے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اُس کی گدی سے لگا دیا اور بولا۔ "مسٹر مٹو.... اپنے ان آدمیوں سے کہو کہ فوراً غیر مسلح ہو جائیں۔ ورنہ تمہارا مغز فضا میں بکھر جائے گا۔"

مٹو نے بے بسی سے ہاتھ اٹھا دیئے اور اپنے پانچوں آدمیوں سے غیر مسلح ہو جانے کو کہا۔ انہوں نے اپنے ریوالور فرش پر ڈال دیئے۔

"اور جرابوں میں اُڑسے ہوئے چاقو بھی....!" عمران نے کہا۔

واقعی اُن کی جرابوں میں چاقو موجود تھے۔ پھر عمران نے جوزف سے اردو میں کہا۔ "ارے شب دیجور کے بچے کھڑا منہ کیوں دیکھ رہا ہے۔ سارا سامان سمیٹ لے۔"

اس بار وہ اپنی اصلی آواز میں بولا تھا۔ جوزف کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"جلدی کر....!"

وہ بوکھلا کر اُن کا اسلحہ سمیٹنے لگا۔ اُس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ بحالت بیداری کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

"اس طرح مسٹر مٹو۔" عمران نے کہا۔ "جزیرے پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔ اگر تم بات نہ بڑھاتے

تو اس کی نوبت نہ آتی۔"

مٹو تھوک نگل کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔ اُدھر بقیہ دونوں کشتیاں بھی الٹ دی گئی تھیں اور ان کا عملہ پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔ پھر ٹرالر سے مسلح افراد ساحل پر اُترنے لگے اور وہ تینوں بھی تیرتے ہوئے ساحل ہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دفعتاً مٹو بولا۔ "تم نہیں روکو کسی تدبیر سے۔ میں کشت و خون نہیں چاہتا۔ شکست تسلیم کرتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر ٹاور سے اترو اور اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔"

"چلو..... جلدی کرو۔ میرا ہر آدمی بے حد قیمتی ہے۔" مٹو نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ واچ ٹاور سے نیچے اُتر آئے۔

مٹو نے واقعی جلدی کی تھی۔ ابھی تک اُس کا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا تھا۔ اُس نے اپنی شکست کا اعلان کر دیا۔ اُس کے آدمیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلواس بھی جزیرے میں داخل ہو گیا تھا۔ مٹو کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

"مسٹر مٹو۔ اگر تم نے صدق دل سے ہم سے تعاون کیا تو اس جزیرے کے حکمران تم ہی رہو گے۔" سلواس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ لیکن مٹو کی بھنویں بدستور تنی رہیں۔ اُس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ صدق دل سے تعاون کی کیا صورت ہو گی۔

"کیا تم میری بات نہیں سن رہے مسٹر مٹو۔" سلواس نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔

"سن رہا ہوں! پھر بولنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہی ہونا چاہیئے جو تم چاہو گے۔ لیکن اتنا بتا دوں کہ یہ قانون کی حکمرانی کا زمانہ ہے اور بحری قزاق اس طرح سرکاری زمینوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ میں جزیرے کی لیز ادا کرتا ہوں۔"

"اس کے باوجود بھی ساری دنیا میں وہی ہوتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔" سلواس نے اکڑ کر کہا اور عمران کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اُپنے قول کی تائید چاہتا ہو۔

لیکن عمران نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ بہرحال قانون کا محافظ تھا اور ایسی کسی بیہودہ بات کی تائید نہیں کر سکتا تھا۔

"بہرحال" سلواس بولا۔ "مسٹر مٹو تم ہماری نگرانی میں اس جزیرے پر حکومت کر سکو گے۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بھی جزیرے کو استعمال کرو

گے۔" مٹو نے کہا۔

"کھلی ہوئی بات ہے مسٹر مٹو! لیکن ہمیں تمہاری تجارت سے بھی کوئی غرض نہ ہو گی۔ ہم اس میں سے اپنا حصہ طلب نہیں کریں گے۔"

"تو پھر یہاں کیا کرو گے؟"

"تمہیں ہر طرح کا تحفظ دیں گے اور تمہارے اُس مال کی حفاظت کا بھی ذمہ لیں گے جو تم یہاں سے اسمگل آؤٹ کرو گے۔"

"ہمارے حصہ دار بھی نہیں بنو گے اور یہ سب کچھ بھی کرو گے۔ مجھے اس پر حیرت ہے مسٹر سلواس۔"

"تم دیکھ ہی لو گے کہ ہم کتنے صادق القول ہیں اور حسبِ وعدہ تمہیں چالیس ہزار ڈالر بھی ادا کر دیں گے۔"

"تب تو واقعی فرشتے ہو تم لوگ۔"

"نہیں! ایسا بھی نہیں ہے۔ تم دیکھو گے کہ ہم یہاں کیا کرتے ہیں۔ لیکن تمہارے بزنس میں حارج نہیں ہوں گے۔"



جوزف اور عمران ٹرالر ہی پر واپس آ گئے تھے۔ جوزف اس سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا۔ آخر اُس کے کیبن میں پہنچ کر بولا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے باس۔!"

"میں ان لوگوں کا قیدی ہوں۔"

"وہاں شہر میں تمہاری تلاش جاری ہے۔"

"کیا فلیٹ اب بھی فوجیوں کے گھیرے میں ہے؟"

"نہیں وہ خود بخود ہٹ گئے ہیں۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ سر سلطان نے کچھ کیا ہو۔"

"بہرحال میں تو قیدی ہوں اُن کا۔"

"اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے سنگراد والا اسکینڈل چلایا تھا؟"

"ہاں، یہ وہی لوگ ہیں۔"

"تم کیسے ان کے پھندے میں پھنس گئے؟"

"لمبی کہانی ہے۔ پھر کبھی سن لینا۔ اَب تو کسی طرح نکل لینے کی سوچنی چاہئے۔ اور یہ کام مٹو ہی کے ذریعے ہو سکے گا۔"

"وہ ہمیں کب گھاس ڈالے گا۔"

"اُسے قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ بظاہر یہاں وہ حکومت کی اجازت سے افیون کی کاشت کرتا ہے اور دواسازی کا کارخانہ لگا رکھا ہے۔ افیون کے انجکشن بنتے ہیں۔ جو تمام تر حکومت خرید لیتی ہے۔ حشیش کا اُس کا اپنا کاروبار ہے جسے وہ وقت آنے پر چھپا بھی سکتا ہے۔"

"لیکن ضروری تو نہیں کہ اب ہمیں جزیرے پر جانے کی اجازت مل جائے۔"

"ہم بغیر غوطہ خوری کے لباس کے اُس جگہ تک پہنچ سکتے ہیں جہاں پچھلی بار گئے تھے۔ تمہیں اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا۔"

"مجھے اندازہ ہے باس!"

"لیکن جزیرے میں بھی پہنچ کر ہم مٹو کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ لہٰذا فی الحال صبر سے کام لو۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا باس! قسمت نے ہمیں کس طرح ملایا ہے۔"

"چرس نے ملایا ہے۔" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تو چرس کے چکر میں پڑ جائے گا۔"

"میں کیا کرتا باس، سلیمان دن رات دماغ چاٹتا رہتا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"کہتا تھا کوئی اور نشہ پکڑو ورنہ مر جاؤ گے۔ اُسی نے تو شیدی جمال سے ملوایا تھا۔"

"تو نے یہ بات وہیں کیوں نہیں بتائی تھی۔"

"بس کیا بتاؤں باس۔ اس مردود کی مروت میں نہیں بتائی تھی۔"

"خیر میں دیکھوں گا۔" عمران نے کہا اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ "میں سوچتا ہوں کہ واپس جا کر کیا کروں گا۔ ان سے قریب رہ کر تو شائد کچھ کر بھی سکوں۔"

کسی نے دروازے پر دستک دی اور عمران نے اونچی آواز میں کہا۔ "آ جاؤ۔"

آنے والا کیپٹن سلواس تھا۔ دونوں اٹھ گئے۔

"مسٹر خان، تمہارے لئے خوش خبری ہے؟" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیسی خوشخبری۔"

"تمہیں اس جزیرے کا گورنر مقرر کیا گیا ہے۔"

"سوال تو یہ ہے کہ گورنر وہاں کرے گا کیا۔"

"مٹو کو قابو میں رکھے گا اور اُس کام کی نگرانی کرے گا جو ہم وہاں شروع کرنے والے ہیں۔ کام کی نوعیت تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گی۔"

"میرے ساتھ اور کتنے آدمی ہوں گے۔"

"صرف وہی تینوں جنہوں نے گن بوٹس ڈبوئی تھیں۔"

"ٹھیک ہے اور جوزف بھی میرے ساتھ ہوگا۔"

"تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن اُس سے پہلے سیکریٹری صاحبہ سے گفتگو کرنی پڑے گی۔ وہ فون پر تمہارے منتظر ہیں۔ لہٰذا میرے کیبن میں چلو۔"

عمران نے جوزف کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود سلواس کے ساتھ چل پڑا۔ سلواس اُسے کیبن میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا۔ عمران نے ٹرانسمیٹر کا ہیڈ فون کانوں پر چڑھایا اور سوئچ آن کر کے کلارا ڈکسن کو کال کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کلارا ڈکسن کی آواز سنائی دی اور عمران نے کہا۔ "تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔ یعنی جزیرے پر قبضہ کر لیا گیا۔"

"اور اب یہ جزیرہ تمہارے چارج میں دیا جا رہا ہے۔"

"میں وہاں کیا کروں گا۔"

"تم وہاں ہمارے مفادات کی نگرانی کرو گے۔ مثلاً مٹو نے وہاں ایک نئی عمارت بنوائی ہے لیکن وہاں اُس کی مشینوں کی بجائے ہماری مشینیں لگیں گی اور اُن کی تنصیب تمہاری نگرانی میں ہو گی۔"

"لیکن اَب میں یہ میک اپ اتارنا چاہتا ہوں۔"

"یہ مناسب نہ ہو گا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ٹرالر کا عملہ تمہیں پھر کس طرح پہچانے گا۔ خود مٹو پر رعب نہیں پڑے گا۔ اگر تم اپنی اصلی شکل میں آ گئے۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ جیگوار کی دھمکی بدستور قائم ہے۔"

"تم بے فکر رہو! میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

"تمہیں بھی مجھ سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو میں ہی جانتی ہوں۔ تم نہیں سمجھ سکو گے۔ اس لئے اس بات کو یہیں ختم کردو۔"

"جوزف بھی میرے ساتھ ہی رہے گا۔"

"ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔"

"کیا ٹرالر بھی یہیں موجود رہے گا۔"

"موجود رہے گا اور بدستور جھینگے پکڑتا رہے گا۔"

"اَب تم لوگوں کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"سنگزادوں کو صرف جھینگے کھلائے جاتے ہیں۔"

"تب تو یہ علاقہ تمہارے لئے بہت ضروری ہے۔"

"بہت زیادہ۔"

"تم یہاں سے کتنے فاصلے پر ہو۔"

"اوور اینڈ آل۔" کہہ کر کلارا ڈکسن نے رابطہ منقطع کردیا۔ عمران کیبن سے نکل ہی رہا تھا کہ سلواس آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوا اور ہانپتا ہوا بولا۔

"وہ تینوں واپس آگئے ہیں۔"

"کون واپس آگئے ہیں....؟"

"وہی جنہوں نے گن بوٹیں الٹی تھیں۔" سلواس ہانپتا ہوا بولا۔ "اور اُن کے دماغ الٹ گئے ہیں۔ پتا نہیں کون سی نشی چیز انہیں استعمال کرائی گئی ہے۔"

جوزف کو ہنسی آگئی اور سلواس سے بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جزیرہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اَب جلدی کرو اور باقاعدہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

سلواس کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہلکی توپ چلنے کی آواز آئی اور ٹرالر ہل کر رہ گیا۔ وہ کیبن سے نکل آئے۔ ٹرالز سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ جزیرے میں شاید پہلے ہی سے مورچے تھے۔ فائرنگ کرنے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

سلواس نے فوری طور پر لنگر اٹھا دینے کا حکم دیا اور ٹرالر کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہلکی توپوں کے گولوں سے اُسے خاصا نقصان پہنچا تھا۔ لیکن نچلا حصہ محفوظ تھا ورنہ غرقابی میں کوئی کسر باقی نہ رہتی۔ ٹرالر پسپا ضرور ہوا تھا لیکن اس پر سے بھی برابر فائرنگ ہو رہی تھی۔

سلواس نے عمران سے کہا۔ "میں جزیرے کو تباہ نہیں کرنا چاہتا ورنہ یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن آخر ان تینوں کو کیا ہوا تھا۔"

"خدا ہی جانے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"خالد مٹو بہت ذہین آدمی ہے۔ اَب وہ قانون کو بھی اپنی مدد کے لئے طلب کرے گا۔"

"ہرگز نہیں۔" سلواس بولا۔ "وہ کبھی نہ چاہے گا کہ کوئی سرکاری آدمی جزیرے پر قدم رکھے۔ کیونکہ وہ وہاں حشیش کی کاشت بھی کر رہا ہے۔"

"مسٹر سلواس۔ تم ادھر کے احوال سے واقف نہیں ہو۔ اس لئے کوئی حتمی بات نہ کہو۔"

"میں تو بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔ مسٹر خان۔ جیگوار میرے پرزے اڑا دے گا۔"

"میری موجودگی میں وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ تم مطمئن رہو۔"

"میرے علم و اطلاع کے مطابق تم بھی تو اُس کے قیدی ہی ہو۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہاری بھرپور وکالت کروں گا۔ اگر دلائل قابل قبول ہوں تو وہ مان لیتا ہے۔"

ٹرالر جزیرے سے مار کرنے والی توپوں کی حدود سے نکل آیا تھا اور اب اس کی مرمت کی فکر کی جا رہی تھی۔

"وہ تینوں ہیں کہاں....؟" عمران نے پوچھا۔

"ایک بڑے کیبن میں ناچ کود رہے ہیں۔ پتا نہیں کون سا نشہ استعمال کر بیٹھے ہیں۔"

"کیا وہ تمہاری کمانڈ میں نہیں تھے مسٹر سلواس۔"

"نہیں! انہیں براہِ راست ہیڈ کوارٹر سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔"

"اب میرا مشورہ یہ ہے کہ جہاں تمہاری کمین گاہ ہو اُسی طرف نکل چلو۔"

"کیوں۔" سلواس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"مٹو کو قانون کی حمایت حاصل ہے۔ اگر اس نے کوسٹ گارڈز کو طلب کر لیا تو تم دشواری

میں پڑ جاؤ گے۔"

"ہیڈ کوارٹر کی ہدایت کے بغیر میں ان پانیوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اچھا تو پھر مجھے ایک کشتی دو میں اور جوزف جزیرے میں جائیں گے۔"

"کیا تم سن نہیں رہے فائرنگ کی آوازیں۔"

"اس کی پرواہ مت کرو۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ میں مٹو کو دوبارہ جال میں پھانسوں گا۔"

"یہ تم اپنی ذمہ داری پر کرو گے۔"

"بالکل.... اور کشتی میں تین چار بوتلیں بھی رکھوا دینا۔"

"اچھی بات ہے۔"

"اور تینوں خبیثوں کو اسی کیبن میں بند رہنے دو۔ قفل ہرگز نہ کھولنا۔ اگر ہیڈ کوارٹر سے کال آئے تو حالات سے آگاہ کر دینا۔"

سلواس نے ایک موٹر بوٹ اُن کے حوالے کی اور وہ ایک سفید جھنڈا لہراتے ہوئے جزیرے کی طرف چل پڑے۔

"تم خود کشی کر رہے ہو باس۔" جوزف بڑبڑایا۔

"دو تین گھونٹ لے لے۔ عقل ٹھکانے آجائے گی۔ یہ جھنڈا اُسی وقت تک لہراتا رہے گا جب تک ہمیں ٹرالر سے دیکھا جاسکے۔ اُس کے بعد ہمارا رخ دوسری طرف ہوگا۔ میں نے احتیاطاً کشتی میں پتوار بھی رکھ لئے ہیں۔"

"تو کیا گھر کی طرف۔"

"ارادہ تو یہی ہے۔ مٹو کے جزیرے کی نشاندہی ہو جانے کے بعد میں اپنی راہ کا تعین کر سکتا ہوں۔"

ٹرالر، نظروں سے اوجھل ہوا ہی تھا کہ دو عدد اسپیڈ بوٹس نے کشتی کا تعاقب شروع کر دیا۔

"یہ کون ہو سکتے ہیں باس۔"

"دو گھونٹ اور لے اور بالکل پرواہ نہ کر۔"

"لیکن خدارا اب یہ ڈاڑھی ہٹاؤ۔ اپنے چہرے سے۔"

"ابھی نہیں....!"

کشتیاں خاصی تیز رفتار تھیں اور انہوں نے جلد ہی موٹر بوٹ کو آلیا۔ دونوں کشتیوں پر

مشین گنیں موجود تھیں۔

"جزیرے کی طرف کشتی موڑ دو۔" ایک کشتی سے آواز آئی۔

"اب بتاؤ باس۔" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"دو تین گھونٹ اور لے اور چین سے بیٹھا رہ۔" عمران نے کہا اور کشتی کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ ایک کشتی اُس کے آگے چل رہی تھی اور دوسری پیچھے۔ لیکن رخ اس ساحل کی طرف نہیں تھا جس سے وہ جزیرے پر اُترے تھے۔

"باس یہ تو جھگڑا ہی نظر آتا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔ خود کو قابو میں رکھنا۔"

پچھلی کشتی سے انہیں مائیکروفون پر ہدایات مل رہی تھیں۔ بہر حال انہیں گھیر گھار ایک سنگلاخ ساحل تک لایا گیا۔ پھر ہدایت ملی کہ وہ غیر مسلح ہو کر ساحل پر اتر جائیں۔

"یہ اور بُرا ہوا۔" جوزف بڑبڑایا۔

"خبردار اپنی بوتلیں کشتی میں نہ چھوڑنا۔"

اُن کے اترنے سے قبل ہی ایک کشتی سے تین مسلح افراد ساحل پر اُتر گئے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔

دونوں کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اور پھر انہیں ایک جانب چلنے کو کہا گیا۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے اور پھر ایک ایسی عمارت میں پہنچا دیئے گئے جسے جیل ہی کہا جاسکتا تھا۔

لیکن انہیں الگ کمرے میں رکھا گیا۔ آس پاس کے کمروں میں بھی کچھ لوگ موجود تھے۔

"جو کبھی نہیں ہوا تھا باس آج وہ بھی ہو گیا۔" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ایک ایک گھونٹ لیتا رہ.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"پتا نہیں تم نے کیا سوچ رکھا ہے میرے ہاتھوں میں تو کھجلی ہو رہی ہے باس۔"

"میں کہتا ہوں چپکا بیٹھا رہ۔"

اس دوران میں کئی افراد آئے اور انہیں دیکھ کر چلے گئے۔ پھر اچانک خالد مٹو دکھائی دیا اور عمران اس کے کچھ کہنے سے پہلے بول پڑا۔ "تم نے کوسٹ گارڈز سے مدد طلب کی یا نہیں۔"

"یہ تم پوچھ رہے ہو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں میں ہی پوچھ رہا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں انہی لوگوں میں سے ہوں میں ایک سرکاری سراغ رساں ہوں اور عرصہ سے اُن لوگوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔ تم نے آج بہت جلد بازی سے کام لیا۔ ورنہ میں ایسی تدبیر کرتا....!"

"بس کرو! تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم سرکاری جاسوس ہو۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہرو۔ ان کے فرشتے بھی مجھے پہچان نہ سکیں گے۔" عمران نے کہا اور کرنل بکرم والا میک اپ اتارنے لگا۔

متو حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں عمران کی اصلی شکل نکل آئی اور متو بے ساختہ اچھل پڑا۔

"مم... میں شاید تمہیں پہچانتا ہوں۔ جزیرہ مزبار میں کئی بار تمہیں دیکھ چکا ہوں اور شاید مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ تم پولیس انفارمز ہو۔"

"شکر ہے مسٹر متو کہ تم نے میرے باس کو پہچان لیا۔"

"تو یہی ہے تمہارا باس۔"

"ہاں۔ یہی ہے جس کے لئے میں ساری دنیا میں آگ لگا سکتا ہوں۔"

"بس بس زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔" عمران اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"تو یہ تمہارا مشورہ ہے کہ میں کوسٹ گارڈز کو مطلع کر دوں۔"

"بالکل.... ورنہ تھوڑی دیر بعد ان خوفناک لوگوں کی دوسری ٹولی جزیرے پر حملہ آور ہو گی اور تم کسی طرح بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔"

"آخر یہ ہیں کون؟ اور کیا چاہتے ہیں۔"

"تمہارے جزیرے کو اپنے بعض مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی اگر کبھی کوئی چکر ہو جائے تو خود بچ نکلیں اور تم پھنس جاؤ۔"

"کوسٹ گارڈز کی مدد کل سے قبل نہیں پہنچ سکے گی۔"

"خیر تو پھر اپنے واچ ٹاور پر بھی مشین گنیں لگوا دو اور میں اُس ساحل کو سنبھال لوں گا جس سے ہم جزیرے پر اترے تھے۔"

متو نے دروازہ کھلوا دیا اور انہیں ایک دوسری عمارت میں لایا۔

"لیکن میں تمہارا نام نہیں جانتا۔"

"علی عمران۔ تم کوسٹ گارڈز کو مطلع کرتے وقت میرا حوالہ دے سکتے ہو۔"

"خدا کی پناہ.... تم یعنی علی عمران...."

"بس زیادہ بات چیت کا وقت نہیں ہے۔ فی الحال بچاؤ کی صورت!"

"متو نے ان دونوں کو اسی ساحل پر پہنچا دیا جہاں واچ ٹاور تھا۔ دونوں واچ ٹاور پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک مشین گن اور ایک ہلکی توپ پہلے ہی نصب کر دی گئی تھی۔

عمران دوربین سے چاروں طرف دیکھتا رہا لیکن ٹرالر کی واپسی کے آثار نہ دکھائی دیئے۔ تھوڑی دیر بعد متو بھی وہاں پہنچ گیا اور عمران کو اطلاع دی کہ اس نے کوسٹ گارڈز کو مطلع کر دیا ہے۔

"لیکن مسٹر عمران! میں اسے بھی پسند نہیں کروں گا کہ کوسٹ گارڈز کا عملہ جزیرے پر قدم رکھے۔"

"حشیش....!" عمران نے کہا۔

"آپ سمجھ دار آدمی ہیں۔"

"کیا تم یہاں کوئی نئی عمارت بنا رہے ہو۔"

"ہاں۔ کیوں؟"

"وہ لوگ دراصل اسی عمارت کے لئے تمہارے جزیرے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"اس عمارت کے لئے۔" متو کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہاں وہ اپنی کچھ مشینیں لگانا چاہتے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ لیکن میرے جیتے جی ایسا ممکن نہیں ہو سکے گا۔"

"فی الحال تو وہ پسپا ہو گئے ہیں۔ تم نے آخر ان تینوں کو نشہ دے دیا تھا۔"

"خود ہی چرس کے لئے سر ہوئے تھے اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد میرے آدمیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔"

"خیر فکر نہ کرو۔ ادھر کا مورچہ میں سنبھال لوں گا۔ تم دوسری اطراف کا خیال رکھنا۔"

"اگر تم واقعی مسٹر علی عمران ہو تو میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد مجھے بھی جان سے مار دینا کیونکہ میں تمہارے حشیش کے کاروبار سے

واقف ہوں۔"

"مٹو کو تم ناشکرا نہیں پاؤ گے۔"

پھر مٹو چلا گیا تھا اور جوزف نے مشین گن سنبھال لی تھی۔ عمران دوربین سے چاروں اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً ٹرالر پھر نظر آیا۔ اس بار اُس پر نصب شدہ توپیں صاف نظر آرہی تھیں۔ عمران نے جوزف کو مطلع کرتے ہوئے کہا۔"فوراً آجاؤ اور مٹو کو آگاہ کردو اور ہاں تمہیں وہ جگہ بھی یاد ہے نا جہاں ہماری کشتی روکی گئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے باس۔"

"بس تو پھر اُسے دھیان میں رکھنا اس بار حملہ سخت ہوگا اور وہ جزیرے پر قبضہ کرلینے سے باز نہ رہیں گے۔"

جوزف واچ ٹاور سے اُتر گیا۔ دفعتاً ٹرالر سے ایک توپ چلی اور گولا جزیرے پر سے گزرتا چلا گیا۔ لیکن ٹرالر ہلکی توپ کے نشانے پر تھا۔ عمران نے بھی فائر کیا۔ گولا عین ٹرالر پر پڑا تھا۔ لیکن اس کے بعد واچ ٹاور پر ٹھہرنا حماقت ہی ہوتی کیونکہ انہیں بھی ٹارگٹ مل گیا تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے نیچے اُترا اور اُسی عمارت کی طرف دوڑ لگادی جہاں مٹو کو چھوڑا تھا۔ وہ اور اس کے دوسرے آدمی جوزف کی معیت میں اُسی طرف بڑھے آرہے تھے۔ ان کے ساتھ سب مشین گنیں اور ہلکی توپیں تھیں۔ انہوں نے ساحل پر مورچے سنبھال لئے اور فائرنگ کرنے لگے۔ اتنے میں واچ ٹاور ٹوٹ کر نیچے آرہا۔ جوزف اور عمران پچھلی صف میں تھے۔ جنگ زوروں پر آئی تو عمران نے جوزف کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو۔ اپنی کشتی تک پہنچنے کی کوشش کرو۔" وہ آہستہ سے بولا۔"اَب میں اُن کے ہاتھ نہیں لگنا چاہتا۔"

پھر انہیں اس جگہ تک پہنچنے میں خاصی تگ ودو کرنی پڑی تھی جہاں اُن کی کشتی لنگر انداز تھی۔ وہ دونوں کشتیاں بھی موجود تھیں جو انہیں گھیر کر وہاں تک لائی تھیں۔ ان پر سے انہیں خاصا ایندھن بھی مل گیا اور وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب تو ہوگئے۔ لیکن فی الحال کھلے سمندر میں نکلنے کی ہمت نہ کرسکے۔ کیونکہ ٹرالر سے برسنے والی گولیوں سے محفوظ رہنا مشکل ہوجاتا۔

"یہ بڑی بات ہوئی باس! مٹو مجھے ذرا اچھا نہیں لگا تھا۔" جوزف بولا۔



مٹو اور اس کے جزیرے کا جو حشر بھی ہوا ہو۔ وہ دونوں شہر پہنچ گئے تھے۔ سلیمان عمران کے سر میں چمپی کررہا تھا اور جوزف گلرخ کو بتا رہا تھا کہ کس طرح اُس کے شوہر نامدار نے اُسے چرس کے راستے پر ڈال دیا تھا۔

"اور تم اتنے بھولے بھالے ہو کہ اُس کے کہنے میں آگئے تھے۔"

"اَم کیا کرتا سالا ہر وقت چرس نشہ کرتا تھا۔"

"اَب تو مزہ معلوم ہوگیا۔"

اُدھر عمران اُس سے باز پرس کررہا تھا۔"کیوں بے تجھے یہ کیا سوجھی تھی۔"

"سالے کا منحوس جیسا چہرہ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔"

"کہیں تو بھی تو.....!"

"شامت آئی ہے میری۔ یہ شیطان کی خالہ مجھے زندہ چھوڑے گی۔ لیکن صاحب میں کسی دن کیپٹن فیاض کے سسر کی گردن ضرور مروڑدوں گا۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"جب دیکھئے دھرے ہوئے ہیں اس فرمائش کے ساتھ کہ پھر ویسی ہی کافی پلادے کہ دنیا سے بیگانہ ہوجاؤں۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔ پھر گلرخ کیا کرتی ہے۔"

"میاں صاحب کو میرے حوالے کرکے کوٹھی چلی جاتی ہے۔"

"کب سے نہیں آئے۔"

"آج بھی فون آیا تھا کہ کسی وقت پہنچ جاؤں گا۔"

"آنے دے۔ دیکھا جائے گا۔ آج میں انہیں کافی پلوا کر کسی ڈسٹ بن میں ڈلوادوں گا۔"

"اور ایک صاحبہ ہیں جو فون پر بور کرتی رہتی ہیں۔"

"اُن سے تو کسی قسم کی بدتمیزی نہیں کی۔"

"صورت دیکھے بغیر بدتمیزی کیسے کرتا۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں جناب۔"

"جناب کے بچے تیری حرکتیں اَب ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی ہیں۔"

"بس.... تو پھر بیوہ کردیجئے گلرخ کو۔"

"نہیں.... تو آپے سے باہر ہورہا ہے۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔ "سنا ہے آپ واپس آگئے ہیں۔"

"تمہارا کیا حال ہے؟"

"اچھ ٹھیک ہوں۔ کیا آپ سے ملنے آسکتا ہوں۔"

"فلیٹ کا رخ بھی نہ کرنا۔ میں خود ہی کہیں مل لوں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

ریسیور رکھا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی اس بار جیگوار کی آواز سنائی دی۔

"تم ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ بچ نکلے ہو۔"

"فی الحال تو میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔"

"کلارا ڈکسن کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔ لیکن مٹو کے جزیرے کا کیا بنا۔"

"کوسٹ گارڈز نے اُس کی حشیش کی کاشت کا پتہ لگا کر اُسے گرفتار کرلیا ہے۔ لیکن کان کھول کر سن لو۔ اگر تم نے ہمارے اڈے کی نشاندہی کی تو ایک بہت بڑے قومی خسارے سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا اور مجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ کلارا ڈکسن کہاں ہے۔"

"وہ میرے ساتھ تو نہیں تھی۔"

"تم نے اُسے متاثر کیا ہے۔"

"اس میں بھی میرا قصور نہیں ہے۔"

"اگر تین دن کے اندر اندر وہ یہاں نہ پہنچی تو پھر تم اپنا حشر دیکھنا۔"

"یار کیوں خواہ مخواہ دھونسا رہے ہو۔"

"یہ پہلی اور آخری وارننگ ہے مسٹر عمران۔"

عمران کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رابطہ منقطع ہوگیا۔ طویل سانس لے کر اس نے ریسیو

کریڈل پر رکھ دیا۔ اور سلیمان بولا۔ "کیا آرہا ہے سالا۔"

"کیا تیرا بھی کوئی سالا ہے۔"

"وہی بوڑھا کھوسٹ۔"

"ابے کیوں شامت آئی ہے۔ وہ ایک معزز آدمی ہے۔"

"اچھی بات ہے تو میں اُس معزز آدمی کو سچ مچ کافی پلواؤں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنا مال مسالا کہاں رکھتے ہیں۔"

"سلیمان جینے کے ڈھنگ کر....!"

"بہت زیادہ جی کر کیا کروں گا۔"

"وہ عورت کون ہے جس کی کالیں آتی ہیں۔"

"نام نہیں بتاتی بس آپ کو پوچھتی رہتی ہے۔"

"لیکن یہ پتا کر اَب جوزف کا کیا بنے گا۔ وہ شیدی جمال بھی پکڑا گیا۔"

"کالئے کا دماغ خراب ہوا تھا جو اُس کے پیچھے دوڑا گیا تھا۔ مجھ سے کہتا نہ جانے کتنے شیدیوں سے یاد اللہ ہے میری۔"

"اچھا.... اچھا اگر اس کی صحت خراب ہوئی تو تیری بھی مٹی پلید ہوجائے گی۔"

"پہلے کب نہیں تھی جو اَب ہوجائے گی۔"

"گلرخ....!" عمران نے آواز دی اور وہ دوڑی آئی۔

"جی صاحب۔"

"اس مردود نے ایک سائیڈ بزنس بھی کر رکھا ہے تجھے اس کا علم ہے یا نہیں۔"

"میں کیا جانوں صاحب۔"

"چرس کے گاہک بنا کر چرس فروشوں سے کمیشن وصول کرنا۔"

"ہائے اللہ! تبھی تو میں کہوں کہ یہ روز رات کو سیر بھر قلاقند کہاں سے آتی ہے۔"

"کیوں بے!" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"اللہ دیتا ہے۔ خُود تو چرسی نہیں ہوں۔"

"سن رہی ہے۔"

"میں جارہی ہوں کوٹھی۔ بڑے سرکار سے فریاد کروں گی۔"

"یہ کیا گھپلا کردیا صاحب۔"

"ابھی بے شمار گھپلے تیرے منتظر ہیں۔"

"میں شہر ہی چھوڑ دوں گا۔"

"پاتال سے بھی نکال لاؤں گی۔ ذرا شہر سے باہر قدم نکال کر تو دیکھ۔"

پھر فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ اس بار اس نے شہلا چوہدری کی آواز سنی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ ملے تو۔"

"کوئی خاص خبر.....!"

"اَب ایک دوسری لڑکی میرا تعاقب کرتی ہے۔"

"یہ آخر لڑکیاں کیوں تمہارے پیچھے پڑگئی ہیں۔"

"کچھ کیجئے عمران صاحب۔ میں بہت خائف ہوں۔"

"اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔ ہاں کیا ڈاکٹر فوریل اب بھی وہیں مقیم ہے۔"

"کیوں نہیں۔ بھلا وہ کہاں جائے گی۔"

"اور آپ کے ڈیڈی کا کیا حال ہے۔"

"بدستور خوفزدگی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اعصاب زدہ سمجھ لیجئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"کیا اُس پراسرار آدمی کی کال پھر آئی تھی۔"

"جی نہیں! عرصہ سے اُس نے کوئی بات نہیں کی اور ضرورت بھی کیا ہے جبکہ سارے مطالبات پورے ہورہے ہیں۔"

"یعنی موڈل کالونی والی کوٹھی بدستور فوریل کے قبضے میں ہے اور تمہارے والد ہی اخراجات کا بار بھی اٹھارہے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"فوریل کو کچھ کیس بھی ملے۔"

"جی ہاں اس کی خاصی پبلسٹی ہوئی ہے۔ کلینک بھی خاصا چل رہا ہے۔"

"اس سلسلے میں آپ کے والد کی بھی خاصی واہ واہ ہورہی ہوگی۔"

"کیوں نہیں۔ اب تو وہ ان کے ساتھ ڈنر کرنے بھی جاتی ہیں۔ آج ہی رات کو ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں دیکھ لیجئے گا۔"

"اس اطلاع کا بہت بہت شکریہ۔ میں ضرور دیکھوں گا۔"

"لیکن مجھ سے کب مل رہے ہیں۔"

"اگر وہ لڑکی اسی طرح تعاقب کرتی رہی آپ کا تو کسی نہ کسی دن ضرور ملاقات ہو جائے گی۔"

"میں نے فی الحال گھر سے نکلنا ہی ترک کردیا ہے۔"

"یہ آپ کو بہت پہلے کرنا چاہئے تھا۔"

"پھر کب مل رہے ہیں۔"

"پہلے ذرا ایک نظر ٹپ ٹاپ نائٹ کلب پر بھی ڈال لوں۔"

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔ خدارا کسی طرح ہماری عزت بچائیے۔"

"اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔"

عمران نے رابطہ منقطع کر کے کیپٹن فیاض کے گھر کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے اس کی بیوی کی آواز آئی اور عمران نے آواز بدل کر پوچھا۔ "کیا شبلی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ آپ کون صاحب ہیں؟"

"عبدالغنی بھائی۔" عمران نے کہا۔

"بہتر ہے ہولڈ آن کیجئے۔"

اور پھر جب شبلی فون پر آیا تو عمران اپنی اصل آواز میں بولا۔

"غیر حاضری کی معافی چاہتا ہوں جناب۔"

"ارے واہ یار.... کہاں سے بول رہے ہو۔" شبلی کی چہکار سنائی دی۔

"گھر سے۔"

"تو پھر میں آرہا ہوں۔"

"میں منتظر ہوں۔" عمران نے کہہ کر رابطہ منقطع کردیا اور گلرخ کو آواز دی۔

"جی صاحب۔" وہ کمرے میں آکر بولی۔ "کیا بیوہ کردیا مجھے۔"

"ابھی نہیں! فی الحال وہ شریف آدمی آرہا ہے اور ہم دونوں ساتھ کافی پئیں گے۔"

"میں تو چلی کوٹھی کو۔"

"بکواس مت کر۔ سلیمان کو یہاں بھیج دے۔"

"انہوں نے اُسے دیکھ لیا تو پاگل ہو جائیں گے۔"

"تیرے مزے ہو جائیں گے میں اُسے پاگل خانے بھجوا دوں گا۔"

"مجھے تو آپ جہنم میں بھجوا دیں گے۔" سلیمان کمرے میں داخل ہو کر بولا۔ "میں باہر جارہا ہوں۔ آپ کی ٹوسیٹر لے جاؤں گا۔"

"دفع بھی ہو کسی صورت سے۔"

"میں اُس خبیث بوڑھے سے الرجک ہوں۔"

"جاتا ہے یا نکالوں پستول۔"

"جارہا ہوں۔ لیکن سیکنڈ شو دیکھ کر واپس آؤں گا۔"

پھر عمران اٹھا ہی تھا کہ وہ جھپٹ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد شبلی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آیئے آیئے" عمران لہک کر بولا۔ "دراصل پچھلی بار میں فیاض کے خوف سے فرار ہو گیا تھا۔ اُس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر آپ کے ساتھ کہیں دیکھا گیا تو یہ میرے حق میں بہتر نہ ہوگا۔"

"اور تم مرعوب ہو گئے۔"

"بسا اوقات مجھے اُس سے دبنا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ میں تو۔ بس کیا عرض کروں۔"

"بھئی عمران صاحب کافی....!"

"ضرور ضرور.....!"

"اُس دن تو ایسی شاندار نیند آئی تھی۔"

"وہ میں رات کو سونے سے قبل پیتا ہوں۔ غلطی سے بن گئی ہو گی۔"

"ملازمہ طرح دار رکھ چھوڑی ہے۔"

"میرے باپ کی منہ بولی بیٹی ہے۔ لہٰذا شبلی پلیز۔"

"مجھے افسوس ہے۔ اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شکریہ شبلی صاحب۔"

"مگر یار تم کہاں بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔"

"پیٹ کے دھندے میں شبلی صاحب! ایک تو تمہارے والد سلمہ' جواب ڈپٹی ڈائریکٹر ہو گئے ہیں خواہ مخواہ میری جان کو آئے رہتے ہیں۔ عربی لباس والی بات والد صاحب تک پہنچا کر ہی دم لیا۔"

"بے بی کہہ رہی تھی کہ تم بھی تو اُسے پریشان کرتے رہتے ہو۔"

"تنگ آمد بہ جنگ آمد۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ہاں تو مادام فوریل والی بات کا کیا رہا۔"

"وہ دونوں ہی اس پر تیار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یتیم خانے سے کوئی بچہ لا کر پال لیں گے۔"

"اور اگر پلا پلایا چاہئے تو بندہ حاضر ہے۔ اپنے والدین تو مجھے کبھی بھی اچھے نہیں لگے۔"

"اے کیوں ہونق پنے کی باتیں کرتے ہو۔"

"آپ دراصل میرے حالات زندگی سے واقف نہیں۔"

"ہائیں، ابھی تک کافی نہیں آئی۔"

"بس آئی۔" کہہ کر عمران نے گل رخ کو آواز دی۔ بہر حال کافی بھی آ گئی اس کے ساتھ شائد سلیمان کے کمیشن والی قلاقند بھی تھی۔

"تمہارے یہاں ایک خوفناک آدمی بھی رہتا ہے۔" شبلی نے کہا۔

"ارے نہیں! وہ تو بڑا بے ضرر آدمی ہے۔ نیگرو ہے۔ میرا ملازم۔"

"پچھلی بار اس نے بڑی دہشت ناک باتیں کی تھیں۔"

"نشے میں رہا ہوگا۔ خیر آپ کافی پیجئے اس کے بعد تفریح کا پروگرام رہے گا۔ آج ٹپ ٹاپ میں بڑا زور دار فلور شو ہونے والا ہے۔"

"یار تمہاری ہی وجہ سے تو میں یہاں رک گیا ہوں۔ ورنہ کبھی کا چلا گیا ہوتا۔"

"آخر آپ نے کیا دیکھ کر فیاض سے اپنی بیٹی کا رشتہ کر دیا تھا۔"

"پرانے زخموں کو نہ کریدو۔ میری اہلیہ فیاض کی خالہ تھی۔"

"اوہو، تو آپ فیاض کے خالو بھی ہیں۔"

"یار ختم کرو اس قصے کو۔"

"لیکن میرا قصہ ختم ہو جائے گا۔ اگر اب فیاض نے آپ کو میرے ساتھ دیکھ لیا۔ لہٰذا میں بصورت عبدل آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

"یعنی میک اپ میں۔" شبلی نے کہا۔ "لیکن عرب ورب بننے کی ضرورت نہیں۔"

"کہیئے تو آپ کی شکل بھی تبدیل کر دوں۔ پھر عیش کرتے پھریں سارے شہر میں۔"

"یار اگر ایسا کر سکو تو کیا کہنے۔"

"ہپی بنا دوں۔ عیش مکمل عیش! غیر ملکی لڑکیاں! ارے باپ رے۔"

"ہائیں! عمران اس طرح آپے سے تو باہر نہ ہو۔"

"بس یہی ٹھیک ہے۔"

"کوئی ہمیں پہچان نہیں سکے گا۔"

"بات تو تب ہے کہ ہم ہی ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں۔" عمران چہک کر بولا۔

"مجھے منظور ہے۔" شبلی خوش ہو کر بولا۔

اور پھر شام ہوتے ہوتے دونوں کے حلیئے بدل گئے تھے۔ شبلی چالیس سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اُن کا لباس صاف ستھرا تھا۔ صرف سر اور چہرہ ہپی ازم کی زد میں آئے تھے۔ اُدھر عمران نے روشی کو فون کر دیا تھا کہ اس کے لئے ایک خاصا دلچسپ جانور دریافت کر لیا گیا ہے۔ اس لئے وہ ٹھیک آٹھ بجے ٹپ ٹاپ نائٹ کلب پہنچ جائے۔

لیکن روشی نے فون پر جواب دیا۔ "تم خود آؤ میرے فلیٹ تک۔ یہیں سے کہیں چلیں گے۔ میں تنہا کہیں نہیں جاتی۔"

"اچھا۔ تو آٹھ بجے دو ہپی پہنچ جائیں گے۔ سب سے کم عمر ہپی کو تو تم پہچانتی ہی ہو۔"

"زیادہ باتوں کی ضرورت نہیں۔ بس آٹھ بجے پہنچ جانا۔"

عمران نے رانا پیلس گاڑی کے لئے فون کیا اور ایک سال خوردہ سی جیپ منگوائی۔

ساڑھے سات بجے تک وہ بھی پہنچ گئی تھی لیکن سلیمان ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

وہ دونوں روانہ ہو گئے۔ شبلی کچھ اور زیادہ بچہ بن گیا تھا۔ بات بات پر قہقہے لگا رہا تھا۔

"لیکن میری گرل فرینڈ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرنا۔" عمران نے اس سے کہا۔ "خطرناک عورت ہے۔ تمہارے لئے دوسری تلاش کر دی جائے گی۔"

"میں یاروں کا یار ہوں تم دیکھ ہی لو گے۔" شبلی بولا۔

ویسے عمران کا اندازہ تھا کہ وہ زیادہ تر عورتوں کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ اگر کوئی بے تکلف عورت قریب آگئی تو گھگھی بندھ جائے گی اس کی۔ وہ شبلی کو سبق بھی دینا چاہتا تھا اسی لئے روشی کو منتخب کیا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے وہ روشی کے فلیٹ میں جا پہنچے تھے۔ روشی نے بھی ہپیوں ہی جیسی وضع والی وِگ پہن رکھی تھی۔ دونوں سے لپک کر ملی اور پھر مستقل طور پر شبلی کے سر ہو گئی۔

عمران نے مسٹر چھپکلی کہہ کر تعارف کرایا تھا اور شبلی اتنا بے سدھ ہو رہا تھا کہ تصحیح کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

روشی بار بار اُسے اوہ ڈیئر چھپکلی کہتی اور وہ ریشہ خطمی ہو جاتا اور عمران کو ایسی احسان مند نظروں سے دیکھتا جیسے والدین کے بعد اُسی نے اس کے لئے کچھ کیا ہو۔

"کون سی پیتے ہو۔ ڈیئر....!" روشی اس کا شانہ تھپک کر بولی۔

"اب کہاں ملتی ہے۔" شبلی بوکھلا کر بولا۔

"میرے فلیٹ میں ملتی ہے۔ اب بھی۔ مہمانوں کے لئے رکھتی ہوں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔" عمران بوکھلا کر بولا۔ "ابھی ذرا گھومیں پھریں گے۔ ٹپ ٹاپ میں کھانا کھائیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" شبلی بھی بولا۔

"اچھا ڈیئر چھپکلی۔"

"اُوہو۔ میرا نام شبلی ہے۔"

"مگر مجھے تو چھپکلی ہی اچھا لگتا ہے۔" روشی اٹھلائی۔

"اچھا، تم یہی کہو۔" شبلی نے بچکانہ سا قہقہہ لگا کر کہا۔

عمران کو بہت دنوں بعد محظوظ ہونے کا جتنا موقع ملا تھا اسے ضائع نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ روشی کو بھی اُسی کھٹارا جیپ میں بٹھا کر وہ ٹپ ٹاپ نائٹ کلب لے گئے۔ یہاں ابھی بہتیری میزیں ایسی نظر آ رہی تھیں جن پر ریزرویشن کارڈز نہیں تھے۔

انہوں نے بھی ایک میز سنبھال لی اور روشی نے کہا۔ "گھر ہی سے پی آئے ہوتے تو بہتر

تھا۔ یہاں تو نہیں ملے گی۔"

"تم پھر پینے لگی ہو۔" عمران نے پوچھا۔

"جب سے بند ہوئی ہے۔"

"آج کل ذرا احتیاط رہا کرو۔" شبلی نے کہا اور وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"کوئی اور بات کرو۔"

اتنے میں فلور شو شروع ہو گیا۔ پھر عمران نے شہباز چوہدری اور ڈاکٹر فوریل کو ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا اور خاموشی سے شبلی کی طرف متوجہ ہو گیا جو روشی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

اَب عمران وہاں سے اٹھ جانا چاہتا تھا۔ اس نے روشی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"میں کچھ دیر کے لئے غیر حاضر ہونا چاہتا ہوں۔"

"کیوں کیوں؟" شبلی بول پڑا۔

"ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔ اگر مجھے دیر ہو جائے تو روشی کے ساتھ اُس کے فلیٹ میں چلے جایئے گا۔ میں واپسی پر آپ کو لے لوں گا۔"

"واہ یہ کیا بات ہوئی۔"

"فکر نہ کرو ڈیئر میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گی۔" روشی شبلی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ "ویسے اب ہم کھانا کھائیں گے۔ عمران کے حساب میں۔"

عمران نے پرس سے کئی بڑے نوٹ نکال کر روشی کے حوالے کئے اور اٹھ گیا۔ یہاں سے وہ سیدھا اُس عمارت میں جانا چاہتا تھا جہاں ڈاکٹر فوریل کا قیام تھا اور یہ بہترین موقع تھا کہ وہ عمارت سے باہر تھی۔ جیپ اس نے روشی اور شبلی کے لئے چھوڑ دی اور خود ٹیکسی سے ماڈل کالونی کی طرف روانہ ہو گیا۔ عمارت کے عقب میں دیوار کے اس حصے سے تو واقف ہی تھا جسے ڈیوڈ کا قاتل بھی استعمال کر چکا تھا۔

ٹیکسی اس نے سڑک ہی پر چھوڑ دی۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ واپسی میں دشواری بھی ہو سکتی تھی۔ چکر کاٹ کر عمارت کے عقب میں پہنچا اور بڑی آسانی سے عقبی پارک میں اُتر گیا۔ عمارت تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ لیکن اب مسئلہ تھا عقبی دروازہ کھولنے کا۔

اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی عقب سے عمارت میں داخل ہونے کی۔ کچھ کھڑکیاں تھیں لیکن سب کی سب اوپر کی منزل سے تعلق رکھتی تھیں۔ تھوڑی دیر تک وہ عقبی دروازے پر جھک مارتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ تو دوسری جانب سے مقفل تھا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ سامنے ہی سے کوشش کی جائے۔ وہ دیوار سے لگ کر چلنے لگا۔ عقبی پارک تو تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن لان پر روشنی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ ڈیوڈ کے قتل کے بعد سے چوکیداروں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہو۔ لیکن وہ یہاں آیا ہی کیوں تھا؟ آخر یہاں اُسے کس چیز کی تلاش تھی۔ کیوں تلاشی لینا چاہتا تھا اس عمارت کی۔ اور یہ کیسے باور کر لیا تھا کہ فوریل کی عدم موجودگی میں اَب بھی عمارت کی نگرانی صرف ایک ہی چوکیدار کی ذمہ داری ہو گی۔

خیالات میں کھویا ہوا وہ آہستہ آہستہ لفٹ ونگ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ کوئی سخت سی چیز پشت سے آ لگی اور ساتھ ہی کہا۔ "اسٹین گن ہے۔ پرخچے اڑ جائیں گے خاموشی سے چلتے رہو۔"

"یعنی یہ بھی نہ پوچھوں کہ میں کہاں آ گھسا ہوں۔" عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"چلو....!" کمر پر اسٹین گن کا دباؤ بڑھ گیا۔

عمران نے دباؤ کی مناسبت سے رفتار تیز کر دی اور پھر روشنی میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ برآمدے میں تین مسلح پہرے دار اور بھی موجود تھے۔

اُسے سیدھا فوریل کے کلینک ہی میں لایا گیا تھا۔ ایک کمرے میں ایک خوبصورت سی سفید فام لڑکی سے ملاقات ہوئی اور وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ "اُوہو.... یہ کوئی ہپی چور ہے۔ جیب خالی ہو گئی ہو گی۔"

"نہیں محترمہ۔" عمران بولا۔ "اس وقت بھی میرے پرس میں ڈھائی ہزار موجود ہیں۔ میں ہپی نہیں بلکہ شاعر ہوں۔"

"تو اس طرح چوروں جیسی حرکت کیوں کی۔"

"شائد عقبی دیوار پھلانگ کر آیا ہے۔" مسلح آدمی بولا۔

"اس سے پہلے یہیں ایک قتل بھی کر چکا ہے اور مقتول کی جیب سے اسے ایک بھاری رقم حاصل ہوئی تھی۔ اسٹین گن مجھے دو اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ میں کور کئے رکھوں گی۔"

اُس کے حکم کی تعمیل فوراً کی گئی تھی۔ یہ مسلح آدمی دیسی ہی تھا اور انگلش روانی سے بول

سکتا تھا۔ اس نے عمران کے ہاتھ اُسی کی ٹائی سے پشت پر باندھ دیئے اور لڑکی نے اُسے اسٹین گن واپس کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی ڈیوٹی پر واپس جاؤ۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔"

"کیا پولیس کو مطلع کر دوں؟"

"اس کا فیصلہ ڈاکٹر کریں گی۔ ہم اپنی طرف سے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔"

"بہت بہتر مس!" کہتا ہوا وہ باہر چلا گیا۔

لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازہ بولٹ کر دیا اور عمران سے بولی۔ "تم لاگو ہو گئے ہو!"

"سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"نہ آج تمہیں دیکھتا اور نہ دوبارہ دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی۔"

"تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا۔"

"تم ایک لڑکی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ لیکن میک اپ کے معاملے میں کچی ہو کلارا ڈکسن اور تمہاری آسان ترین پہچان یہ ہے کہ تم اپنے دستانے کبھی نہیں اتارتیں۔"

"اوہو.... تو تم ہو عمران۔" وہ یکایک پُر مسرت لہجے میں بولی۔

"میں خود ہی تمہاری مدد نہ کرتا تو تم مجھے ہرگز نہ پہچان سکتیں۔"

"میری خواہش تھی کہ تم فرار ہو جاؤ۔"

"اور میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی۔ اَب کیا انعام میں ملے گا۔"

"میں تمہارے ہاتھ کھول رہی ہوں۔"

"اور یقین کرو کہ میرے ہاتھوں سے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"مجھے یقین ہے۔"

اس نے اس کے ہاتھ کھول دیئے اور دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"اب کسی قیمت پر بھی تمہیں نظر سے اوجھل نہیں ہونے دوں گی۔"

"مٹو کے جزیرے کا کیا بنا....!"

"کوسٹ گارڈز کو طلب کر کے اُس نے اپنی شامت بلوالی اور ہم بھی جزیرے کو استعمال نہ کر سکے۔ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

دوسرے کمرے میں پہنچ کر کلارا نے کہا۔ "یہاں میک اپ کا سامان موجود ہے اَب تم عورت بن جاؤ۔ میں تمہیں ایک ہڈ دیئے دیتی ہوں۔"

"پہرے دار کو کیا جواب دو گی۔"

"شور مچادوں گی کہ تم کھڑکی توڑ کر فرار ہو گئے ہو۔"

"اُس کے بعد۔"

"بعد کی باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔"

"لیکن چارہ کیا ہے!"

"تم چاہو تو میں اس جال سے نکل سکتی ہوں۔"

"لیکن تم بھی پتھریلی ہو!"

"باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ پتا نہیں کب فوریل واپس آجائے۔ اس کی واپسی سے قبل ہی تمہارے فرار کا غلغلہ بلند ہونا چاہیئے۔"

"عورت کا میک اپ میرے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"میں مدد کروں گی اس فن میں بالکل ہی کوری نہیں ہوں۔ بس مستقل طور پر اپنی آواز بدلے نہیں رکھ سکتی۔"

"اچھی بات ہے، چلو جو کرنا چاہتی ہو۔ لیکن کیا فوریل میرے بارے میں سوال نہیں کرے گی۔"

"میں کوشش کروں گی کہ اُس کا سامنا نہ ہونے پائے۔"

"چلو جو کچھ کرنا چاہتی ہو کرو۔"

پھر سچ مچ عمران تھوڑی دیر میں ایک ادھیڑ عمر عورت بن گیا تھا۔ اُسے ایک کمرے میں لٹا دیا گیا تھا اور وہ اُسے وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے بھاگ دوڑ کی آوازیں سنیں۔ شاید کلارا نے پہرہ دار کو اس کے فرار کے بارے میں بتا دیا تھا۔

وہ متحیر تھا کہ آن کی آن میں یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ لیکن وہ خاموش پڑا رہا۔ قریباً ایک گھنٹے بعد کلارا واپس آئی تھی۔

"فوریل ابھی تک واپس نہیں آئی۔"

"اور پہرے دار مطمئن ہو گئے ہیں تمہارے اس اسٹنٹ سے۔"

"تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔"

"ایک بے حد ذہین عورت۔"

"بس تو پھر سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں فوریل سے بھی نپٹ لوں گی۔"

"کیا وہ واقعی عورتوں کے امراض کی ماہر ہے۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔" کلارا طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن یہاں اُس کی موجودگی کا مقصد دوسرا ہے۔"

"میں کیوں پوچھوں کہ مقصد کیا ہے۔ ضروری سمجھو گی تو خود بتا دو گی۔"

"فی الحال اس ذکر کو یہیں رہنے دو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"تو شہلا نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ پھر کوئی لڑکی اُس کا تعاقب کرنے لگی ہے۔"

"ہاں، آج ہی تو میں نے اُس سے فون پر گفتگو کی تھی۔"

"کیا واقعی تم اُسے چاہتے ہو۔"

"میں نے کہہ دیا کہ یہی سبق میں نے آج تک نہیں پڑھا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ خاندان ملکی قانون کی گرفت میں نہ آنے پائے.... اور بس...."

"صرف اتنی سی بات کے لئے.... تم...."

"ہاں۔ میں اتنا ہی سنکی ہوں۔"

"لیکن اس لڑکی کے رویئے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"تم خود بتاؤ کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"بس بہت زیادہ منہ نہ لگاؤ۔"

"لیکن تم اُس کا پیچھا کیوں کرتی ہو۔"

"پہلے بھی تم پر ہی ہاتھ ڈالنے کے لئے کیا تھا۔ اَب بھی یہی مطمح نظر تھا۔"

"ایک بات آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ تم بھی سنگزاد ہو۔ لیکن نشلی ڈارٹ کیسے تمہارے جسم میں داخل ہو گئی تھی۔ تمہیں یاد ہو گا جب پہلے پہل میرے آدمیوں نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔ لیکن یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ ہم ہر وقت پتھریلے ہی رہتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ ایک مرکزی مشین ہمیں بوقت ضرورت پتھریلا بنا دیتی ہے۔ جس وقت تمہارے آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا اُس ریموٹ کنٹرول کو استعمال کرنے کا جو میرے سلسلے میں مرکزی مشین کو حرکت میں لاتا۔ بس تمہارے آدمی کی ڈارٹ گن کام کر گئی تھی۔"

"اُوہ.... اچھا۔"

"دیکھو.... ہمارے مغز میں جو دو عدد چھوٹی بڑی چیزیں رکھی ہوئی ہیں ہم انہیں کرسٹل کہتے ہیں لیکن پتا نہیں وہ کیسے آلات ہیں۔ بہر حال مشین کے حرکت میں آتے ہی وہ بھی متحرک ہو کر میری کھال کے خلیات کو کرسٹلائز کر دیتے ہیں۔ اور میں پتھر کی ہو جاتی ہوں۔ وہ کیفیت رفع ہوتے ہی خلیات پھر اصلی حالت پر آ جاتے ہیں۔"

"تو کیا کوئی مرکزی مشین شہر میں بھی موجود ہے۔"

"ہاں یہاں بھی ہے اور ہم جب چاہیں اپنے ریموٹ کنٹرول سے اُسے اپنے لئے حرکت میں لا سکتے ہیں۔"

"تم کب تک روبوٹ بنی رہو گی۔"

"میں اَب اس زندگی سے نجات چاہتی ہوں۔ لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ مجھ پر لاکھوں ڈالر صرف ہوئے ہیں محکمے کے۔ یہ تو اتفاقاً جیگوار کے ساتھ مجھے الجھا دیا گیا۔ ورنہ مجھے تو اسلامیات کی تعلیم اس لئے دی گئی تھی کہ کسی افریقی اسلامی ملک کے سربراہ یا کسی دوسرے ذمہ دار بڑے آدمی کو اپنے خیالات سے متاثر کروں گی۔ اور پھر اس ملک میں وہی ہو گا جو میری تنظیم چاہے گی۔"

"اوہ.... تو تم....!"

"ہاں شائد! مجھے مسلمان بھی ہونا پڑتا۔"

"کمال ہے پھر یہاں کیوں جھک مار رہی ہو۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر یہ تم لوگ کسی سفید فام کی زبان سے اسلام کی باتیں سن کر آپے سے باہر کیوں ہو جاتے ہو۔ کیا تمہیں وہ کرنل لارنس بھول گیا جس نے

تمہارے اتحاد کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔"

"کبھی کبھی یاد آجاتا ہے۔" عمران بولا۔ "اُف فوہ۔ کہیں فوریل نہ ٹپک پڑے۔"

"وہ میرے کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتی۔"

"کیا وہ بھی کرسٹلائزڈ ہے۔"

"نہیں....! بس اَب تم آرام سے سوجاؤ۔"

عمران کو روشی اور شبلی یاد آئے۔ لیکن وہ کرہی کیا سکتا تھا۔ پھنس گیا تھا بُری طرح۔



ادھر شبلی بڑی موج میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار کسی عورت سے سابقہ پڑا ہو۔ روشی بھی اُسے مایوس نہیں کررہی تھی۔ اتنی ہی سی دیر میں اُسے اُس کی فطرت کا اندازہ ہوگیا تھا۔

"آپ عمران کو کب سے جانتی ہیں مس روشی۔" شبلی نے اچانک سوال کیا اور وہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"بہت پرانی بات ہے۔ اس نے مجھے ایک بُرے آدمی کے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔ تب سے وہ ایک بہت اچھا دوست ہے۔"

"دوست تو واقعی بہت اچھا ہے۔"

"تم کب سے جانتے ہو۔"

"زیادہ دن نہیں ہوئے۔ مگر میں اُس کے خلوص کا قائل ہوگیا ہوں۔"

"ہاں واقعی وہ بہت اچھا دوست ہے اتنا اچھا کہ پورے ڈیڑھ سال بعد میں آج اُسے یاد آئی ہوں۔"

"بڑی مصروف زندگی گزارتا ہے۔"

"اب اپنا تعارف بھی کرادو۔ عمران نے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"شبلی، نام ہے۔ جلال آباد کا زمیندار ہوں۔ یہاں آجاتا ہوں کبھی کبھی ایک بار عمران صاحب سے ملاقات ہوگئی۔"

"کبھی غصہ بھی آیا اُس پر۔"

"کئی بار! ایک بار اُس نے مجھے کافی میں بیہوشی کی دوا دلوادی تھی اور پیچھا چھڑا کر فرار ہوگیا تھا۔"

روشی ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "وہ ایسا ہی ہے مجھ سے کہہ کر جائے گا۔ بس آیا پندرہ منٹ میں لیکن سال بھر سے پہلے ملاقات نہیں ہوتی۔"

"لیکن آخر یہ شادی کیوں نہیں کرتا۔"

"مسٹر چھپکلی یہ ایک دردناک مسئلہ ہے۔ اسے نہ چھیڑو تو بہتر ہوگا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

اتنے میں ویٹر مینو لے آیا۔ اور روشی نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا سافٹ ڈرنک کی بوتل بھی نہیں ملے گی؟"

"مل جائے گی جناب! بوگا کولا کی بوتل میں سرخ بیئر لیکن آپ اُسے بوتل ہی میں اسٹرا سے پئیں گے۔"

"یہ ہوجائے گا۔ لیکن تم اس میں تھوڑی سی وھسکی نہیں ملا سکو گے۔"

"نہیں میم صاحب۔ یہاں ہے ہی نہیں۔ آپ سرخ بیئر کو کیا سمجھتی ہیں۔"

"اچھا تو پہلے اپنا بوگا کولا ہی لاؤ۔ ہم تمہیں ذاتی طور پر خوش کردیں گے۔ اور ہاں تلے ہوئے جھینگے بھی لانا۔ اُس کے بعد میں الاکارتا سے دیکھ کر آرڈر پلیس کروں گی۔"

وہ اپنی پیشانی چھو کر واپس چلا گیا۔

"یہ شراب بندی ہوئی ہے۔" شبلی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"حکومت ہر فرد پر ایک سپاہی مسلط نہیں کرسکتی۔ وہ قوانین بناتی رہتی ہے اور ہم قانون شکنی کے راستے اُسی قانون کے اندر سے نکالتے رہتے ہیں۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"تم کون سی پیتے ہو ڈیئر چھپکلی۔"

"عادی نہیں۔ کبھی کبھار جیسی بھی نصیب ہوجائے۔"

"اگر تمہارے پاس ڈالر یا پونڈ ہوں تو تم ایئرپورٹ کی ڈیوٹی فری شاپ سے بہ آسانی خرید سکتے ہو۔ کوئی تم سے نہیں پوچھے گا کہ تم کس قوم یا مذہب سے تعلق رکھتے ہو۔"

"خدا کی پناہ مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔ میں اس کا تذکرہ اپنے داماد سے ضرور کروں گا۔"

"تمہارا داماد....!"

"کیپٹن فیاض۔ اَب اپنے محکمے کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہو گیا ہے۔"

روشی نے فیاض کے ذکر پر بُرا سامنہ بنا کر کہا۔"بڑے نالائق آدمی کو تم نے اپنی بیٹی دے دی ہے۔اول درجے کا احسان فراموش ہے۔"

"میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"عمران کی زندگی تلخ کر رکھی ہے اُس نے .... حالانکہ یہ ساری ترقیاں اُسی کی مرہون منت ہیں۔ وہ کیسوں کو حل کر کے انہیں آپ کے داماد صاحب کے حوالے کر دیتا ہے لیکن وہ شخص برابر اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ عمران کو نقصان پہنچ جائے۔"

"مجھے علم نہیں تھا ان حالات کا۔ واقعی فیاض سے بڑا کمینہ پن سرزد ہوا ہے۔"

روشی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ویٹر طلب کی ہوئی اشیاء لے آیا۔ دونوں اِسٹرا سے گھونٹ لیتے اور جھینگے کھاتے رہے۔

"واقعی یہ بیئر تو بہت ہی نشیلی ہے۔" شبلی نے کہا۔

"اوہ.... ڈیئر میرے پاس وائٹ بریڈ پیل ایل کا ایک پورا کریٹ موجود ہے۔ گھر چل کر اُسے بھی چکھنا۔"

"اچھا۔اچھا۔ تم مہربان خاتون ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ عمران فیاض ہی کے خوف سے تمہارا میک اپ کر کے ساتھ رکھتا ہے۔"

"تم اس کے بارے میں بہت زیادہ جانتی ہو مس روشی۔"

"کیوں نہ جانوں گی۔ وہ میرا طوطا ہے۔"

شبلی کا دماغ گرم ہونے لگا تھا۔ اچانک چونک کر بولا۔"وہ گاڑی بھی لے گیا ہو گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تم خاموشی سے عیش کرو۔"

"تو کیا واقعی تم مجھے اپنے گھر لے چلو گی۔"

"تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ ارے عمران کچھ کہے اور میں نہ کروں۔"

"واہ دوستی ہو تو ایسی ہو۔"

"بس وہ صرف دوستی ہی کے قابل ہے۔ ورنہ اُسے تو مجھ سے شادی کرنی پڑتی۔"

"خدایا۔ بات اس حد تک بڑھی تھی۔"

"ہاں مسٹر شبلی۔ میں اَب تمہیں چھپکلی نہیں کہوں گی کیونکہ عمران تمہیں پسند کرتا ہے۔"

اتنے میں اچانک شبلی کی گھگھی بندھ گئی۔ کیونکہ کیپٹن فیاض ایک نازک اندام خاتون کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تھا۔

روشی نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا سوال کر بیٹھی۔"کیا یہ تمہاری بیٹی ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"میں اس عورت کو جانتی ہوں فیاض ہی کے محکمے سے تعلق رکھتی ہے۔ ماریہ نام ہے۔ ہو سکتا ہے آج کل فیاض کی اسٹینو کے فرائض انجام دے رہی ہو۔"

"لیکن یہ اسے باہر کیوں ساتھ لئے پھرتا ہے۔"

"ختم کرو اُدھر سے توجہ ہٹالو۔ یہ سب بعد میں سوچنا۔ چلو جلدی سے بوتل ختم کرو تاکہ میں مینو سے بھی کچھ منگوا سکوں۔"

"میرے لئے تو جھینگے کی پلیٹ ہی کافی ہو گی۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ میں اَب سیخوں پر بھنی ہوئی ران منگواؤں گی اور تمہیں میرا ساتھ دینا ہی پڑے گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" شبلی آہستہ سے بولا۔ اُس کا ذہن بُری طرح فیاض میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

ویٹر نے میز صاف کی اور روشی سے آرڈر لے کر بولا۔"ڈرنک بھی لاؤں میم صاحب۔"

"نہیں اس کے ساتھ نہیں۔ ویسے کیا تم اس کی چھ بوتلیں میرے لئے پیک کرا سکو گے۔"

"ہو جائیں گی میم صاحب اور حکم۔"

"بس جاؤ۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ یہیں اس کا خون پی لوں۔" شبلی نے کہا۔

"اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں یہاں سے اٹھالے جاؤں گی۔"

"خیر جہنم میں جائے پھر کبھی دیکھوں گا۔"

"لیکن اپنی بیٹی سے اس کا ذکر ہرگز نہ کرنا۔ وہ تو بے موت مرجائے گی۔"

"نہیں مجھ سے ایسی غلطی سرزد نہیں ہوگی۔ لیکن مس روشی میرا خون کھول رہا ہے۔"

"خون ٹھنڈا رکھو۔ عمران کے دوست ہو۔"

"وہ مجھے سرے سے آدمی ہی نہیں معلوم ہوتا۔"

"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن وہ بڑا بھرپور آدمی ہے۔ اچھا تم یہیں بیٹھو۔ میں ذرا دیکھ لوں جیپ چھوڑ گیا ہے ہمارے لئے یا نہیں۔" روشی نے کہا اور باہر نکل گئی۔ جیپ موجود تھی اور اگنیشن میں کنجی بھی لگی ہوئی تھی۔ اُس نے کنجی اگنیشن سے نکالی اور پھر ڈائننگ ہال میں واپس آگئی۔ یہاں ویٹر اسکی طلب کردہ اشیاء میز پر لگا رہا تھا۔ "یہ کام ہوا ہے اور ہاں سوفٹ ڈرنکس بھی۔" اُس نے ویٹر سے کہا اور پھر شبلی سے بولی۔ "جیپ موجود ہے ہم کسی وقت بھی روانہ ہوسکتے ہیں۔"

انہوں نے کھانا شروع کردیا اور دفعتاً شبلی نے کہا۔ "لمبی تڑنگی عورت کو دیکھ رہی ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ گوشت کے پہاڑ بھی کہیں چھپتے ہیں۔"

"وہ ڈاکٹر فوریل ہے۔"

"اوہ۔ اچھا۔ یہ وہی ڈاکٹر فوریل تو نہیں جس کا منیجر ڈیوڈ تھا اور شائد اسے کسی نے قتل کردیا تھا۔"

"ہاں وہی وہی۔ لاولد عورتوں کو بامراد بنا دیتی ہے۔ لیکن ہمارے فیاض صاحب اس پر آمادہ ہی نہیں ہوتے۔"

"کیا فیاض لاولد ہیں۔"

"یہ بھی ایک ٹریجڈی ہے۔"

"تو تم اس ڈاکٹر سے کیوں نہیں رجوع کرتے۔"

"میں نے چاہا تھا لیکن اُسی دوران میں وہاں ایک قتل ہوگیا اور فیاض نے ارادہ ملتوی کردیا۔"

"یہ تو واقعی بُری بات ہوئی ہے۔"

کھانا ختم کرکے روشی نے شبلی سے کہا۔ "کیا بال روم میں چلیں۔"

"مجھے رقص کرنا نہیں آتا۔"

"تو پھر گھر چلتے ہیں۔"

"یہی زیادہ مناسب رہے گا۔ میں وہیں سے گھر فون کردوں گا کہ ایک دوست کے ساتھ

رُک گیا ہوں۔"

بل کی ادائیگی کے ساتھ روشی نے حسب وعدہ ویٹر کو بھاری ٹپ دی تھی۔

"کیا تمہاری بیوی زندہ ہے۔" روشی نے پوچھا۔

"نہیں، دس سال ہوئے اُن کا انتقال ہوگیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

دونوں باہر نکلے اور روشی اُسے جیپ کی کنجی تھماتی ہوئی بولی۔ "گاڑی تم ہی چلاؤ گے۔ میں نے پہلے کبھی جیپ ڈرائیو نہیں کی۔"

اس طرح روشی کو تھوڑا سا اونگھ لینے کا موقع مل گیا۔

اپنے فلیٹ میں پہنچ کر اُس نے شبلی کو وہسکی کی ایک بوتل تھمادی تھی۔ "ارے میں ایسا پینے والا نہیں ہوں۔ پتا نہیں عمران پھر کہاں غائب ہوگیا۔" شبلی نے کہا۔



دوسری صبح عمران نے کلارا ڈکسن کو بتایا کہ اُس کی جیگوار سے گفتگو ہوچکی ہے۔ اور وہ اس کے سلسلے میں سر ہو رہا تھا کہہ رہا تھا کہ چار دن کے اندر اندر اس کا سراغ نہ ملا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

"میں اس کی لاعلمی میں یہاں آگئی ہوں۔"

"کیا تم نے اپنے مغز سے وہ کرسٹلز نکلوا دیئے ہیں۔"

"نہیں تو.....!"

"تو گویا تم جب چاہو خطرناک ہوسکتی ہو۔"

"میری مرضی پر منحصر ہے۔ فوریل دراصل یہاں اُسی مرکزی مشین کی نگراں ہے۔"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم اپنی موجودہ زندگی سے خوش نہیں ہو۔"

"میں آزاد ہونا چاہتی ہوں۔"

"کیا میں اس سلسلے میں تمہارے کسی کام آسکتا ہوں۔"

"تم میرے کسی کام نہیں آسکتے۔ لیکن میں تمہارے کام آنا چاہتی ہوں۔"

”وہ کس طرح۔“

”منو کے جزیرے میں واپس چلو۔“

”وہاں فوج پڑی ہوئی ہے۔“

”ہمیشہ فوج نہیں پڑی رہے گی۔ منو ذی اثر آدمی ہے جزیرہ اُسے واگذار ہو جائے گا۔“

”چھ ماہ لگ جائیں گے۔“

”جب بھی یہ صورت ہو۔ تم ہمارے کام آسکتے ہو۔ دراصل ہم بھی وہاں اپنا ایک چھوٹا سا کارخانہ لگانا چاہتے ہیں اور یہ کام تمہاری ہی نگرانی میں بہتر طور پر ہو سکے گا۔“

”بیٹھی انتظار کرتی رہو۔“ عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر عمران نے کہا۔ ”تو اَب میں تمہارا قیدی ہوں۔ پہلے جگوار کا تھا۔“

”قطعی نہیں۔ تم جب چاہو جا سکتے ہو۔“

”فی الحال تو میں ایک فون کال کرنا چاہتا ہوں۔“

”ضرور ضرور دس کالیں کرو۔ لیکن کوئی حرکت نہ ہونے پائے۔“

”مجھے جو کچھ بھی کرنا ہوتا ہے للکار کر کرتا ہوں۔“

عمران نے فون پر روشی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

”میرے دوست کا کیا حال ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”ابھی تک بیدار ہی نہیں ہوا۔ پچھلی رات وھسکی کی پوری بوتل صاف کر دی تھی۔“

”یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔“

”ارے وہ تو عجیب چیز ہے۔“ روشی نے کہا اور اُس کو کیپٹن فیاض اور اس کی اسٹینو کے بارے میں بتانے لگی۔

”بوڑھا خطرناک ہے۔ کہیں فیاض سے الجھ نہ پڑے۔ تم اسے سمجھا کر کنٹرول میں رکھنا۔“

”آخاہ تو کیا میں اسے مہینے بھر مہمان رکھوں گی۔“

”اس کا میک اپ تو اُتار ہی سکتی ہو۔“

”وہ میں نے پچھلی رات ہی اتار دیا تھا۔ تم بھی تو کمال کرتے ہو۔ پچھتر سالہ بوڑھے کو چالیس سالہ بنا دیا تھا۔“

”اچھی بات ہے جیسے ہی وہ جاگے اس سے کہہ دینا کہ گھر چلا جائے اور اسے میری جیپ ہرگز نہ استعمال کرنے دینا۔“

عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد اس نے اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔ کال جوزف نے ریسیو کی اور چہک کر بولا۔ ”خدا کا شکر ہے تم مل گئے باس.... صبح سے کئی بار کیپٹن فیاض کی کال آچکی ہے۔ اُن کا پدر نسبتی کہیں گم ہو گیا ہے۔“

”تو نے کیا کہا۔“

”کہتا کیا۔ کہہ دیا کہ باس کئی دنوں سے فلیٹ میں نہیں آئے۔“

عمران نے سلسلہ منقطع کر کے کیپٹن فیاض کے گھر کے نمبر ڈائیل کئے۔ اتفاق سے فیاض گھر ہی پر موجود تھا۔ عمران کی آواز سنتے ہی ڈپٹ کر پوچھا۔ ”شبلی خالو کہاں ہیں۔“

”بھیس بدل کر تمہاری ٹوہ میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔“

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ عمران یہ بہت سیریس معاملہ ہے۔“

”ہوا کرے میں نہیں جانتا کہ من چلا بوڑھا کہاں ہے اور ہاں تم نے ڈپٹی ڈائریکٹری والی مٹھائی ابھی تک نہیں کھلائی۔“

”آکر کھا جاؤ۔ میں تین بجے تک گھر ہی پر رہوں گا۔“

”یہ ہوئی نا بات۔“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو جانے کی آواز آئی اور عمران بُرا سا منہ بنائے کھڑا رہا۔ اتنے میں کلارا آگئی اور بولی۔ ”تم پھر سے وہی ہپی والا میک اَپ کر لو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ پتا نہیں یکجائی کی یہ مدت کتنی مختصر ہو۔“

”اگر یہ بات ہے تو چلو۔“

”میں وہ تمام جگہیں دیکھنا چاہتی ہوں جہاں جہاں سنگزاد کو رکھا گیا تھا۔“

”لیکن میں آئی ایس آئی کے ڈائریکٹوریٹ میں نہیں جاسکوں گا۔“

”اُس کی فکر نہ کرو۔ اٹھو اور میرا میک اپ کر دو۔“

عمران نے خاصے پُر تفکر انداز میں یہ کام انجام دیا تھا۔

"تمہاری کن کن صلاحیتوں کی تعریف کی جائے۔" وہ میک اپ کرانے کے دوران میں بولی تھی۔ "کیا تم مجھے اپنے فلیٹ میں لے چلو گے۔"

"کیوں نہیں ضرور ضرور۔"

"اور میں وہاں جب تک قیام کرنا چاہوں کر سکوں گی۔"

"بالکل کر سکو گی۔"

"دراصل جیگوار تمہارے چیف ایکس ٹو پر قابو پانا چاہتا ہے۔"

"اور ایکس ٹو ابھی تک بالکل خاموش ہے۔ ابھی ہم لوگ نچلی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ اگر ایکس ٹو کو حرارہ آگیا تو تمہاری یہ ٹیم آن واحد میں ختم ہو جائے گی اور یقین کرو کہ وہ غیر ملکی ایجنٹوں کو گرفتار کر کے مقدمہ چلانے کا قائل نہیں۔ وہ انہیں ختم کرا کے دریائے برد کر دیتا ہے۔"

"خیر میں اس وقت تمہارے ساتھ ایک دشمن کا سا برتاؤ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں نے پچھلی رات تمہیں مہمان بنایا تھا۔"

"شکریہ! میں بھی تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

"میں شاعرہ تھی چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھتی تھی لیکن تلاش معاش مجھے کہاں اور کن حالات میں لے گئی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

وہ فوزیل کی عمارت سے نکل آئے اور عمران نے سرگوشی کی۔ "اب اسی طرح جھک کر چلتی رہو۔ چلنے کا یہ اسٹائل دلکش ہے۔"

"تمہاری ٹیم میں کتنے فیلڈ ورکرز ہیں۔" کلارا نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔ یقین کرو کہ میں ایک قسم کا خبطی ہوں۔ مجھے ملازمت کی ضرورت نہیں لیکن کرتا ہوں اور ملک دشمن عناصر کی سرکوبی کرتے رہنا میرا ایمان ہے۔"

گاڑی فیاٹ الیون ہنڈریڈ تھی۔ کلارا خود ہی اُسے ڈرائیو کر رہی تھی۔

"کیا میں پہلے تمہیں اُس لانڈری میں لے چلوں جہاں سنگزاد کپڑے دھویا کرتا تھا۔"

"بس باہر ہی سے دکھا دینا۔ میں وہاں کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔"

"جیسی تمہاری مرضی اب تو تم میری مہمان ہو۔"

"شکریہ! لیکن مجھ سے ہوشیار ہی رہنا۔"

"اسی پر تو حیرت ہے کہ آخر تم اس طرح مجھ پر مہربان کیوں ہو گئی ہو۔ یہ تو میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔"

"وقت وقت کی بات ہے ڈیئر۔"

"اچھا اگر اجازت دو تو پہلے اپنے ایک دوست کی خیریت دریافت کر لوں جسے پچھلی رات ایک دوست ہی کے حوالے کر آیا تھا۔"

"ٹھیک ہے پہلے وہیں چلتے ہیں۔"

"آج گرمی ہے دستانے اتار دو۔"

"میں ہمیشہ پہنتی ہوں اس لئے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اچھا میں تمہیں وجہ بتا رہی ہوں۔ ایک ہاتھ کی انگلیاں کچھ بے ہنگم سی ہیں اسلئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ دستانے پہنے جائیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔" عمران نے غم ناک لہجے میں کہا اور کلارا ڈکسن مسکرا دی۔

اُس نے روشی کے فلیٹ سے کچھ اِدھر ہی گاڑی رکوائی تھی اور بولا تھا۔ "میں اوپر جاؤں گا۔ اگر میرا دوست موجود ہوا تو میں اُسے جیپ میں بٹھا کر گھر پہنچاؤں گا تم بس پیچھے چلی آنا۔ اس کے بعد میں تمہیں اپنے فلیٹ میں لے چلوں گا۔ تم اردو اچھی خاصی بول لیتی ہو اس لئے وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔"

"چلو جاؤ جلدی کرو۔"

عمران نے روشی کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی دروازہ کھلا لیکن روشی کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔

"خیریت.....!" عمران مسکرا کر بولا۔

"پتا نہیں کہاں کہاں کے کاٹھ کباڑ لا کر میرے سر مار دیتے ہو۔ وہ ابھی تک سو رہا ہے۔ کئی بار کوشش کر چکی ہوں۔ واقعی کیپٹن فیاض کا فادر اِن لا ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اگر واپسی پر اسے پوری بوتل نہ پلوا دیتی تو یہ تو پڑوس والوں کے لئے مصیبت بن جاتا۔ کہہ رہا تھا کہ اس کا باپ ابھی زندہ ہے اور اس سے بھی کہیں زیادہ زندہ دل واقع ہوا ہے۔"

"چلو میں اٹھاتا ہوں اُسے۔" عمران نے کہا۔

شبلی سٹنگ روم کے ایک دیوان پر چت پڑا ہوا تھا اور میک اپ صاف ہو جانے کی وجہ سے اُلّو ہی لگ رہا تھا۔ عمران نے اُسے بے دردی سے جھنجھوڑ کر بٹھا دیا۔

"ارے ارے بھائی۔ یہ کیا کرتے ہو۔ پس نازک اَست شیشۂ دل در کنارما۔"

"ہوش میں آؤ۔ ورنہ کچھ دیر بعد فیاض پاگل ہو جائے گا۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل اس سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔"

"تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے۔"

"بس ایک ضروری کام یاد آیا تھا۔ وہاں پہنچا اور الجھ گیا۔"

"اَب میں گھر کیسے جاؤں گا۔"

عمران نے روشی سے سوڈے کی بوتل طلب کی اور شبلی کو زبردستی پلادی اور گالوں پر تھپکیاں دیتا ہوا بولا۔ "شاباش اَب آنکھیں کھول دو۔ اچھے بچوں کی طرح۔"

"اے تم میرا مضحکہ کیوں اڑا رہے ہو۔" شبلی کو غصہ آ گیا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں مسٹر اور مسز فیاض کی پریشانیوں کی بات کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اخبار میں تلاش گمشدہ کا اشتہار بھی آ جائے۔"

"اوہ.... میرے خدا اس کا تو دھیان ہی نہیں تھا مجھے۔" شبلی کہہ کر جلدی سے اٹھا اور خود کو سنبھالنے لگا۔

اُدھر روشی عمران پر گرج برس رہی تھی کہ کیسے غبی آدمی کو میرے سپرد کر گئے تھے۔ جسے بس کھانے پینے کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں۔ میں نے کہا تھا چلو بالُ روم میں کچھ دیر رقص کریں گے لیکن بالکل کورا ہے۔

"اب تم زیادتی کر رہی ہو۔" شبلی نے کہا۔

"زیادتی عمران کی ہے جو تمہیں چالیس سال کا بنا کر لایا تھا۔ اَب مجھ سے تمہارے چہرے کی جھریاں گنی نہیں جا رہیں۔"

"تم جیسی.... عجیب عورت آج تک میری نظر سے نہیں گذری۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" عمران اُس کا شانہ تھپک کر بولا۔ "کبھی کبھی آتے رہنا۔ روشی کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"اپنی بوتل بھی ساتھ لانا۔ میرے یہاں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔"

"ارے میں آنے ہی کیوں لگا۔ بڑا اچھا برتاؤ کیا ہے نا تم نے میرے ساتھ۔"

"لو اب بدنام بھی کرو گے۔"

"باتیں پھر ہو جائیں گی۔ بس اب تم سے جتنی تیزی سے ممکن ہو یہاں سے کھسک چلنے میں دکھاؤ۔"

"اس رقم سے کام چل گیا تھا یا اور کچھ دوں۔" عمران نے روشی سے پوچھا۔

"یہ لو اپنے ڈیڑھ سو روپے بچے ہیں۔" روشی نے پرس کھول کر نوٹ نکالے۔

"ارے نہیں انہیں رکھو۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "شبلی صاحب نے یہاں بھی تو پی ہو گی۔"

"پوری بوتل صاف کر گئے وھسکی کی۔" روشی نے کہا۔

عمران شبلی کو فلیٹ سے نکال لایا۔ یہاں سے کلارا کی گاڑی نظر آ رہی تھی۔ عمران نے ہاتھ اٹھا کر اُسے اشارہ کیا اور شبلی سمیت جیپ میں بیٹھ گیا۔

"کیا گھر پر ہی اُتارو گے۔" شبلی نے سوال کیا۔

"پاگل کتے نے نہیں کاٹا مجھے۔ جیل روڈ پر اُتار دوں گا۔ وہاں سے ٹیکسی کر کے گھر چلے جانا کوئی کچھ نہیں کہے گا اور تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم راتوں کو گھر سے غائب رہنے کے عادی ہو۔"

"یہ غلط ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ یہ بتاؤ تفریح کیسی رہی۔"

"خاصی۔ لیکن یار ہے بڑی جھوٹی عورت۔ مجھے گھر لا کر زبردستی پلوائی تھی اور دیوان پر سلا کر خود اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھی۔"

"اُس نے اسی لئے پلوائی تھی کہ اپنی خواب گاہ میں تنہا سو سکے۔"

"ارے تو کیا تم مجھے لفنگا سمجھتے ہو۔"

"ارے نہیں انکل...."

"اَب گالی بھی دو گے۔"

"اگر انکل گالی ہے...."

"بس بس۔ مجھے جیل روڈ پر اُتار دینا۔ میں وہاں سے ٹیکسی لے لوں گا۔"

"لیکن خدارا بھابی کو یہ نہ بتایئے گا کہ فیاض صاحب کی رات کی ڈیوٹی کس قسم کی ہوتی ہے۔"

"تم مجھے بچہ سمجھتے ہو۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"بس اَب رحم کیجئے مجھ پر۔"

"یہیں روک دو۔"

عمران نے جیپ روکی اور شبلی بڑی پھرتی سے کود کر ایک خالی ٹیکسی کی طرف دوڑ گیا۔ اس کی بوکھلاہٹ پر عمران بے ساختہ مسکرا پڑا۔ پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ کلارا ڈکسن بھی اس کے تعاقب میں ہوگی۔ تو پھر اُسے کہاں جانا چاہئے۔ فلیٹ ہی مناسب رہے گا۔ اُس کا رویہ الجھن میں مبتلا کرنے والا تھا۔ دشمن بھی تھی اور مہمان بننے کا ارادہ بھی رکھتی تھی۔

جیپ کا رخ فلیٹ ہی کی طرف رہا اور ذہن الجھا رہا تازہ ترین حالات میں جیگوار کی دھمکیوں سے تو یہی ظاہر ہوا تھا جیسے کلارا اُس کا ساتھ چھوڑ کر غائب ہوگئی لیکن کلارا ابھی تک تنظیم سے منسلک معلوم ہوتی تھی۔ ورنہ وہ ان جگہوں کو کیوں دیکھنا چاہتی تھی جہاں جہاں سنگراد کو رکھا گیا تھا اور پھر یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ مٹو کے جزیرے میں دوبارہ پہنچ کر اُس کی مدد کرے۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ اس کا مشن بدستور وہی تھا لیکن جیگوار کے اقتدار سے اختلاف رکھتی تھی....

بہر حال اس کا رویہ بے حد پُر اسرار اور حیرت انگیز تھا۔ پہلے کبھی عمران کو ایسے کسی دشمن سے مل بیٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا جس نے خود کو اتنی لاپرواہی سے اس کے حوالے کر دیا ہو۔

آخر وہ حقیقتاً کیا چاہتی تھی۔ بہر حال اگر اس نے اُس کے فلیٹ ہی میں قیام کرنے کی ٹھان لی تو کیا ہوگا؟ یہی کہہ کر ساتھ ہوئی تھی کہ وہ اس کے فلیٹ میں قیام کرے گی۔ لاکھ میک اپ میں سہی لیکن وہ اُس کے وجود کو فلیٹ میں کس طرح کھپائے گا۔ اپنے ماتحتوں پر بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کلارا ڈکسن ہے اور یہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جیگوار پر اُسی کے توسط سے ہاتھ ڈال سکے گا۔ لہٰذا اس نادر موقع کو بھی ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

فلیٹ کے قریب اس نے جیپ روک دی۔ لیکن سیٹ ہی پر بیٹھا رہا۔ اُسے یقین تھا کہ اب کلارا کی فیاٹ بھی آکر اس کے قریب ہی رکے گی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ دور دور تک فیاٹ کا پتہ نہیں تھا۔ وہ جیپ سے اتر آیا اور پھر کچھ دیر تک انتظار کرتا رہا۔ مگر کلارا وہاں نہ پہنچی۔

عمران ہپی کے روپ میں تھا۔ گلرخ اور جوزف اُسے اِسی حلیے میں دیکھ چکے تھے۔ ورنہ وہ

فلیٹ کا رخ ہرگز نہ کرتا۔

دروازہ سلیمان نے کھولا اور عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ "فرمایئے!"

"ہٹ پیچھے....!" عمران اُسے دھکا دیتا ہوا اپنی اصل آواز میں بولا۔

"ہائیں آپ آپ....!" وہ بوکھلا کر مزید کئی قدم پیچھے ہٹتا ہوا کراہا۔

"چرس کے کمیشن ایجنٹوں کی مجلس عاملہ کی صدارت کرنے گیا تھا۔ جلدی سے کافی کے لئے پانی رکھ دے۔"

"کیپٹن فیاض کے فون پر فون آرہے تھے۔"

"آنے دے پرواہ نہ کر....!"

"بڑے صاحب کا فون بھی آیا تھا۔"

"کب....؟" عمران چونک کر بولا۔

"کل رات کو.... گیارہ بجے....!"

"کیا کہہ رہے تھے....!"

"جب بھی آپ آئیں سیدھے کوٹھی پہنچیں۔"

"آج دوسرا دن ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اس وقت وہ آفس میں ہوں گے۔"

سلیمان کچھ کہے بغیر کچن کی طرف چلا گیا۔

عمران میک اپ اتار ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی.... ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔ "تمہاری نگرانی ہو رہی ہے۔ اس لئے میں نے تمہارے ساتھ فلیٹ میں داخل ہونا مناسب نہیں سمجھا۔"

"ظاہر ہے کہ یہ نگرانی کرنے والے تمہاری ہی تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں گے؟" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں انہیں جیگوار کے آدمی کہتی ہوں۔"

"ایک ہی بات ہے۔"

"تمہاری مرضی! میں تمہیں اپنی مہمان بنانے پر تیار ہوں۔"

"فی الحال میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔"

"کیا وہیں واپس جاؤ گی جہاں قیام تھا....!"

"ضروری نہیں ہے۔ بہر حال جیگوار کی پہنچ سے دور رہنا چاہتی ہوں۔"

"اس سلسلے میں ہر وقت تمہاری مدد کر سکوں گا۔"

"شکریہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ عمران نے طویل سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اتنے میں گل رخ کافی کی ٹرالی سمیت کمرے میں داخل ہوئی۔

"آخاہ.... تو ابھی قلاقند کا سلسلہ جاری ہے۔" عمران نے قلاقند کی پلیٹ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں صاحب پہلے کی ہے۔"

"اسے لے جاؤ اور اُسی کے منہ پر مار دے۔"

"تو کیا صاحب سچ مچ وہ یہی کرتا ہے۔"

"اَب کرے گا تو جہنم رسید ہو جائے گا۔ میں کوئی مدد نہیں کروں گا۔"

"ظاہر ہے صاحب۔"

"بس تو اسے سمجھا دے کہ اس قسم کے لوگوں کے قریب بھی نہ دکھائی دے ورنہ میں ہی اُس کا انتظام کرا دوں گا۔"

"بڑے صاحب کا فون آیا تھا۔"

"ابھی معلوم کروں گا کہ کیوں آیا تھا۔"

وہ کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"ہیلو....!" اُس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز آئی۔

"میں گھر جا رہا ہوں۔ جتنی جلدی ممکن ہو تم بھی پہنچ جاؤ۔"

"بہت بہتر جناب!" عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا اور مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ طویل سانس لے کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ رحمان صاحب کی کال کی وجہ سے الجھن میں پڑ گیا تھا۔ لباس تبدیل کر کے آدمی کی جون میں آنے میں پندرہ بیس منٹ لگے۔

نیچے ٹوسیٹر موجود تھی۔ جیپ وہیں چھوڑی اور ٹوسیٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ کچھ دور چلنے

کے بعد اندازہ ہو گیا کہ تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ یہ تعاقب کرنے والا آئی ایس آئی سے بھی متعلق ہو سکتا تھا۔

کوٹھی کے پھاٹک ہی پر چوکیدار نے خصوصیت سے اطلاع دی کہ رحمان صاحب آؤٹ ہاؤز میں ہیں۔

کوئی بہت اہم معاملہ معلوم ہوتا تھا کہ رحمان صاحب نے اقامتی حصے میں ملنے سے گریز کیا تھا۔ وہ سیدھا آؤٹ ہاؤز کی طرف چل پڑا۔ رحمان صاحب مضطربانہ انداز میں ٹہلتے ہوئے ملے۔ عمران پر نظر پڑتے ہی خدوخال میں کرختگی پیدا ہو گئی۔

"بیٹھو....!" انہوں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

عمران سلام کر کے مؤدب بیٹھ گیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پرائمری کے طالب علم کی حاضری جلاد قسم کے ہیڈ ماسٹر کی حضور ہو گئی ہو۔

"پروفیسر شکور کے کمرے میں تمہارا کیا کام۔" رحمان صاحب قہر آلود لہجے میں بولے۔

"پپ پروفیسر....!" عمران ہکلا کر رہ گیا۔

"دینار ہوٹل کے اُس کمرے کی بات کر رہا ہوں جہاں کرنل مکرم بے ہوش پایا گیا تھا۔"

"مم میں کچھ نہیں سمجھا۔"

رحمان صاحب نے اپنے بریف کیس سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھو۔"

عمران کی آنکھوں میں پل بھر کے لئے الجھن کے آثار نظر آئے اور مفقود ہو گئے۔ اس نے لفافے سے ایک شیٹ نکالا جس پر انگلیوں کے نشانات کا عکس لیا گیا تھا۔

"یہ تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں۔" رحمان صاحب اُسے گھورتے ہوئے بولے۔ "اور یہ نشانات اُسی کمرے سے اٹھائے گئے ہیں۔"

عمران طویل سانس لے کر رہ گیا پھر آہستہ سے بولا۔ "سنگزاد کے کیس کا تعلق سر سلطان کے محکمے سے بھی تھا۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ تم اچانک اُس کمرے میں کیسے جا پہنچے تھے۔"

"دوسرا معاملہ تھا۔"

"کیسادوسرا معاملہ....!"

"ڈاکٹر فوریل کے ساتھی ڈیوڈ کے قتل کا معاملہ۔"

"اس کا اِس معاملے سے کیا سروکار....؟"

"میں نے کب عرض کیا ہے کہ اس سے کوئی سروکار ہے۔ وہ تو شہلا چوہدری کی وجہ سے میں اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"تمہیں ڈیوڈ کے قتل سے کیا سروکار۔ تم تو سر سلطان کے محکمے کے لئے کام کرتے ہو۔"

"بس کیا عرض کروں۔ ہر طرح کی پریشانیاں میری تلاش میں رہتی ہیں۔ پتا نہیں کیا مقدر لے کر پیدا ہوا ہوں۔"

"بکواس سننے کے لئے میں نے تمہیں نہیں بلایا۔"

"جی دراصل.... ڈیوڈ کی لاش میں نے ہی دریافت کی تھی۔"

"وہ کس طرح؟"

"کیپٹن فیاض کے خسر شبلی صاحب مجھے وہاں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ڈیوڈ ان کا دوست تھا اور وہ اسی کے توسط سے بیگم فیاض کا علاج ڈاکٹر فوریل سے کرانا چاہتے تھے۔"

"شبلی سے تمہارا کیا تعلق....!"

"بس کیا عرض کروں، خواہ مخواہ میرے گلے پڑ گئے ہیں۔ پھر فیاض سر ہو گیا کہ میں ڈیوڈ کے سلسلے میں اس کی مدد کروں۔ چونکہ ڈاکٹر فوریل اور ڈیوڈ شہباز چوہدری کے بھی دوست تھے اور اس لئے میں نے اس گھرانے پر بھی نظر رکھی اور جیسے ہی پروفیسر شکور جیسا پراسرار کردار شہلا چوہدری کے توسط سے سامنے آیا مجھے اس میں دلچسپی لینی ہی پڑی۔ ایک رات اس کی عدم موجودگی میں دینار ہوٹل والے کمرے کی تلاشی لی تھی اور بس نشانات وہاں رہ گئے ہوں گے۔"

"یہ نشانات، آئی ایس آئی والوں نے بھی اٹھائے ہیں۔"

"اٹھائے ہوں گے۔" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

"اور دوسری بات....!" رحمان صاحب اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔ "مٹو کے جزیرے میں تمہارا اور جوزف کا کیا کام....!"

"آئی ایم ویری سوری سر....! یہ سر سلطان کے محکمے کا راز ہے۔" عمران نے بے حد خشک

لہجے میں کہا۔

"اور یہی سب سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ آئی ایس آئی والے تمہیں جکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ سر سلطان کا دردِ سر ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"مجھے کرنل فیضی نے اس کی اطلاع دی تھی۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر کرنل فیضی مجھ سے براہِ راست گفتگو کیوں نہیں کرتے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نجی شکائت کی بناء پر میرے باپ سے رابطہ قائم کیا گیا ہو۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ وہ لوگ اسے اپنا کیس سمجھتے ہیں۔"

"سمجھا کریں! میں تو اپنے ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ کی بات سنتا ہوں۔"

"تو تم باقاعدہ طور پر....!"

"جی ہاں! اب تو پکی نوکری ہے۔"

"تم مٹو کے جزیرے میں کیسے پہنچے اور وہ حملہ آور کون تھے جن کا سراغ کوسٹ گارڈز کو نہیں مل سکا۔"

"سوال یہ ہے کہ اسمگلنگ کے چکر میں آئی ایس آئی والوں کو کیا سروکار۔"

"نہ ہوتا اگر مٹو ایسے تین افراد کا ذکر نہ کرتا جن پر گولیوں کا اثر نہیں ہوتا تھا اور جنہوں نے گن بوٹیں الٹ دی تھیں۔"

"اُوہ....!" عمران سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

رحمان صاحب اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھتے رہے۔ آخر عمران نے کہا "میں اُن لوگوں کا قیدی تھا جنہوں نے سنگزادوں کا چکر چلا رکھا ہے۔"

"سنو!" رحمان صاحب تیز لہجے میں بولے۔ "مٹو میرے محکمے کی حوالات میں ہے اور میری اُس سے براہِ راست گفتگو ہوئی ہے۔ تم حملہ آوروں کی کمانڈ کر رہے تھے۔"

"وہ بکواس کرتا ہے۔ انہوں نے مجھے اُس سے گفت و شنید کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔ کیا اُس نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے ہی اُسے کوسٹ گارڈز کو اطلاع دینے کا مشورہ دیا تھا۔ شائد اس نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ جوزف خود اُس کا قیدی تھا اور یہ کہ وہ خرکاری بھی کرتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

عمران انہیں بتانے لگا کہ جوزف کس طرح مٹو کے جزیرے تک پہنچا تھا۔

"اُس نے تمہارے صرف کسی سیاہ فام ملازم کا ذکر کیا تھا۔" رحمان صاحب پوری روداد سن کر بولے۔

"اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ وہ....!"

"اس کے باوجود بھی۔" رحمان صاحب اُس کی بات کاٹ کر بولے۔ "تمہارا اُن کا قیدی ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مٹو کے بیان کے مطابق تم میک اپ میں تھے۔"

"جی ہاں! میں میک اپ میں تھا اور ان کے ایک کارپرداز کا تعاقب کر رہا تھا کہ ڈارٹ گن چلا کر مجھے بیہوش کر دیا گیا.... اور پھر جب آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک غار میں پایا اور مجھے بتایا گیا کہ میں کن لوگوں کا قیدی ہوں وہ مجھ سے اُس سنگزاد کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جو آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ اس کے بعد ایک مرحلے پر مجھے کھانے میں بے ہوشی کی دوا دی گئی۔ پھر آنکھ کھلی تو اُس ٹرالر پر تھا اور انہوں نے میرا میک اپ بھی نہیں اتارا تھا۔"

"کرنل فیضی کو اس کہانی پر یقین نہیں آئے گا۔"

"بس اب کرنل فیضی کا ذکر ختم کیجئے۔ میں ان کو جواب دہ نہیں ہوں اور پھر جس حد تک معلومات فراہم کر سکا ہوں ان سے ہر متعلقہ ادارہ بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ آخر وہ براہِ راست مجھ سے رابطہ کیوں نہیں قائم کرتے۔"

"سنو!" رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ "سلطان اس کیس کا فائل بند کر چکے ہیں۔ سنگزاد کی موت کے بعد سے انہیں اس کیس سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ لہٰذا تم بھی اب تک کی معلومات آئی ایس آئی والوں کے حوالے کر کے دستبردار ہو جاؤ۔"

"سر سلطان کی طرف سے ابھی تک مجھے اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں ملی۔"

"مل جائے گی۔" رحمان صاحب کسی قدر غضب ناک ہو کر بولے۔

"بس تو پھر میرا کام بھی ختم۔ میں اپنی رپورٹ سر سلطان کو دے دوں گا۔ وہ اُس رپورٹ کو آئی ایس آئی کے ڈائریکٹوریٹ تک پہنچا سکتے ہیں۔ میں کسی کے سامنے حاضر ہو کر بیان نہیں

دوں گا۔"

"کرنل فیضی براہِ راست تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"تم آج رات آٹھ بجے سروسز کلب میں اس سے ملو گے۔"

"یہ آپ کا حکم ہے؟"

"یہی سمجھ لو.... میں کسی قسم کا الجھاوا پسند نہیں کروں گا۔"

"بہت بہتر۔" عمران نے کہا۔



عمران نے سر سلطان کو اپنی رپورٹ پیش کر دی اور فلیٹ واپس پہنچا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ جیگوار کی کال تھی۔ اُس نے کہا۔ "اگر تم ہمارے اڈے کی نشاندہی کر بھی دو تو اَب تمہیں وہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔"

"میں جانتا ہوں۔ اسی لئے میری رپورٹ بھی وہ نہیں ہے جو ہونی چاہئے تھی۔"

"واقعی سمجھ دار آدمی ہو۔"

"تم آخر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" عمران نے سوال کیا۔

"فی الحال مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کلارا ڈکسن کہاں ہے؟"

"بڑی عجیب بات ہے کہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو۔"

"ہاں تم سے ملاقات سے قبل اس کے رویئے میں کبھی پیچیدگی نہیں نظر آئی تھی۔"

"اگر وہ تمہاری ماتحت ہے تو تمہارے رویئے میں ایسی بے بسی محل نظر ہے۔"

"فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ اُس کا پتا بتاؤ۔ ورنہ بہت بڑے خسارے میں رہو گے۔"

"اگر وہ تم سے بھاگ رہی ہے تو اتنی احمق نہ ہو گی کہ مجھے اپنا پتا بتا دے۔"

"ابھی تین دن کی مہلت باقی ہے۔"

"ٹھہرو۔ رابطہ منقطع نہ کرنا۔" عمران نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"آہا تو تم میرا فون نمبر معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لیکن تمہیں اس میں ناکامی ہو گی۔"

"نہیں! میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مٹو کے جزیرے کے سلسلے میں مجھے استعمال کرنے میں کیا مصلحت تھی۔"

"سامنے کی بات ہے مسٹر عمران۔" جیکوار کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "میں تمہیں یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ تمہاری مرضی کے خلاف بھی تم سے کام لے سکتا ہوں۔"

"صرف اسی حد تک کہ مجھے مٹو کے جزیرے میں پہنچادیا۔ لیکن کیا اس پر تمہارا قبضہ ہو سکا؟"

"لیکن وہ مقصد حاصل ہو گیا جو اُس مرحلے کے بغیر ناممکن تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"میں کوسٹ گارڈز کے اُس دستے کو اس کے اصل مقام سے ہٹانا چاہتا تھا وہ مٹو کے جزیرے میں پہنچ گیا۔"

عمران سر کھجا کر رہ گیا۔ اور جیکوار بولا۔ "اب کیا خیال ہے۔ اس لئے تمہیں استعمال کیا گیا تھا کہ اگر مٹو اس پر راضی نہ ہو تو تم ہی کوسٹ گارڈز کے اس دستے کو مٹو کے جزیرے کی طرف متوجہ کردو۔"

"اور مجھے اپنی اس چال سے آگاہ بھی کئے دے رہے ہو۔ گویا اس میں بھی کوئی چال ہے۔" عمران طویل سانس لے کر بولا۔

ایک استہزائیہ قہقہے کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

عمران نے پُر تفکر انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس نے سر سلطان کو جو رپورٹ دی تھی وہ اُس بیان سے مختلف نہیں تھی جو رحمان صاحب کو دے چکا تھا۔ وہ کسی طرح بھی اس کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا کہ اُسے کرنل مکرم کا رول ادا کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جیکوار کا رویہ چکرا دینے والا تھا۔ آخر وہ حقیقتاً کیا چاہتا ہے۔ اگر مارا جانے والا سنگز اور گرین فائل تھرٹین کے حصول کے چکر میں تھا تو اب جیکوار کا طریق کار اس سلسلے میں کیا ہو گا؟ لیکن کیا حقیقتاً وہ صرف گرین فائل تھرٹین کا قضیہ تھا یا اس کی آڑ میں کسی اور مقصد کے حصول کی کوشش کی جا رہی تھی۔ جیکوار کا طریق کار زمانہ قدیم کے عیاروں کا سا لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اُس میں سر کھپاتا رہا پھر لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آج شب کو آٹھ بجے کرنل فیضی سے ضرور ملے گا۔ اور اب تو

اسے اس کی بھی پرواہ نہیں رہ گئی تھی کہ اس کا تعاقب کون کون کر رہا ہے۔

کچھ دیر آرام کرنے کے لئے سٹنگ روم سے اٹھ ہی رہا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو....!" اس نے ریسیور کریڈل سے اٹھایا۔ دوسری طرف سے کیپٹن فیاض کی آواز آئی۔

"میں تمہارا منتظر ہوں۔"

"تمہارے خسر صاحب ملے یا نہیں....!" عمران نے چہک کر پوچھا۔

"آ گئے ہیں۔ پچھلی رات کسی دوست کے یہاں رہ گئے تھے۔ تم کب آ رہے ہو۔ مٹھائی کھانے۔"

"آج مشکل ہے۔ کل سہی۔" عمران نے کہا۔ "ویسے کوئی خاص بات ہو.... تو بتاؤ۔"

"ڈیوڈ کا مسئلہ....!"

"یار فیاض مجھے مت گھسیٹو اس معاملے میں۔ تمہارے خسر صاحب مجھے وہاں گھسیٹ کر لے گئے تھے۔"

"تم ملو تو۔ تمہارے لئے کسی الجھن کا باعث نہیں بنوں گا۔"

"اپنی سیکرٹری ماریا کے بارے میں تو....!"

"عمران پلیز.... شٹ اپ!" دوسری طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

ساڑھے سات بجے شب کو وہ فلیٹ سے باہر نکلا اور ٹو سیٹر سنبھالی۔ سروسز کلب تک پہنچنے میں دس بارہ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے۔

"اُسے اس میز تک پہنچادیا گیا جو کرنل فیضی کے لئے مخصوص تھی۔ کرنل فیضی ابھی نہیں آیا تھا۔ آٹھ بجنے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے۔"

ٹھیک آٹھ بجے وہ دکھائی دیا اور سیدھا اُسی میز کی طرف چلا آیا۔ عمران نے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "قبلہ والد صاحب کی ہدائت کے مطابق۔"

"شکریہ مسٹر عمران! کچھ ہی دیر پہلے مجھے آپ کی رپورٹ سر سلطان کے توسط سے ملی ہے۔"

"بس اُس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہنے کو....!"

"میں اس کارپرداز کے متعلق معلوم کرنا چاہوں گا جس کا تعاقب کرتے ہوئے آپ ان کے قیدی بن گئے تھے۔" کرنل فیضی نے کہا۔ اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی لانے کی ہدائت کی۔

"اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ وہ ایک بار کلارا ڈکسن کے ساتھ دکھائی دیا تھا.... کلارا ڈکسن کے کیس سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔"

"جی ہاں.... وہ سائیکو مینشن سے نکل گئی تھی۔"

"بہر حال اُس کا وہ ساتھی دوبارہ دکھائی دیا تو فطری طور پر میں اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کے لئے ضروری تھا کہ اس کا تعاقب کرتا۔"

"کسی کی ڈارٹ گن کے شکار کس طرح اور کہاں ہوئے تھے۔" کرنل فیضی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

عمران کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ لیکن اُس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "نیشنل پارک کے پاس اُس نے گاڑی روکی تھی اور اتر کر پارک میں چلا گیا تھا میں نے بھی ٹیکسی رکوائی اور اُس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ پارک کے ایک ویران گوشے میں پہنچا وہیں کسی نے عقب سے مجھ پر ڈارٹ گن چلائی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا مسٹر عمران کہ آپ دھوکا کھا گئے تھے۔ یعنی وہ خود ہی آپ کو اُس ویران گوشے میں لے گیا تھا کہ....!"

"جی ہاں۔ اور کیا۔" عمران جلدی سے بولا۔

کرنل فیضی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے کہا کہ "آپ کے جو کارنامے میرے علم میں ہیں مسٹر عمران اُن کی بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ.... خیر چھوڑیئے۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ آپ اس طرح دھوکا کھا جائیں گے۔"

"تو پھر یہ بکواس ہی ہو گی....؟" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"مسٹر عمران....!"

"یس کرنل فیضی۔!"

"آپ ان غاروں کی نشاندہی نہیں کر سکتے جہاں آپ کو لے جایا گیا تھا؟"

"یقیناً نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے علم نہیں کہ کس طرح وہاں پہنچا تھا۔"

"اور پھر انہوں نے آپ کو اپنے راستے سے ہٹا دینے کی بجائے آپ سے سفارت کاری کرانے کی ٹھان لی۔ آپ کو مٹو کے جزیرے میں بھجوایا۔ حالانکہ وہ یہی کام اپنے ہی کسی آدمی سے لے سکتے تھے۔"

"بالکل ٹھیک! لیکن اُن کا کوئی آدمی مٹو کو یہ مشورہ نہ دے سکتا کہ وہ کوسٹ گارڈز کی مدد طلب کرے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کوسٹ گارڈز کا وہ دستہ کہاں متعین تھا جو بالآخر وہاں سے مٹو کے جزیرے میں منتقل ہو گیا۔"

"میں اَب بھی نہیں سمجھا مسٹر عمران....!"

"انہیں مٹو یا اُس کے جزیرے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ دراصل وہ کوسٹ گارڈز کے دستے کو اس کے اصل مقام سے ہٹانا چاہتے تھے۔"

"آپ بڑے وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ سامنے کی بات ہے۔ انہیں مجھے قتل کر دینا چاہئے تھا لیکن انہوں نے مجھ سے سفارت کاری کرائی۔ مٹو اپنی غیر قانونی حشیش کی کاشت کی وجہ سے کوسٹ گارڈز کو جزیرے میں ہرگز نہ طلب کرتا خواہ اُس پر کچھ گذر جاتی۔ یہ کام میں ہی کر سکتا تھا۔"

"بات سمجھ میں آرہی ہے۔ مسٹر عمران۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ کوسٹ گارڈز کا دستہ جس پوائنٹ سے آیا تھا اُس کی کیا اہمیت ہے۔ معلوم کئے بغیر میں بھی نہ بتا سکوں گا۔" کرنل فیضی نے طویل سانس لے کر کہا۔

ویٹر کافی لے آیا تھا۔ عمران اُس کی طرف متوجہ ہو گیا اور کرنل فیضی نے کسی قدر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو کھانے کا وقت تھا۔ میں نے کافی طلب کر لی۔"

"کھانے کی خواہش نہیں ہے۔" عمران نے کہا اور پیالیاں سیدھی کرنے لگا۔ پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے تھے۔ کرنل فیضی کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔

"آپ کے لئے معلومات فراہم کر کے میں بری الذمہ ہوا۔" عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میرے محکمے نے سنگراو کی موت کے بعد اس کیس کا فائیل بند کر دیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے مسٹر عمران کہ اس مرحلے پر ہم آپ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہ

کر سکیں گے۔"

"اچھا تو بتائیے کہ گرین فائیل تھرٹین کی کیا اہمیت ہے۔"

"اگر وہ ہمارے کسی دشمن کے ہاتھ لگ جائے تو کئی ملکوں سے ہمارے تعلقات خراب ہو جائیں۔"

"یعنی وہ ممالک جو اقوام متحدہ میں ہماری حمائت کرتے ہیں غیر جانبدار ہو جائیں گے۔"

"اس سے بھی زیادہ مسٹر عمران۔ ٹاپ سیکرٹ فائیل ہے۔"

"اور وہ اس کی تاک میں ہیں۔"

"اسی بناء پر ہمیں سوچنا پڑ رہا ہے کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کا شبہ ہمیں پہلے ان پر تھا۔"

"ہیں تو وہی۔ لیکن ان کا سربراہ ڈبل ایجنٹ ہو سکتا ہے۔" عمران نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

"یعنی دوسرے کیمپ سے بھی اُس کا رابطہ ہو سکتا ہے۔" کرنل فیضی چونک کر بولا۔

"بالکل ہو سکتا ہے۔ کرنل صاحب! اور اب تو ایسے فری لانسرز بھی پیدا ہو چکے ہیں جو ایک ملک کے راز چرا کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔"

"بہر حال آپ معلوم کیجئے کہ مٹو کے جزیرے میں بھیجا جانے والا دستہ کہاں متعین تھا۔"

"ابھی کوسٹ گارڈز کے ہیڈ کوارٹر چل کر معلوم کر لیں گے۔" کرنل فیضی نے کہا۔

"تو گویا آپ چاہتے ہیں کہ میں فیلڈ میں رہوں۔"

"بالکل چاہتا ہوں مسٹر عمران۔"

"تب پھر میرے محکمے سے باقاعدہ طور پر اجازت دلوائیے۔"

"یہ بھی ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کیجئے۔" فیضی نے کہا۔ "فی الحال ہم کوسٹ گارڈز کے ہیڈ کوارٹر تک چلیں گے۔"

"جیسی آپ کی مرضی!"

کافی ختم کر کے وہ اٹھ گئے۔ کرنل فیضی نے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی گاڑی کلب کی کمپاؤنڈ میں چھوڑ کر اُس کی گاڑی میں چلے۔ عمران نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

کرنل فیضی خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور عمران اُس کے برابر والی سیٹ پر تھا۔ تھوڑی دیر بعد

کرنل فیضی بولا۔ "یہ پورا معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"ہونا ہی چاہئے! غالباً آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ وہ آرمی ہیڈ کوارٹر کے ہیلی کوپٹرز کو بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔"

"ہاں۔ لیکن اب اسے ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ ہم نے اُن کے ایجنٹوں کو پکڑ لیا ہے۔"

"میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ہمیں احساس بے بسی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔" عمران نے پر تفکر لہجے میں کہا۔ "ورنہ اسپائی ورک میں پبلسٹی کو کیا دخل۔ ہم شروع ہی سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ صرف اپنی پبلسٹی کر رہے ہیں۔ پہلے سنگو اد.... پھر گرین فائل تھرٹین کا معاملہ اگر انہیں وہ فائل چاہئے تھا تو خاموشی سے اُسے چوری کرا لینے کی کوشش کرتے۔"

"یہی تو سب سے بڑی الجھن ہے۔"

"یہ بالکل ہی نئے قسم کی سائنٹیفک جنگ ہے۔ اگر یہ بڑے پیمانے پر پھیل جائے تو پوری قوم کو احساس بے بسی میں مبتلا کر سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ مٹو کے جزیرے والا معاملہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔"

"واقعی مسٹر عمران ہم نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا۔"

"اب کیجئے۔"

گاڑی ساحل کی طرف جانے والی سڑک کے ایک سنسان حصے سے گزر رہی تھی۔ اچانک انہیں آگے ایک گاڑی نظر آئی جو بائیں جانب سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جس سے کسی آدمی کا آدھا دھڑ نیچے لٹکتا دکھائی دے رہا تھا۔

کرنل فیضی نے اس کے قریب پہنچ کر گاڑی روک دی اور مضطربانہ انداز میں بولا۔ "شائد وہ مر چکا ہے۔"

دونوں گاڑی سے اتر کر اُس کار کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ کرنل فیضی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ پھر عمران نے بھی اپنی گردن میں تیز قسم کی چبھن محسوس کی اور یہی سوچتے سوچتے کہ سچ مچ ڈارٹ گن سے سابقہ پڑ گیا تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ دونوں پر بے آواز ڈارٹ گن سے فائر کیے گئے تھے۔



پھر پہلے عمران ہی ہوش میں آیا تھا۔ کرنل فیضی دوسرے بستر پر غافل پڑا تھا۔ اچھی خاصی سجی سجائی خواب گاہ تھی۔ عمران نے بستر سے اُتر کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوا۔

پھر واپس آکر بستر پر بیٹھ گیا اور پُر تشویش نظروں سے کرنل فیضی کو دیکھنے لگا۔ پہلے سوچا اُسے بیدار کرنے کی کوشش کرے۔ پھر اُسے نامناسب سمجھ کر باتھ روم کی راہ لی۔ اور ابھی باتھ روم ہی میں تھا کہ کرنل فیضی کو چیخ چیخ کر دروازہ پیٹتے ہوئے سنا۔ اُس کے اناڑی پن پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

باتھ روم سے نکلا تو فیضی اُسے دیکھ کر پہلے تو دم بخود رہ گیا۔ پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ "اس حرکت کا مطلب!"

"سبحان اللہ! تو آپ مجھے اس حرکت کا ذمہ دار سمجھ رہے ہیں۔" عمران مسکرا کر بولا۔

"تم اسی طرح مطمئن نظر آرہے ہو۔"

"میں فیلڈ ورکر ہوں کرنل۔ ٹیبل ورک نہیں کرتا۔ آئے دن اس قسم کے مراحل سے مجھے گذرنا پڑتا ہے۔ بہر حال اس بار آپ پر بھی اُن کی ڈارٹ گن چل گئی۔"

"کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے پروگرام سے بروقت آگاہ ہو کر ہمیں راہ میں گھیرنے کی کوشش کرتے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"تم خود ہی ڈبل ایجنٹ تو نہیں ہو۔"

"بفرضِ محال یہ درست بھی ہو تو میں کس طرح انہیں آگاہ کر سکتا کہ ہم کہاں جانے کے لئے کدھر سے گذرنے والے ہیں۔ ایک پل کے لئے بھی میں اِدھر اُدھر نہیں ہوا تھا۔"

"یہ بھی درست ہے۔ پھر یہ کیونکر ہوا۔"

"وہ آپ کی مخصوص میز تھی۔ یعنی مستقل طور پر آپ کے لئے مخصوص رہتی ہے۔"

"ہاں، ہمیشہ.....!"

"تو پھر اس میں کوئی ایسی ڈیوائس چھپائی جا سکتی ہے جس کے ذریعہ اس پر ہونے والی گفتگو

کہیں اور بھی سنی جا سکے۔"

"ہاں! یہ ممکن ہے۔"

"تو پھر میرے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔"

کرنل فیضی نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔

"غالباً آپ بھی باتھ روم جانا پسند کریں گے۔" عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا اور کرنل اُسے گھور کر رہ گیا۔

لیکن بہر حال اُسے بھی باتھ روم جانا ہی پڑا تھا اور وہ باتھ روم ہی میں تھا کہ خواب گاہ میں جیگوار کی آواز گونجی۔ "مہمانوں کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

عمران خاموش بیٹھا رہا اور کرنل فیضی نے باتھ روم سے برآمد ہو کر پوچھا۔ "یہ کون بولا تھا۔"

"سامنے والی دیوار سے آواز آئی تھی۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"عقل میں آنے والی بات کرو۔"

"کرنل پلیز.... آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی پر سوار تھے اور آپ کی وجہ سے میں بھی ڈوب رہا ہوں۔ آخر میں نے اسے کیوں منظور کر لیا تھا کہ آپ کے محکمے کے لئے کام کروں گا۔"

"تمہارے بارے میں میں کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"اچھا تو پیارے کرنل جھک مارتے رہو۔"

کرنل فیضی پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ اچانک اُسی وقت دوبارہ جیگوار کی آواز آئی۔ "اب تم دونوں ناشتہ کرو گے۔ خواب گاہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ راہداری میں بائیں جانب ڈرائنگ روم ہے۔"

کرنل فیضی نے چیخ کر کہا۔ "تم کون ہو۔ سامنے آؤ۔"

لیکن جواب میں اُس نے کچھ بھی نہ سنا۔ البتہ دروازے کے دونوں پاٹ کھل گئے تھے۔

"میں خواہ مخواہ تاؤ کھا کھا کر اپنی انرجی ضائع نہیں کر سکتا۔" عمران نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ کرنل فیضی نے بھی اُس کی تقلید کی تھی۔

وہ سچ مچ اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں ایک بڑی سی میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔

"دشمن ہی سہی۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن مہمان نواز معلوم ہوتے ہیں۔"

کرنل فیضی کچھ نہ بولا۔ اب اس کے انداز میں ہچکچاہٹ پائی جاتی تھی۔ عمران نے کرسی سنبھال لی لیکن وہ کھڑا رہا۔

"کرنل صاحب!" اُس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "آپ کو میرے رویئے پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ میں ایک بار پہلے بھی اس مہمان نوازی کے مزے لوٹ چکا ہوں۔"

کرنل فیضی کچھ کہے بغیر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

عمران نے انڈے کا سینڈوچ بناتے ہوئے کہا۔ "جلدی کیجئے۔ ورنہ سب کچھ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"سوال تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔" کرنل فیضی جھنجھلا کر بولا۔

"میں نہیں جانتا۔" کہہ کر عمران سینڈوچ کھانے لگا۔ کرنل بدستور ہاتھ روکے بیٹھا رہا۔

آخر کچھ دیر بعد بولا۔ "تم ناشتہ کرو، میں اس عمارت کو دیکھوں گا۔"

عمران نے کچھ کہے بغیر شانوں کو جنبش دی اور دوسرا سینڈوچ بنانے لگا۔ کرنل کمرے سے نکل جانے کے لئے اٹھ گیا تھا۔ عمران نے اُس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اس طرح ناشتے میں مشغول رہا جیسے اپنے فلیٹ میں بیٹھا ہو۔

قریباً پندرہ منٹ بعد کرنل واپس آگیا۔ عمران کافی کی دوسری پیالی پی رہا تھا۔

"خاصی بڑی عمارت ہے لیکن سارے دروازے مقفل ہیں اور ہم دونوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں ہے۔" کرنل نے بیٹھ کر ہانپتے ہوئے کہا۔ شائد وہ بند دروازوں پر زور آزمائی کرتا رہا تھا۔

"پھر عرض کروں گا کہ ناشتہ کر لیجئے۔" عمران بولا۔

اس بار کرنل نے اُس کی رائے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ عمران نے اُس کے لئے سینڈوچ بنائے اور کافی انڈیلنے لگا۔

ناشتہ کرنے کے انداز میں بھی ہچکچاہٹ تھی لیکن جیسے تیسے کرنل فیضی نے ایک سینڈوچ حلق سے اُتار کر کافی کی پیالی سنبھالی۔

دفعتاً ہلکی سی کھرکھڑاہٹ کمرے میں گونجی اور عمران آہستہ آہستہ اپنا سر سہلانے لگا۔ یہ علامت تھی اس امر کی کہ اب جیگوار کی آواز بھی سنائی دے گی۔

"کرنل فیضی! میری بات دھیان سے سنی جائے۔" جیگوار کی آواز آئی اور کرنل فیضی پیالی

میز پر رکھ کر دیوار کے اُس مخصوص حصے کو گھورنے لگا جس سے آواز آئی تھی۔

"مسٹر عمران کو میری قید کا تجربہ ہے۔" آواز پھر آئی۔ "اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اپنے مطالبات منوائے بغیر نہیں رہتا۔"

"تم ہو کون۔" کرنل فیضی غرایا۔

"جیگوار کہلاتا ہوں۔ مجھے آج تک کسی نے دیکھا نہیں۔ میرے ماتحت میری آواز کے پابند ہیں۔"

"کیا چاہتے ہو!"

"گرین فائل تھرٹین کی مکمل نقل۔"

"تم سمجھتے ہو کہ مجھے مرعوب کر سکو گے۔"

"نہیں کرنل۔ ہم سائنٹیفک طریقوں سے دوسروں کا تعاون حاصل کرتے ہیں۔ مسٹر عمران کو اس کا بھی تجربہ ہو چکا ہے۔"

"تم مجھ پر اپنا ہر طریقہ آزما سکتے ہو۔"

"مجھے کچھ ایسی زیادہ جلدی نہیں ہے کرنل۔ ابھی تو تم میری میزبانی قبول کرو۔"

کرنل فیضی نے عمران کی طرف دیکھا۔ جو چمچے سے پیالی بجانے میں مصروف تھا۔ جیگوار کی آواز پھر آئی۔ "عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش کا دوسرا نام موت ہوگا۔ تم دونوں محتاط رہنا۔"

"میری بھی ایک بات سن لو۔" دفعتاً عمران سر ہلا کر بولا۔

"ضرور۔ ضرور۔ تمہاری خاموشی پر مجھے حیرت تھی مسٹر عمران۔" جیگوار کی آواز آئی۔

"اس تماشے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ گرین فائل تھرٹین کا حصول تمہارا اصل مقصد نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر تمہاری دانست میں ہم کیا چاہتے ہیں۔"

"ابھی تک میں یہ نہیں معلوم کر سکا۔"

"تم نے معلوم ہی کیا کیا ہے مسٹر عمران۔"

"یہی کہ تم ہمیں کچھ باور کرانا چاہتے ہو۔"

"کیا باور کرانا چاہتے ہیں مسٹر عمران۔"

"فی الحال میں اس پر روشنی نہیں ڈال سکوں گا۔"

"مسٹر عمران! ہو سکتا ہے کرنل کو رہائی نصیب ہو جائے۔ لیکن اب تم اس وقت تک میری قید میں رہو گے جب تک کہ مجھے کلارا ڈکسن کا سراغ نہیں مل جاتا۔ اور ایک بار پھر سن لو کہ باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا یہاں کے سارے دروازے اور کھڑکیاں لوہے کی ہیں جن میں اب برقی رو دوڑ رہی ہے۔"

کرنل فیضی دانت پیس کر رہ گیا اور عمران نے عجیب انداز میں سر کو جنبش دی۔

اس کے بعد جیگوار کی آواز نہیں آئی تھی۔ کرنل فیضی بہت غور سے عمران کو دیکھے جارہا تھا۔ آخر کار آہستہ سے بولا۔ "کلارا ڈکسن کا کیا قصہ ہے۔"

"پتا نہیں کیوں جیگوار اس وہم میں مبتلا ہو گیا ہے کہ میں کلارا ڈکسن کو اس کے خلاف ورغلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جیگوار کے بیان کے مطابق وہ اُس کا ساتھ چھوڑ کر غائب ہو گئی ہے۔"

"اُس کے پاس تمہارے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد ہو گی۔"

"مجھ سے زیادہ مجھے کون جان سکتا ہے۔"

"اگر تم نے اس مرحلے پر مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی تو پچھتاؤ گے۔"

"اُس بدبخت نے آپ کو میری طرف سے مزید بدگمان کر دیا۔ شائد اس میں بھی کوئی چال ہو۔"

کرنل خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ عمران نے جیب سے اپنا قلم نکالا اور ہتھیلی پر لکھنے لگا۔ "یہ صرف اس حد تک صحیح ہے کہ اُس کلارا ڈکسن نے اپنی موجودہ زندگی سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ بہرحال گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ وہ جیگوار اور اس کی تنظیم سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے۔"

کرنل نے تحریر دیکھ کر سر کو جنبش دی اور اشارہ کیا کہ وہ کافی کے پانی سے تحریر دھو ڈالے۔

اس کے بعد وہ کئی منٹ تک خاموش بیٹھے رہے تھے۔ پھر کرنل نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"پتا نہیں میری گاڑی کا کیا حشر ہوا۔"

"کیا آپ نے اپنے روزنامچے میں تحریر کیا تھا کہ مجھ سے ملنے والے ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں! یہ قطعی نجی طور پر ہوا تھا۔"

"تو گویا اَب کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکے گا....!" عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

کرنل اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھے جارہا تھا۔

"یعنی بس اب پھنس ہی گئے۔" عمران نے کہا۔ "آخر ہمیں کون کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔"

"میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔" کرنل نے کہا۔ "آؤ ایک بار پھر عمارت کا جائزہ لیں۔"

"آپ کی مرضی! میں تو اسے لاحاصل ہی سمجھتا ہوں۔" عمران بھی اٹھتا ہوا بولا۔ دونوں ڈائننگ روم سے نکل آئے۔

"ویسے میرا مشورہ ہے کہ دروازوں اور کھڑکیوں سے دور ہی رہا جائے۔" عمران نے کہا۔

کرنل کچھ نہ بولا۔ اتنے میں عمران نے ایک چمچہ ایک دروازے پر کھینچ مارا۔ آواز کے ساتھ چنگاریاں منتشر ہوئی تھیں۔

بہرحال انہوں نے پوری عمارت کا چکر لگایا اور پھر سٹنگ روم میں آ بیٹھے عمران نے پر تفکر انداز میں کہا۔

"اب غالباً ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ حقیقتاً یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔"

"گرین فائل تھرٹین۔" کرنل بولا۔

"مجھے اس میں شبہ ہے۔" عمران بولا۔

"اس میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جبکہ سنگزاد بھی اسی چکر میں تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔" عمران نے کہا اور طویل انگڑائی لے کر اس طرح صوفے پر نیم دراز ہو گیا جیسے سو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

اچانک باہر سے شور کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے بجلی فیل ہو گئی ہو۔ کیونکہ لائٹ غائب ہو گئی تھی اور ایگزہاسٹ فین رک گئے تھے۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے دروازوں پر ضربیں لگ رہی ہوں۔

"یہ کیا شروع ہو گیا۔" کرنل نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا ہی جانے۔ شائد دروازے توڑے جارہے ہیں۔" عمران بولا۔

"کون توڑ رہا ہے؟"

"شائد ہمارا پتا لگا لیا گیا ہے۔ ورنہ دروازے کون توڑ سکتا۔"

وہ دونوں اٹھ کر صدر دروازے کی طرف بڑھے ٹھیک اسی وقت کسی نے باہر مائیکروفون پر

کہا۔ "عمارت گھیر لی گئی ہے۔ نہتے ہو کر باہر آجاؤ۔ ورنہ دس منٹ بعد ٹوٹے ہوئے دروازوں سے فائرنگ شروع کر دی جائے گی۔"

عمران نے کرنل کا بازو تھام کر روکتے ہوئے کہا۔ "بس جہاں بیٹھے تھے وہیں رکنا چاہیے! وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہمیں قید کرنے والے بھی یہیں مقیم ہیں لہٰذا دروازہ ٹوٹتے ہی برسٹ ماریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" کرنل نے کہا اور پھر سٹنگ روم کی طرف مڑ گیا۔

عمران کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ناقابل فہم واقعہ ہو گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک زوردار آواز سنی۔ شاید دروازہ فریم سمیت اکھڑ کر فرش پر آرہا تھا۔ پھر دوڑتے ہوئے وزنی قدموں کی آواز آئی اور ذرا ہی دیر بعد مسلح فوجی سٹنگ روم میں پہنچ گئے۔ شائد ان میں کرنل کے محکمے کے لوگ بھی شامل تھے۔

"اوہ کیپٹن راشد!" کرنل نے ایک فوجی کو مخاطب کیا۔ "یہ کیونکر ممکن ہوا۔"

"ڈی جی صاحب نے عمارت کا پتا بتا کر ریڈ کرنے کا حکم دیا تھا۔"

"کمال ہے!" عمران سر ہلا کر رہ گیا۔

"کیا آپ مسٹر علی عمران ہیں۔" کیپٹن راشد نے سوال کیا۔

"ہاں.... کیوں؟" کرنل نے چونک کر سوال کیا۔

"ڈی۔ جی صاحب نے فرمایا تھا کہ انہیں بھی ساتھ لایا جائے۔" کیپٹن راشد نے کہا۔

"حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں مجھ پر....!" عمران بڑبڑایا۔

قریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ دونوں ڈی۔ جی کے آفس میں بیٹھے اس کی آمد کے منتظر تھے۔ وہ ریٹائرنگ روم میں لنچ کر رہا تھا۔ دونوں خاموش تھے اور کرنل فیضی کسی قدر نروس نظر آرہا تھا۔

ڈی۔ جی کی آمد پر دونوں کھڑے ہو گئے اور ڈی۔ جی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بیٹھیے بیٹھیے۔" اور کرنل فیضی آپ وقت ضائع کئے بغیر مجھے بتائیے کہ یہ کیونکر ہوا تھا۔"

کرنل فیضی نے عمران کو سروسز کلب میں بلانے سے لے کر اس حیرت انگیز قید تک کے حالات سنا دیئے۔ اس دوران میں ڈی جی کی توجہ کا زیادہ تر مرکز عمران ہی رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا

تھا جیسے وہ اس ابتلاء کا ذمہ دار عمران ہی کو سمجھتا ہو۔ کرنل فیضی کے خاموش ہونے پر اس نے عمران سے کہا۔ "کیا خیال ہے مسٹر عمران میرے آدمی اچانک وہاں کیسے پہنچ گئے۔"

"واقعی حیرت انگیز واقعہ ہے میں اس سلسلے میں اظہارِ خیال سے معذور ہوں۔"

"کسی عورت نے فون پر مجھے مطلع کیا تھا کہ تم دونوں پر کیا گذری اور تم کہاں اور کس حال میں ہو۔"

"عورت....!" عمران بڑبڑایا اور کرنل فیضی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں عورت ہی تھی۔ لیکن لہجے سے غیر ملکی معلوم ہوتی تھی۔ کال کا کچھ حصہ ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔"

"کیا میں اسے سن سکتا ہوں۔" عمران نے پوچھا۔

"ضرور.... ضرور" ڈی۔ جی نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کسی کو کچھ ہدایات دیں۔ کال کا ٹیپ چلایا گیا۔ کسی عورت ہی کی آواز تھی۔ عمران کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور اس نے کرنل فیضی کی طرف مڑ کر کہا۔ "کلارا ڈکسن کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی۔"

"کلارا ڈکسن!" ڈی۔ جی چونک کر بولا۔ "کون کلارا ڈکسن۔"

"وہی عورت۔ جو سائیکو مینشن سے فرار ہو گئی تھی۔" کرنل فیضی نے کہا۔ "وہ کیوں ہمیں اطلاع دینے لگی۔"

"مسٹر عمران کے پاس اس سے متعلق بھی ایک کہانی ہے۔"

ڈی۔ جی نے مستفسرانہ نظروں سے عمران کی طرف دیکھا۔ اور عمران اُسے کلارا ڈکسن کے بارے میں وہی کچھ بتانے لگا جو اس سے پہلے کرنل فیضی کو بتا چکا تھا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی ڈی۔ جی بولا۔ "اور آپ نے اسے ابھی تک ایکسپلائٹ نہیں کیا۔"

"میرا محکمہ اس کیس کا فائیل بند کر چکا ہے۔" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ "کرنل فیضی مجھے خواہ مخواہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔"

"آپ کا محکمہ فائیل بند کر چکا ہوگا۔ لیکن آپ بدستور اس کیس پر کام کرتے رہیں گے۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔"

"آپ کے محکمے سے عاریتاً آپ کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔"

"اگر اس وقت تک جیگوار نے اس قابل رہنے دیا تو..... وہ اندھیرے کا تیر ہے۔ خود اس کے کار پرداز اُس سے واقف نہیں ہیں۔ کسی نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی صرف آواز سنتے ہیں۔"

"خیر۔ خیر کوسٹ گارڈز کا کیا قصہ تھا۔"

"میں نے اپنے اندازے سے ایک بات کہہ دی تھی ضروری نہیں کہ حقیقت بھی وہی ہو۔"

"میں ابھی معلوم کئے دیتا ہوں کہ اس پوائنٹ کی کیا اہمیت ہے جہاں سے دستہ مٹو کے جزیرے میں منتقل کیا گیا تھا۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ بڑی اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ اس کیس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا اور یہ بھی حقیقت تھی کہ سر سلطان نے اس کیس کا فائل بند کر دینے کی ہدایت دی تھی۔ تو گویا اب وہ براہِ راست آئی۔ ایس۔ آئی والوں کے لئے کام کرے گا۔"

ڈی۔ جی نے فون پر کسی سے کہا کہ وہ کوسٹ گارڈز کے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ چاہتا ہے۔ پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر عمران سے کہا۔ "آپ کرنل فیضی کے آفس میں بیٹھئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔"

کرنل فیضی نے اپنے آفس میں پہنچ کر کینٹین سے لنچ بکس منگوائے۔ ابھی لنچ سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ کرنل فیضی نے ریسیور اٹھایا۔

"لیس سر، جی.... جی.... جی ہاں...."

عمران کے اندازے کے مطابق وہ ڈی۔ جی ہی کی کال ہو سکتی تھی۔ کرنل فیضی نے بالآخر ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور عمران سے بولا۔ "دستہ جہاں سے بھی گیا تھا وہ جگہ ایک منٹ کے لئے بھی کوسٹ گارڈز سے خالی نہیں رہی۔ یعنی مٹو کے جزیرے میں وہاں تعینات پوری فورس نہیں بھیجی گئی تھی۔ اس لئے آپ کا یہ خیال کہ ان لوگوں نے اس پوائنٹ کو کوسٹ گارڈز سے خالی کرانے کے لئے آپ کو استعمال کیا تھا درست نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہو سکتا ہے۔" عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہمیں احساس بے بسی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔" کرنل فیضی سر ہلا کر بولا۔ "اب آپ کو تمام تر توجہ کلارا ڈکسن پر دینی چاہئے۔"

"میں دیکھوں گا اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔" عمران نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔

"دراصل دوبارہ مل بیٹھنے کا انحصار بھی اُسی پر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں مقیم ہے۔"

کرنل فیضی کچھ نہ بولا اور وہ خاموشی سے لنچ کرتے رہے۔



پھر عمران ہی کے مشورے پر مٹو کا جزیرہ واگذار کر دیا گیا اور وہاں سے کوسٹ گارڈز کا دستہ بھی ہٹا لیا گیا۔ لیکن تین دن گذر جانے کے باوجود بھی کلارا ڈکسن نے اس سے رابطہ قائم نہ کیا اور عمران نے اپنے طور پر پتا لگا لیا تھا کہ اب وہ اُس عمارت میں بھی نہیں تھی جہاں ڈاکٹر فوریل کا قیام تھا۔

کرنل فیضی کے مشورے کے مطابق بالآخر اس نے ایک بار پھر مٹو کے جزیرے کا رخ کیا۔

لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ ایک درجن فوجی بھی ماہی گیروں کے لباس میں اس کے ساتھ تھے اور یہ ماہی گیری کا ٹرالر تھا۔ حقیقتاً وہ سلواس کے ٹرالر کی تلاش میں نکلے تھے۔ سب سے پہلے ان کا ٹرالر مٹو کے جزیرے ہی پر لنگر انداز ہوا۔ مٹو کے آدمی عمران کو پہچانتے تھے۔ کیونکہ اس جزیرے میں قیام کے دوران میں آخر اُس نے اپنا میک اپ اتار دیا تھا۔

بہر حال اُسے فوراً مٹو کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے بہت لپک کر اُس کی پذیرائی کی۔

"مسٹر عمران کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔" اس نے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ جزیرے کی واگذاری کے لئے آپ ہی نے کوشش کی تھی۔"

"یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں جس کے لئے تم شکریہ ادا کرو۔ دراصل اس کے بغیر ہم ان لوگوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"

"وہ ٹرالر پھر نہیں دکھائی دیا۔" مٹو نے کہا۔

"دیکھنا یہ ہے کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں لنگر انداز ہوتا ہے۔"

"ان اطراف میں رہ کر آپ کبھی نہ کبھی پتا لگا ہی لیں گے۔"

"اس قسم کے جھینگے اور کہاں ملتے ہیں جیسے تمہارے جزیرے کے آس پاس پائے جاتے ہیں۔"

"کہیں بھی نہیں۔ ان اطراف میں تو کہیں بھی نہیں۔"

"کوئی ایسی جگہ جہاں اُس ٹرالر کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا جاسکے۔"

"خود میرے جزیرے میں بھی ایسی جگہیں موجود ہیں۔ یعنی ساحل ایسی چٹانوں سے گھرا ہوا ہے کہ ان کی اوٹ میں آجانے والی کشتیاں دیکھی نہیں جاسکتیں۔ بے شمار چھوٹے چھوٹے ویران جزیرے یہاں سے شمال کی جانب بکھرے ہوئے ہیں۔"

"رہنمائی کے لئے اپنا کوئی آدمی دے سکو گے؟" عمران نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں مسٹر عمران۔"

"ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ رکھنا۔" عمران نے کہا۔ "ابھی تک ان کی نظر تمہارے جزیرے پر لگی ہوئی ہے۔"

"آخر یہاں کیا رکھا ہے مسٹر عمران؟"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

"اگر یہی دیکھنا ہے تو اپنے ٹرالر کو ان چٹانوں کے پیچھے چھپا دو جہاں ہماری کشتیاں رہتی ہیں۔ اگر پانیوں میں گشت کرتے رہے تو وہ کبھی سامنے نہ آئیں گے۔ یہیں اطمینان سے بیٹھ کر اُن پر نظر رکھو اور کبھی کبھی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر انہیں تلاش کرو۔ میرے آدمیوں کے لئے ماہی گیری چھوٹی کشتیوں میں ہوتی ہے اور میرے ماہی گیر بہتیرے ویران جزیروں کے آس پاس بڑی مچھلیاں پکڑتے ہیں۔"

مٹو کی تجویز عمران کو معقول معلوم ہوئی اور اُس نے اپنے ساتھیوں سمیت وہیں ڈیرا ڈال دیا۔ ٹرالر چٹانوں کی اوٹ میں چھپا دیا گیا۔ یہاں مٹو کی چھوٹی بڑی کشتیاں لنگر انداز تھیں۔

دوسرے دن عمران نے فوجی دستے کے آفیسر کیپٹن شمیم کو ساتھ لیا اور ایک چھوٹی کشتی پر ویران جزیروں کی طرف روانہ ہو گیا۔ مٹو کے دو ماہی گیر بھی جال سمیت کشتی پر موجود تھے۔

کیپٹن شمیم ایک زندہ دل نوجوان تھا۔ لیکن عمران سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا تھا۔

"مجھے کن باتوں پر نظر رکھنی ہوگی مسٹر عمران۔" اس نے پوچھا۔

"ایسی مچھلیوں پر جو جال سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جب یہ دونوں کہیں جال ڈالیں گے تو بتادوں گا۔"

"تو آپ کا تعلق پولیس کے شعبہ سراغ رسانی سے ہے۔"

"ہرگز نہیں! میری ان لوگوں سے نہیں بنتی۔"

"اچھا۔ اچھا تو آپ آئی۔ ایس۔ آئی کے انفار مر ہیں۔"

"انفار مر اس طرح جان دینے کے لئے ساتھ نہیں پھرا کرتے کپتان صاحب۔"

"اچھا تو پھر کسی اور موضوع پر گفتگو رہے۔ مجھ سے خاموش نہیں رہا جاتا۔"

"گانا آتا ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"جیسا بھی آتا ہو اور جو کچھ بھی یاد ہو شروع کر دیجئے! اس طرح آپ کی شکائت بھی رفع ہو جائے گی اور میں محظوظ بھی ہو سکوں گا۔"

لیکن خاموشی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی اور اس نے بڑی سنجیدگی سے عمران سے پوچھا۔

"آپ شیخ ہیں یا پٹھان۔"

"نہ شیخ نہ پٹھان۔ منگول ہوں۔ لیکن تمہیں اس سے کیا سروکار۔"

"آنکھوں اور ناک کی بناوٹ منگولوں جیسی نہیں ہے۔"

"کلرکی نے حلیہ بدل دیا ہے۔"

"تو آپ کلرک ہیں۔"

"آباؤ اجداد کلرکی کرتے تھے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"سمندری معاملہ تھا تو نیوی کا کوئی دستہ آپ کے ساتھ کیا ہوتا۔ مجھے سمندری پانی کی بو بری لگتی ہے۔"

"مجھے بھی اس پر حیرت ہے کہ نیوی کے آدمی مجھے کیوں نہیں دیئے گئے۔" عمران نے کہا۔

وہ ایک ویران جزیرے کے قریب پہنچ رہے تھے۔ مٹو کے ماہی گیروں نے جال ڈال دیا۔

"مچھلیوں کی بو بھی نہیں اچھی نہیں لگتی۔" کیپٹن شمیم نے کہا۔

"یار تمہیں کچھ اچھا بھی لگتا ہے۔"

"کھلی ہوا میں دوڑ لگانا۔"

"تو پھر جزیرے پر اُتر جاؤ۔"

"خشک پتھریلی زمین ہے۔ کہیں نام کو بھی سبزہ نظر نہیں آتا۔ کیا آپ اُتریں گے جزیرے پر؟"

"پہلے ہم اس کے گرد ایک چکر لگائیں گے۔ پھر دیکھا جائے گا۔" عمران نے کہا۔

مٹو کے ماہی گیر پہلے ہی کشتی اس انداز میں کھے رہے تھے کہ جزیرے کے گرد ایک چکر پورا ہو جاتا۔ چکر پورا کرنے کے بعد انہوں نے جال کھینچا.... چھوٹی بڑی بہت سی مچھلیاں ہاتھ لگیں جن میں سے بڑی مچھلیاں انہوں نے نکال لیں اور چھوٹی پھر پانی میں ڈال دیں.... پھر کشتی کو کنارے لگا دیا۔

"یہاں ایسی چٹانیں نہیں ہیں جن کی اوٹ میں کشتیوں کو چھپایا جاسکے۔" عمران نے ساحل پر اترتے ہوئے کہا۔

"یہاں اُترنا بیکار معلوم ہوتا ہے۔!" کیپٹن شمیم نے کہا۔

"کیوں....؟"

"اتنی کھلی جگہ انہوں نے کبھی بھی استعمال نہ کی ہوگی۔" کیپٹن شمیم بولا۔

"میں ان جزیروں کی بناوٹ کے بارے میں اندازہ لگانا چاہتا ہوں۔" عمران نے کہا۔ کیپٹن شمیم نے اُس کا ساتھ دیا تھا اور مٹو کے آدمی کشتی ہی پر بیٹھے رہے تھے۔

جزیرہ بے آب و گیاہ نظر آیا۔ کہیں روئیدگی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ لیکن ایک جگہ انہیں بیئر کے خالی ڈبے پڑے دکھائی دیئے۔ عمران چلتے چلتے رک گیا۔

"ہو سکتا ہے کسی نے کبھی پکنک منائی ہو۔" کیپٹن شمیم نے کہا۔

"یہی دیکھنا ہے کہ آیا یہاں پکنک منائی جاسکتی ہے یا نہیں۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"دو ایک مزید جزیروں پر نظر ڈالنے سے شائد سمجھ میں آجائے۔"

وہ دونوں پھر کشتی میں آبیٹھے.... جال کھینچا گیا۔ چند بڑی مچھلیاں نکال لی گئیں اور چھوٹی مچھلیاں دوبارہ پانی میں پھینک دی گئیں۔ کشتی کا رخ تبدیل ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ایسے جزیرے کے قریب پہنچے جس کا کوئی ساحل ہی نہیں تھا۔ سطح سمندر سے سیدھی اور اونچی چٹانیں کھڑی تھیں البتہ کہیں کہیں چوڑی دراڑیں دکھائی دے رہی

تھیں جن کے اندر پانی لہریں لے رہا تھا۔

"کیا یہ دراڑیں چھپنے کے لئے بہترین جگہیں نہیں ہیں۔" کیپٹن شمیم نے کہا۔

"ابھی تک کوئی اتنی چوڑی دراڑ نہیں دکھائی دی جس میں وہ ٹرالر داخل ہو سکے۔" عمران نے کہا۔ "ہم اس جزیرے کا چکر ضرور لگائیں گے۔ اس کی بناوٹ دلچسپ ہے۔"

کیپٹن شمیم بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"کیا شادی شدہ ہو۔" عمران نے غیر متوقع سوال کیا! پہلے تو کیپٹن کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ کے آثار نظر آئے پھر خود کو سنبھال کر بولا۔

"اگر نہیں ہوں تو کیا آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکیں گے۔"

"کیوں نہیں! اس کا تو اسپیشلسٹ ہوں۔"

"ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔"

"کتنے سینگوں والی چاہیئے۔" عمران نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب....!"

"اگر مطلب پوچھ رہے ہو تو ابھی تم شادی کے قابل ہی نہیں ہوئے۔"

"مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ آپ کی بے تکی باتوں کا نوٹس نہ لوں۔"

"کس نے کہا تھا؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ہر حال میں جوان نظر آؤ۔"

کشتی جزیرے کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ دفعتاً ایک دراڑ سے دھواں نکلتا دکھائی دیا۔ لیکن یہ اتنی کشادہ نہیں تھی کہ اس میں کشتی داخل ہو سکتی۔

"یہ آتش فشانی مادے کا دھواں نہیں ہو سکتا۔" کیپٹن شمیم بڑبڑایا۔

عمران نے مٹو کے آدمیوں سے کشتی پلٹانے کو کہا۔ چکر ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے بہر حال حکم کی تعمیل کی۔

"کیا ارادہ ہے۔" کیپٹن شمیم نے پوچھا۔

"اُدھر ایک دراڑ ایسی دیکھی تھی جس میں کشتی داخل ہو سکتی ہے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ذرا سوچ سمجھ کر.....!"

"کیا مطلب؟" عمران کا لہجہ بدل گیا۔

"یہی کہ کہیں اندر پھنس نہ جائیں۔"

"کچھ دور اندر جانے ہی پر اندازہ ہو جائے گا کہ ہم آگے بڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور پھر دیکھو کیپٹن میں تمہاری کمانڈ میں نہیں دیا گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "چلئے۔"

لیکن اس دراڑ کے قریب پہنچ کر عمران نے کشتی کو چٹان سے لگا دینے کو کہا اور خود غوطہ خوری کا لباس نکالنے لگا۔

"یعنی کہ.....!" کیپٹن کچھ کہتے کہتے رک گیا اور عمران مسکرا کر بولا۔

"میں اس قسم کے خطرات تنہا مول لیتا ہوں۔"

"مجھے غوطہ خوری کی مشق نہیں ہے۔" کیپٹن شمیم نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" عمران نے کہا اور پانی میں اُتر گیا۔ لیکن وہ غوطہ لگانے کی بجائے سطح پر تیرتا ہوا دراڑ میں داخل ہو رہا تھا۔ کشتی کی پوزیشن ایسی تھی کہ وہ فوراً ہی اُن کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ کیپٹن شمیم بہر حال اُس پر نظر رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے مٹو کے آدمیوں سے کہا کہ وہ کشتی کو دراڑ کے سامنے ہی لے چلیں۔

ان جزائر کی وجہ سے یہاں تموج نہیں تھا اس لئے کشتی کو کچھ دیر تک دراڑ کے سامنے ہی روکے رکھا جا سکتا تھا۔

لیکن عمران اب بھی نہ دکھائی دیا۔ کیپٹن شمیم سوچ رہا تھا کہ مٹو کے آدمیوں سے اس سلسلے میں براہِ راست کسی قسم کی گفتگو کرنا مناسب ہو گا یا نہیں! کشتی پھر آگے بڑھ گئی اور کیپٹن شمیم نے اُسے دوبارہ دراڑ کے رخ پر پلٹانے کو کہا۔

"صاحب.....وہ لوگ اتنے بیوقوف نہیں ہو سکتے۔" مٹو کا آدمی بولا۔

"کیا مطلب.....؟"

"اس حرکت کے بعد وہ آس پاس کے جزیروں میں ڈیرہ نہیں ڈال سکتے۔"

"میں نے تم سے کہا ہے کہ کشتی کو دراڑ کے سامنے ہی رکھنے کی کوشش کرو۔" کیپٹن شمیم

نے تلخ لہجے میں کہا۔

مٹو کے آدمیوں نے اس طرح چپو چلانے شروع کئے کہ کشتی دراڑ کے سامنے ہی رہ کر ناچنے لگی۔

"یہ کیا شروع کر دیا؟" کیپٹن شمیم جھنجھلا کر بولا۔

"اسکے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے صاحب۔ کشتی اسی طرح دراڑ کے سامنے رہ سکتی ہے۔"

"ذرا ہی سی دیر میں سر چکرانے لگے گا۔" کیپٹن شمیم نے کہا۔

"ہمیں کچھ نہیں ہو گا صاحب۔"

اُس طرح پندرہ منٹ گذر گئے لیکن عمران کی واپسی نہ ہوئی۔ کیپٹن شمیم سوچ رہا تھا کہ اگر جزیرے میں داخل ہونے کا کوئی راستہ عمران کو مل گیا ہو تا تو فوری طور پر اُس کی واپسی ہوتی۔ تنہا داخل ہونے کا خطرہ مول نہ لیتا۔ تو پھر کیا اُسے کوئی حادثہ پیش آیا ہے.... ایسی صورت میں اُسے کیا کرنا ہو گا۔

دفعتاً اس نے مٹو کے آدمیوں سے کہا۔ "اپنے جزیرے کی طرف واپس چلو۔"

"اور صاحب.... وہ....!"

"انہیں یقیناً کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ میں جزیرے سے کوسٹ گارڈز سے رابطہ قائم کر کے ہیلی کوپٹر طلب کروں گا۔"

"مٹو کے آدمیوں نے عجیب سی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور رخ متعین کر کے چپو چلانے لگے۔ ماہی گیری کا جال کھینچ کر کشتی میں سمیٹ لیا تھا۔



عمران کچھ دور تک تو پانی کی سطح ہی پر تیرتا رہا تھا پھر غوطہ لگایا تھا۔ زیر آب روشنی والی ٹارچ اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام رکھی تھی اور پیروں سے بیک اسٹروک لگاتا ہوا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے دونوں پیروں میں اچانک پھندا پڑ گیا ہو۔ دونوں نیچے ایک دوسرے سے جڑ کر رہ گئے تھے۔ یقیناً وہ پھندہ ہی تھا کیونکہ اب اس رسی کو کھینچا جانے لگا تھا۔

عمران دم سادھے کھنچتا چلا گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک اس قسم کی کسی صورت حال کا سامنا ہوگا۔

پھر اُسے اپنی ٹارچ کی روشنی میں دو فراگ من نظر آئے جن کے ہاتھوں میں زیرِ آب چلائی جانے والی بندوقیں تھیں۔ بُرے پھنسے عمران نے سوچا۔ لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا جسم کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا اور کھینچے جانے کا عمل بھی رک گیا۔ ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا جیسے تیز قسم کی روشنیوں میں نہا گیا ہو۔ آبی ٹارچ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دور تک پھسلتی چلی گئی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اَب وہ ٹھوس زمین پر پڑا ہوا ہے۔

اٹھنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ پیروں میں اب بھی پھندا پڑا ہوا ہے۔ کسی نہ کسی طرح بیٹھ کر وہ پیروں سے پھندا نکالنے لگا۔ تیز قسم کی روشنی آنکھوں میں چکا چوندھ پیدا کر رہی تھی۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اُس نے پیروں سے پھندہ نکال لیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

وہ اَب کسی چھت کے نیچے تھا.... دفعتاً دو افراد پھر دکھائی دیئے جن کے ہاتھوں میں مشین پستول تھے۔ انہوں نے عمران کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں کوئی بڑی مچھلی نہیں ہوں۔" عمران غرایا۔ "مجھ سے آدمیوں کا سا برتاؤ کرو۔"

ایک نے مشین پستول سے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا عمران نے شانوں کو جنبش دی اور دروازے کی طرف چل پڑا۔

یہ ایک طویل سرنگ ثابت ہوئی تھی۔ اُس کے پیچھے والا مسلح آدمی ٹارچ روشن کیئے ہوئے راستہ دکھا رہا تھا۔

ایک جگہ اُسے تیس چالیس زینے بھی طے کرنے پڑے اور پھر وہ اچانک کھلے آسمان کے نیچے آگیا۔ سر پر سورج چمک رہا تھا اور پتھریلی زمین تپ رہی تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ ان دونوں مسلح آدمیوں کا کہیں پتا نہ تھا جو اُسے یہاں تک لائے تھے۔ اُس نے ان زینوں کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی جن کے ذریعے یہاں تک پہنچا تھا لیکن اُن کا نشان بھی کہیں نہ ملا۔

دھوپ کی شدت کا احساس تپتی ہوئی چٹانوں کی وجہ سے کچھ اور زیادہ ہو گیا تھا۔ کوئی سایہ دار جگہ۔ اُس نے سوچا ورنہ تھوڑی ہی دیر میں حالت تباہ ہو جائے گی۔ چٹانوں کے درمیان کوئی

غار تلاش کرنے لگا تھا۔

عجیب سی چٹانیں تھیں۔ اگر یہاں بھی اُن لوگوں نے اپنا کوئی اڈہ بنا رکھا تھا تو اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ اور کیا وہ ہوائی حملے سے بچ سکیں گے؟ اُسے یقین تھا کہ اس کی واپسی نہ ہونے کی بناء پر کیپٹن شمیم کوسٹ گارڈز کے مستقر سے رابطہ قائم کرے گا۔

وہ چٹانوں کے درمیان بھٹکتا پھر رہا تھا کہ اچانک اُسے جیگوار کی آواز سنائی دی۔

"خوش آمدید مسٹر عمران۔ تم بڑی آسانی سے پھنس جاتے ہو۔"

"دراصل تم سے ملنا چاہتا تھا۔ ورنہ....!" عمران جملہ پورا کیئے بغیر خاموش ہو گیا۔

"بہت خوب بھلا مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔"

"اس مسخرہ پن کا مطلب جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"گھیرنا، پکڑنا اور پھر بڑی آسانی سے نکل جانے دینا۔ آخر یہ کس قسم کا کھیل ہے۔ تم ہمیں کیا باور کرانا چاہتے ہو۔"

"اس بار تو میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری اور کرنل فیضی کی رہائی کیونکر ہوئی تھی۔ کس نے تمہارے آدمیوں کی رہنمائی کی تھی۔"

"اوہ۔ بس اتنی سی بات۔" عمران ہنس کر بولا۔ "ہمارا اپنا طریق کار ہے۔ اس پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔"

"مجھے شبہ ہے کہ کلارا ڈکسن نے تم لوگوں کی نشاندہی کی تھی۔"

"بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو دوست!" عمران نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی اور طرح تمہاری رہائی ہوئی ہو۔" جیگوار کی آواز آئی۔ "کلارا ڈکسن غداری کی مرتکب ہو رہی ہے۔"

"کس کے خلاف!" عمران نے سوال کیا۔

"تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔"

"تو تم یہ سمجھتے ہو کہ کلارا ڈکسن ہم سے مل گئی ہے۔"

"میں اس پر بھی یقین نہیں کر سکتا۔" جیگوار کی آواز آئی۔

"پھر کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اس سوال کے جواب میں جیگوار کی آواز نہ سنائی دی۔ عمران چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر آگے بڑھا اور دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے کوئی سایہ دار جگہ تلاش کرنے لگا۔

آخر کار ایک ایسا غار مل ہی گیا جو حیرت انگیز طور پر ہوادار اور ٹھنڈا تھا۔ لیکن وہ جگہ نہ مل سکی جہاں سے اٹھنے والے دھوئیں نے اس جزیرے میں داخل ہونے کی ترغیب دی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی محض ایک شعبدہ رہا ہو۔ انہیں جزیرے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے۔

وہ غار کے ایک گوشے میں ٹک کر سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کشتی کو چھوڑے ہوئے خاصا وقت گذر چکا تھا۔ اس دوران میں وہ وہاں رکی نہ رہی ہوگی۔ یقینی طور پر کیپٹن شمیم مٹو کے جزیرے کی طرف واپس گیا ہوگا اور وہاں سے کوسٹ گارڈز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ بہر حال ان لوگوں نے شائد آس پاس کے کئی ویران جزیروں پر قبضہ کر رکھا ہے اور یہ قبضہ پتا نہیں کب سے جاری ہو۔ اس جزیرے میں وہ سرنگ اور وہ سیڑھیاں چند دنوں میں تو بن نہ گئی ہوں گی۔ عمران سوچتا اور اونگھتا رہا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس جزیرے پر کوسٹ گارڈز کے ہیلی کوپٹرز ضرور لینڈ کریں گے اور وہ اپنے ٹھکانے پر بہ آسانی پہنچ جائے گا۔

اس نے کچھ اور ہاتھ پیر پسارے اور اونگھنے لگا۔ لیکن یہ کیفیت دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ پتا نہیں کیوں چونک پڑا تھا۔ آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا اور دوبارہ اونگھ جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ چونکنے کی وجہ معلوم ہوگئی۔ یہ ایک آواز تھی۔ انسانی کراہ جو تکلیف کی شدت کی بناء پر بے اختیار نکلی ہو۔ عمران اٹھ گیا۔ کیونکہ آواز کی سمت کا اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ بائیں جانب والی ڈھلان میں اُترنے لگا۔ کراہ پھر سنائی دی اور اُسے یقین ہو گیا کہ صحیح سمت میں جارہا ہے۔ غار کی وسعت کا اندازہ تو اب ہو رہا تھا۔ وہ ڈھلان میں اُترتا رہا اور بالآخر رہنمائی کرنے والی دردناک آواز کے بہت قریب پہنچ گیا۔

یہ غار کے اندر ایک اور غار کا دہانہ معلوم ہوتا تھا۔ عمران بے دھڑک اس دھانے سے بھی گزر گیا.... اور کراہنے والے پر پڑنے والی پہلی نظر تفصیلی تھی۔ وہ فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور اُس کی بائیں ٹانگ میں زنجیر نظر آئی جس کا دوسرا سرا لوہے کی ایک میخ سے منسلک تھا۔

عمران پھرتی سے آگے بڑھا اور جھک کر اُسے سیدھا کرنے لگا۔ چہرہ دیکھنا چاہتا تھا اُس کا۔

"رابرٹو!" اس کی زبان سے بے اختیار نکلا اور شکستہ حال قیدی نے آنکھیں کھول دیں۔

"اوہ! میرے خدا۔" وہ نحیف سی آواز میں بولا۔ "مسٹر عمران!"

"لیکن تم اس حال کو کیونکر پہنچے....!" عمران نے حیرت سے کہا۔

"سیاہ فام سلو اس کے ہاتھوں! جیگوار کے حکم پر....!"

"آخر کیوں....!"

"کلارا ڈکسن تنظیم کا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ جیگوار مجھے اُس کا آدمی سمجھتا ہے۔ حالانکہ میں تنظیم کا وفادار ہوں۔ مجھے افراد سے کوئی سروکار نہیں۔"

"اس حال کو پہنچ جانے کے بعد بھی تنظیم کے وفادار ہو۔" عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر عمران۔"

"جن لوگوں کا اعتماد تم پر سے اٹھ گیا ہو، ان کے درمیان رہنے سے کیا فائدہ۔"

رابرٹو نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کلارا ڈکسن کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اسی بناء پر کبھی کبھی عمران نے یہ بھی سوچا تھا کہ کہیں وہ خود ہی جیگوار نہ ہو۔ لیکن اب اُس کو اس حال میں دیکھ کر اسے خارج از امکان قرار دینا پڑا تھا۔

"کیا تم یہاں تنہا ہو۔" عمران نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بس کبھی کبھی جیگوار کی آواز سنتا رہتا ہوں! وہ مجھ سے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کلارا ڈکسن کہاں ہے! لیکن کیا تم پھر قیدی بنا لئے گئے ہو مسٹر عمران۔"

عمران نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح اس جزیرے میں پہنچا تھا۔

"تب تو تمہارے ساتھی ضرور حملہ آور ہوں گے مسٹر عمران۔"

"ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تمہارے لئے کیا کروں۔ اگر میرے ساتھیوں کے ہتھے چڑھ گئے تو میری حکومت کے قیدی بن جاؤ گے۔" عمران نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔" رابرٹو نے دردناک لہجے میں کہا۔

"میں کچھ نہ کچھ ضرور کر سکوں گا۔" عمران نے کہا۔ "لیکن تمہیں اپنی تنظیم سے علیحدگی اختیار کرنی ہوگی۔"

"اگر تم کسی طرح مجھے اس زنجیر سے نجات دلا سکو تو میں تمہارے ساتھیوں کے حملے سے قبل ہی فرار ہو سکتا ہوں۔"

"وہ کس طرح۔"

"یہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

"فرار ہو کر جاؤ گے کہاں....؟" عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"فی الحال یہ بھی نہیں بتاؤں گا۔"

"اچھا تو پھر مجھے بھی ساتھ لے چلنے کا وعدہ کرو۔" عمران بولا۔

"بڑی عجیب بات کہہ رہے ہو!" رابرٹو نے حیرت سے کہا۔

"میں اپنے آدمیوں سے فی الحال دور رہنا چاہتا ہوں اور مجھے جیگوار سے زیادہ کلارا کی تلاش ہے۔"

"کیوں مسٹر عمران!"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔"

"تو تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"یقیناً۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میرے آدمی اس جزیرے پر لینڈ کریں تو میں انہیں یہاں نہ ملوں۔"

"تم سے خوف معلوم ہوتا ہے مسٹر عمران۔"

"کس قسم کا خوف....!"

"کہیں اور لے جا کر غرق نہ کر دو۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں تو اس حال میں تمہیں قتل بھی کر سکتا ہوں۔ بس ایک بڑا سا پتھر اٹھاؤں اور تمہارے سر پر دے ماروں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے مسٹر عمران۔ اچھی بات ہے میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

اس کے پیر میں وہ زنجیر ایک قفل کے ذریعے ڈالی گئی تھی۔ عمران نے قفل کا جائزہ لیا اور پھر دفعتاً چونک کر رابرٹو کو غور سے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے مسٹر عمران۔ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔"

"تم یہاں کب سے قید ہو؟"

"کوئی ایک ہفتے سے۔"

"تمہارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہے۔"

"خود پکاتا کھاتا ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ زنجیر کتنی بڑی ہے۔ میں دور تک حرکت کر سکتا ہوں۔ اُدھر بائیں جانب ایک چھوٹا سا غار ہے جس میں باورچی خانے کے سارے لوازمات موجود ہیں۔"

عمران اٹھ کر بتائی ہوئی سمت بڑھ گیا۔ واقعی کچھ دور پر ایک اور دہانہ دکھائی دیا۔ اُس میں اخل ہوتے ہی رابرٹو کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ اور اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ دھواں اسی اورچی خانے کا رہا ہو گا جسے دیکھ کر اُس نے جزیرے میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ یہاں کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس سے قفل پر زور آزمائی کی جا سکتی۔ جلد ہی ایک ن کٹر ہاتھ لگ گیا۔ جس سے کارک اسکریو اور ایک سُوا بھی منسلک تھا۔ وہ پھر اُسی جگہ واپس آ گیا جہاں رابرٹو کو چھوڑ گیا تھا۔ اُس کے قریب بیٹھ کر اُس نے سرگوشی کی۔ "رابرٹو میں تمہیں س زنجیر سے نجات دلا سکتا ہوں۔ لیکن کچھ دیر قبل ہم بڑے غیر محتاط انداز میں گفتگو کرتے ہے تھے۔ کیا ہماری آوازیں جیگوار تک نہ پہنچی ہوں گی۔ اس طرح جیسے ہم یہاں اُس کی آواز سنتے رہے تھے۔"

رابرٹو فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر دفعتاً زردی سی چھا گئی تھی۔ اُس کو اُسی حال یں چھوڑ کر عمران زنجیر کے قفل کی طرف متوجہ ہو گیا اور کنجی کے سوراخ میں سوا ڈال کر محتاط نداز میں جنبش دینے لگا۔ پھر شائد تین منٹ بھی نہ گذرے ہوں گے کہ قفل کھل گیا اور رابرٹو ی ٹانگ زنجیر کے بل سے آزاد ہو گئی وہ اٹھ بیٹھا لیکن بہت زیادہ خائف نظر آ رہا تھا۔

"اب بتاؤ! فرار کی کیا صورت ہو گی؟" عمران نے سرگوشی کی۔

"مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں ایک انڈر واٹر سکوٹر لنگر انداز ہے۔ اس میں کم از کم چار آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔"

"کیا تم اسے آپریٹ کر سکو گے۔" عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"بالکل کر سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن جاؤ گے کہاں؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہیں میری ذات سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" رابرٹو نے کہا۔

"میں فائدے اور نقصان کی بات نہیں کر رہا۔ بس یہ معلوم کرنا تھا کہ جاؤ گے کہاں! جیکوا
کے قیدی بننے کے بعد کوئی تمہارا دوست بھی ثابت ہو سکے گا یا نہیں۔"

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔" اُس نے کہا اور عمران کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھ کر پھر بولا۔
"ایک محفوظ جگہ میرے علم میں ہے لیکن.... اُوہ.... ہاں، ایک ضروری بات تو رہ ہی گئی۔ انڈ
واٹر سکوٹر میں بیٹھ کر تم بالکل خاموش رہو گے۔"

عمران نے پُر تفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔ وہ سوچنے لگا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ رابر
اُسے یہاں اس حال میں ملتا۔ پھر اُس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور رابرٹو کی طرف
متوجہ ہو گیا۔ جواب اغذیہ کے سربند ڈبے ایک تھیلے میں رکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُسی غار کی ایک طویل دراڑ میں داخل ہوئے اور کچھ دیر چلتے رہنے کے
بعد پانی کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں پتھروں کو تراش کر ایک مختصر سا ڈوک بنایا گیا تھا۔ جس
ایک عجیب وضع کی چھوٹی سی کشتی لنگر انداز نظر آئی۔ رابرٹو نے اُس کی طرف اشارہ کیا ساتھ
ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کو بھی کہا تھا۔

کشتی کی بناوٹ آبدوز کی سی تھی۔ دونوں اُس میں داخل ہو گئے۔ کچھ دور تک وہ پانی کی سطح
پر چلی تھی پھر غوطہ لگایا تھا۔

عمران دم بخود بیٹھا رابرٹو کو تکتا رہا۔ وہ اس چھوٹی سی آبدوز کو بڑی مہارت سے چلا رہا تھا
دفعتاً اس کی محدود فضا میں کسی کی آواز گونجی "کون ہے؟"

رابرٹو منہ پر رومال رکھ کر بولا۔ "تھری ففٹی ٹو ہیڈ کوارٹرز۔"

عمران دیدے نچا کر رہ گیا۔ یہ سب کچھ اسے خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ لیکن رابرٹو
ہدایت کے مطابق اس نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔

اسی طرح آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ آبدوز کی رفتار تیز نہیں تھی اور پھر اچانک وہ سطح آب
اُبھر آئی۔ یہ بھی چٹانوں میں گھرا ہوا ایک چھوٹا سا ڈوک تھا۔ آبدوز ڈوک سے جا لگی اور اس
ڈھکنا کھل گیا۔ رابرٹو نے عمران کو ڈوک پر اُترنے کا اشارہ کیا۔ عمران خاموشی سے ڈوک پر اُ
گیا اور منتظر رہا کہ اب رابرٹو بھی اُترے گا۔ لیکن دفعتاً آبدوز کا ڈھکنا بند ہو گیا اور وہ غوطہ لگا
نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

دوسری چوٹ....! عمران نے طویل سانس لے کر سوچا۔ گویا یہ چال اس لئے چلی گئی تھی
کہ اُس کے آدمی اُسے تلاش نہ کر سکیں۔ یہ لوگ چکر پر چکر دے رہے تھے۔ لیکن عمران ابھی
تک احساسِ بے بسی میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔

"ہیلو مسٹر خان۔" اچانک عقب سے آواز آئی۔ "تم اس وقت میک اپ میں نہیں ہو۔
لیکن میں تمہیں پہچان سکتا ہوں۔"

عمران نے مڑ کر دیکھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سیاہ فام سلواس کھڑا نظر آیا۔

"تم خاصے صحت مند نظر آ رہے ہو۔" عمران مسکرا کر بولا۔

"یہاں کب تک کھڑے رہو گے۔ میرے ساتھ چلو۔"

"ضرور۔ ضرور.... کیپٹن سلواس! تم سے بچھڑ کر میں بہت مغموم تھا۔ بہت زندہ دل
آدمی ہو۔"

وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ ڈوک کے سرے پر ایک چھوٹا سا پھاٹک تھا جس سے گذر کر وہ
ایک سرنگ میں داخل ہوئے۔ سرنگ میں مرکری ٹیوب کی سی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

"اس دوران میں کیسی گذری مسٹر خان۔" سلواس نے رک کر اُس کے برابر ہوتے ہوئے پوچھا۔

"زیادہ اچھی نہیں گذری۔"

"مستقل طور پر ہمارے ساتھ رہو تو ہمیشہ اچھی گذرے گی۔" سلواس نے بڑی سنجیدگی
سے کہا۔

"اب تو مٹو کے جزیرے کی بات بھی ختم ہو گئی۔ پھر تمہارے ساتھ میرا کیا مصرف....!"

"تمہارا وہم ہے۔ مسٹر خان کہ مٹو کے جزیرے کی بات ختم ہو گئی۔"

"ہو سکتا ہے وہم ہی ہو۔" عمران نے لاپرواہی سے کہا اور اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

اس سرنگ کا اختتام دوسرے ڈوک پر ہوا۔ جو نسبتاً پہلے ڈوک سے بڑا تھا اور یہاں کئی بڑی
لانچیں لنگر انداز تھیں لیکن یہ ڈوک بھی کھلے سمندر میں نہیں تھا۔ یہاں کی تاریکی رفع کرنے
کے لئے بھی وہی دودھیا روشنی استعمال کی گئی تھی جس سے سرنگ روشن تھی۔

دفعتاً عمران چونک پڑا کیونکہ ایک بڑی لانچ پر اُسے اپنی بحری فوج کا نشان نظر آیا تھا۔

"کیوں مسٹر خان کس بات پر متحیر نظر آ رہے ہو۔" سلواس نے ہنس کر پوچھا۔

"یہ لانچ....!"

"ہماری ہی ہے۔ ابھی ہم اس پر بیٹھ کر اُس جزیرے کی خبر لینے چلیں گے جہاں سے تم دونوں فرار ہوئے تھے۔"

"تو وہ فراڈ تھا۔"

"بالکل مسٹر خان۔ البرٹو اگر غداری کا مرتکب ہوتا تو ہم اُسے زندہ ہی نہ چھوڑتے۔"

"اچھا تو پھر اتنی لمبی چوڑی حماقت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"پھر بتاؤں گا۔ فی الحال تم غوطہ خوری کا یہ لباس اُتار کر دوسرے کپڑے پہن لو۔"

"میرے سائز کے کپڑے کہاں ملیں گے۔"

"اگر تمہارے سائز کے نہ ہوئے تو میں منہ مانگا جرمانہ ادا کروں گا مسٹر خان۔" سلواس مسکرا کر بولا۔

وہ عمران کو اسی لانچ میں لے گیا جس پر نیوی کا نشان تھا۔ پانچ مسلح افراد اس لانچ پر پہلے سے موجود تھے۔ عمران کو لباس تبدیل کرنے کے لئے کیبن میں بھیج دیا گیا۔

اور کیبن میں قدم رکھتے ہی اُس پر چودہ طبق روشن ہوگئے۔ سامنے ہی کلارا ڈکسن کھڑی نظر آئی۔ وہ ایک وارڈ روب کا دروازہ کھول کر برآمد ہوئی تھی اور ہونٹوں پر اس طرح انگلی رکھے ہوئے تھی جیسے عمران کو خاموش رہنے کی تاکید کر رہی ہو۔

عمران نے تیزی سے مڑ کر کیبن کا دروازہ بولٹ کر دیا۔ کلارا دوسری الماری کی طرف اشارہ کر کے پھر اُسی الماری میں داخل ہوگئی جس سے برآمد ہوئی تھی۔

عمران نے دوسری الماری کھولی جس میں مردانہ ملبوسات موجود تھے۔ عمران نے ایک پینٹ اور قمیض نکالی۔

واقعی یہ دونوں اُسی کے سائز کے ثابت ہوئے تھے۔ لباس تبدیل کر کے وہ اُس الماری کی طرف متوجہ ہوا جس میں کلارا ڈکسن داخل ہوئی تھی۔ ہولے ہولے اُسے انگلی سے کھٹکھٹایا۔ لیکن دروازہ نہ کھلا۔ پھر خود عمران نے اُسے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اُس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور کیبن کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر ڈیک پر آیا۔ سلواس یہاں موجود تھا۔

"کیوں مسٹر خان کیا میں نے غلط کہا تھا۔" اُس نے ہنس کر پوچھا۔

"نہیں مسٹر سلواس لباس حیرت انگیز طور پر فٹ ہے۔"

"ہماری مہمان نوازی کی داد دو۔"

"اس کا تو میں پہلے ہی سے قائل ہوں۔" عمران نے کہا۔

"تم میک اپ کے ماہر ہو مسٹر خان۔ اگر اپنی شکل تبدیل کر لو تو ہم اور زیادہ مہمان نواز ثابت ہو سکیں گے۔"

"میرے پاس میک اپ کا سامان موجود نہیں ہے۔"

"کیبن میں براؤن رنگ کے سوٹ کیس میں اعلیٰ درجے کا سامان موجود ہے۔"

"آخر میک اپ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تمہارا قیدی ہوں۔ جس طرح چاہو رکھو۔"

"ہرگز نہیں مسٹر خان! تم قیدی نہیں ہو!"

"لیکن میک اپ کیوں؟"

"تاکہ اطمینان سے ہمارے ساتھ رہ سکو اور تمہارے ساتھی تمہیں دیکھیں بھی تو نہ پہچان سکیں۔"

عمران سوچ رہا تھا کہ آخر وہ ان مردودوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر کیوں رہ گیا ہے۔

لیکن بہرحال یہ تو دیکھنا ہی تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔

اس نے کیبن کا دروازہ بولٹ کر دیا۔ لیکن میک اپ کے سامان کا صندوق تلاش کرنے کی بجائے اُسی الماری میں زور آزمائی کرنے لگا جس میں کلارا ڈکسن داخل ہوئی تھی۔ اس بار اُس کا دروازہ کھل گیا اور کلارا سامنے کھڑی نظر آئی۔ لیکن ہونٹوں پر انگلی رکھے عمران کو خاموش رہنے کا اشارہ کئے جا رہی تھی۔ عمران احمقانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔ وہ الماری سے باہر نکل آئی۔ اس بار اس کے ہاتھوں میں پنسل اور ایک عدد رائیٹنگ پیڈ تھا۔ اُس نے پیڈ پر لکھنا شروع کیا۔ "مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں جیگوار کو تلاش کر کے مار ڈالنا چاہتی ہوں۔"

عمران نے اُس کے ہاتھ سے پنسل لے کر لکھا۔ "کیا سلواس تمہارا ہی آدمی ہے۔"

کلارا نے جواباً لکھا۔ "نہیں اُسے علم نہیں ہے کہ میں یہاں ہوں۔ لیکن تم یہاں کیونکر پہنچے۔"

"عمران نے مختصراً اپنی گرفتاری کی روداد لکھ دی اس پر کلارا نے لکھا۔ "میں نہیں جانتی کہ ایسا کیوں ہوا اور جیگوار کیا چاہتا ہے۔ بہرحال تم فی الحال وہی کرو جو تم سے کہا جا رہا ہے اور قطعی

بے فکر رہو۔ میں تمہارے قریب ہی رہوں گی۔ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ میں خود بھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ جیگوار تمہارے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔"

عمران نے اس سے پنسل لے کر پیڈ پر لکھا۔ "تمہاری وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان کچھ ہو گیا ہے۔ کئی بار مجھے دھمکیاں دے چکا ہے کہ اگر تم جلد ہی اُس کے ہاتھ نہ لگیں تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

کلارا نے براؤن سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا اور پھر اُسی الماری میں داخل ہو گئی جس سے برآمد ہوئی تھی۔

الماری کا دروازہ بند ہوتے ہی عمران کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ براؤن رنگ کے سوٹ کیس کی طرف بڑھ گیا۔ واقعی اس میں میک اپ کا جدید ترین سامان موجود تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے اپنا حلیہ تبدیل کرنے لگا اور اسی دوران میں لانچ بھی حرکت میں آگئی۔

"دیکھا جائے گا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور کیبن کا دروازہ کھول کر ڈیک پر آگیا۔ لانچ کھلے سمندر میں نکل آئی تھی۔ سلواس عمران کے قریب پہنچ کر تعریفی لہجے میں بولا۔ "واہ مسٹر خان تمہارا جواب نہیں ہے، باس تمہاری بہترین صلاحیتوں کا دل سے قائل ہے۔"

"کسی بھوت کو تم باس کہتے وقت کیا محسوس کرتے ہو۔" عمران نے سوال کیا۔

"کیا مطلب.....!"

"وہ محض ایک آواز ہے۔ آج تک کسی نے اُسے دیکھا نہیں۔"

"یہ اس کا طریق کار ہے مسٹر خان! ہو سکتا ہے کہ وہ میرے کسی ماتحت کی حیثیت سے اسی لانچ پر موجود ہو۔"

"اچھا تو پھر۔ تم مجھے ہی اپنا باس سمجھ لو۔" عمران نے کہا۔

"نن..... نہیں۔" سلواس بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور ٹھیک اسی وقت لاؤڈ سپیکر سے جیگوار کی آواز آئی۔ "کیپٹن سلواس تم اس کے کہنے میں نہ آؤ۔"

"بہت جلد بوکھلا گئے مسٹر جیگوار۔" عمران نے اونچی آواز میں کہا۔

"تم اول درجے کے مکار ہو۔"

"بد تمیزی نہیں مسٹر جیگوار۔ ورنہ تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" عمران کا لہجہ بے حد جارحانہ تھا۔ سلواس حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

"میرا خیال ہے مسٹر عمران کہ تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو۔" جیگوار کی آواز آئی اور عمران نے حقارت سے کہا۔

"تم سے پہلے بھی بہتیرے افراد میرے بارے میں یہی رائے ظاہر کر چکے ہیں۔ ویسے میں یہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا کہ رابرٹو والے ڈرامے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں چاہتا تھا کہ تم تنہا یا اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ اُس جزیرے میں داخل ہو جاؤ۔"

"بس اتنی سی بات! اب تم بتاؤ کہ اپنی ذہنی حالت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں مسٹر عمران۔ دراصل میں اس جزیرے کی تباہی چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" عمران چونک پڑا۔

"ہم تمہارے ساتھیوں کو باور کرا دیں گے کہ تم اس جزیرے سے فرار ہو چکے ہو۔ پھر وہ اس خیال سے جزیرے پر بمباری کریں گے کہ میرے ساتھی کمین گاہوں سے نکل کر بھاگیں۔"

"لیکن اب اس جزیرے میں کوئی بھی نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔

"قطعی نہیں مسٹر عمران لیکن وہاں ایسی علامات پائی جائیں گی جن کی بناء پر یہی سوچا جا سکے گا کہ وہاں کچھ لوگ چھپے ہوئے ہیں۔"

"پونڈ دو پونڈ وزنی بموں سے جزیرہ تباہ نہیں ہو سکے گا۔" عمران نے کہا۔

لاؤڈ سپیکر سے قہقہے کی آواز آئی اور پھر جیگوار کہتا سنائی دیا۔ "صرف ایک معمولی سا بم پورے جزیرے کو غرق کر دے گا۔ اور اتنا زبردست تموج ہوگا مسٹر عمران کہ آس پاس کے جزیرے بھی غرق ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ مٹو کے جزیرے پر بھی پانی چڑھ جائے۔ دراصل میں اُس جزیرے کو تمہی لوگوں کے ہاتھوں تباہ کرانا چاہتا ہوں۔"

"بھلا ایک معمولی سا بم اتنے بڑے جزیرے کی غرقابی کا باعث کیونکر ہو سکے گا۔" عمران نے مردہ سی آواز میں سوال کیا۔

"بہت ہی خوفناک قسم کے آتش گیر مادے کا ذخیرہ اُس جزیرے میں موجود ہے۔ دراصل وہی اُس کی تباہی کا باعث بنے گا اور تمہارے آدمی حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ

جائیں گے۔"

"اور تم اسے راز بھی رکھنا چاہو گے کہ جزیرے کی غرقابی کی اصل وجہ کیا تھی۔"

"یقیناً مسٹر عمران۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب میری رہائی ناممکن ہو گی۔"

"تم صحیح نتیجے پر پہنچے ہو مسٹر عمران۔" جیگوار کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

لانچ خاصی تیز رفتاری سے سمندر کا سینہ چیر رہی تھی۔ سلواس کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"ہم سب اس خوفناک تموج سے بچنے کے لئے بھاگ رہے ہیں جو اس جزیرے کی تباہی کے بعد برپا ہو گا۔ جلد از جلد ان پانیوں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔"

عمران طویل سانس لے کر رہ گیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ ضروری نہیں کہ کوسٹ گارڈز کے ہیلی کوپٹرز سے اُس جزیرے پر بمباری کی جائے۔ آخر جیگوار کس بنا پر اتنا پُر تیقن ہے۔ وہ سوچتا اور چاروں طرف نظریں دوڑاتا رہا۔ آس پاس کچھ اور لانچیں بھی تھیں اور اب اُن پر بھی اپنی ہی بحری فوج کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

"اب ہم کہاں جائیں گے مسٹر سلواس۔" عمران نے پوچھا۔

"ابھی اس سے متعلق کوئی حکم نہیں ملا۔" سلواس نے کہا اور کیبن کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے عمران کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ لیکن عمران اُسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس کے ساتھ ہی چل پڑا۔ کیبن میں پہنچ کر سلواس نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔ "میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ تم باہر جاؤ۔"

"میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں۔ باہر نہیں جاؤں گا۔" عمران نے اس سے بھی زیادہ خشک لہجہ اختیار کیا۔

"کیا مطلب!" سلواس آنکھیں نکال کر بولا۔ "تم میرا حکم نہیں مانو گے؟"

"تم میں رکھا ہی کیا ہے کہ میں تمہارا حکم مانوں گا۔" عمران نے حقارت سے کہا۔ سلواس مکا تان کر اُس کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ عمران نے پینترا بدل کر اس کی بائیں کنپٹی پر ایک جچا تلا ہاتھ رسید کر دیا۔

سلواس لڑکھڑا کر گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔ عمران نے اُسی وارڈروب کو کھول کر چند ٹائیاں نکالیں

جس سے کچھ دیر قبل اپنے لئے ملبوس نکالے تھے اور پھر انہی ٹائیوں سے بیہوش سلواس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔ اتنے میں یہ بھی یاد آ گیا کہ میک اپ کے سامان والے بیگ میں اڈھیسیو ٹیپ کا ایک رول بھی موجود تھا۔ اس نے جلدی سے ٹیپ کا ٹکڑا کاٹا اور سلواس کے ہونٹوں پر چپکا دیا۔ پھر اُسے اٹھا کر ایک آرام کرسی پر ڈال دیا اور خود بستر پر لیٹ کر سیٹی بجانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور تھوڑی ہی دیر میں اُس کی آنکھ بھی لگ گئی۔

پتا نہیں کتنی دیر تک سوتا رہا۔ پھر کسی نے جھنجھوڑ کر اُسے جگا دیا۔ یہ کلارا ڈکسن تھی۔ عمران اٹھ بیٹھا اور فوری طور پر اس کرسی کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر سلواس کو ڈالا تھا۔ لیکن کرسی خالی نظر آئی۔ پورے کیبن میں کہیں بھی سلواس نہ دکھائی دیا۔

وہ جواب طلب نظروں سے کلارا کی طرف دیکھنے لگا۔ کلارا نے پھر رائٹنگ پیڈ اٹھایا اور اس پر پنسل سے لکھنے لگی۔

"فکر نہ کرو۔ وہ اُسی الماری میں بند ہے جس میں کچھ دیر قبل میں پوشیدہ تھی۔ تم نے اُس سے اس قسم کا برتاؤ کر کے میرے لئے دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔"

عمران نے اس سے پنسل لے کر لکھا۔ "میری حرکتیں اب اسی طرح بے مقصد ہوتی جائیں گی۔ ابھی تو ابتداء ہے لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"میں نہیں جانتی۔" کلارا نے لکھا۔ "کچھ دیر بعد سلواس کے آدمیوں کو اُس کی تلاش ہو گی اور تم دشواری میں پڑ جاؤ گے۔"

"تم کس دن کام آؤ گی۔" عمران نے لکھا۔

"میں تنہا ہوں اور جیگوار کے ساتھ بڑی جمعیت ہے۔" کلارا نے لکھا۔

"بس تو پھر اب مجھے غرق ہو جانا چاہئے۔" عمران نے لکھا۔

"ایسا بھی نہیں ہے۔ میں کوئی تدبیر کروں گی۔" کلارا نے کہا۔

"تم نے جیگوار کی گفتگو سنی ہو گی۔ آخر وہ اس جزیرے کی تباہی کا خواہاں کیوں ہے؟" عمران نے لکھا۔

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"ضروری نہیں ہے کہ کوسٹ گارڈز سے جزیرے پر بمباری کی حماقت سرزد ہو۔"

"جیگوار فراڈ ہے۔" کلارا نے لکھا۔ "اُس کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ میں تو اب اس نتیجے پر پہنچ رہی ہوں کہ وہ ڈبل ایجنٹ ہے دونوں سپر پاورز کے لئے کام کر رہا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں دونوں کو بیوقوف بنا کر اپنے بینکس بیلنس میں اضافہ کر رہا ہے۔"

"اور تم اپنی تنظیم کی وفادار ہو۔" عمران نے لکھ کر پوچھا۔

"ابھی تک تو میں غداری کی مرتکب نہیں ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ میں تمہاری مدد سے اُسے بے نقاب کرنا چاہتی ہوں۔"

عمران نے اس بار کچھ نہ لکھا اور اس کی آنکھوں میں گہرے احمقانہ تاثرات ابھر آئے۔ کلارا اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ آخر خود اس نے لکھنا شروع کیا۔ "سلواس کے ساتھ ایسا برتاؤ کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس کی غیر حاضری سے اُس کے پانچوں ساتھی تشویش میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

"میں انہیں بھی ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔" عمران نے لکھا۔

"لیکن میں خون خرابہ نہیں چاہتی۔"

"تو پھر تم ہی کوئی تدبیر سوچو۔"

"تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ اب انہیں بھی بے ہوش رکھا جائے۔" کلارا نے لکھا اور پھر انہیں بے ہوش کرنے کے لئے اُس نے کیبن کے ایک حصے سے شراب کی دو بوتلیں برآمد کی تھیں اور اُن میں کوئی اور سیال مادہ انجکٹ کیا تھا۔ عمران خاموشی سے ساری کارروائی دیکھتا رہا۔

کلارا نے تحریر ہی کے ذریعے اُسے یہ بھی بتایا کہ وہ کس طرح دونوں بوتلوں کو اُن پانچوں تک پہنچا سکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد عمران دونوں بوتلیں بغل میں دبائے اور آدھی بوتل ہاتھ میں لئے جھومتا ہوا کیبن سے باہر آیا اور سیدھا انجن روم میں چلا گیا۔ پانچوں یہاں موجود تھے۔

"تم بھی پیو۔ کیپٹن بہت خوش ہے۔" عمران نے بغل میں دبی ہوئی بوتلوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سبھی مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمران سے دونوں بوتلیں لے لی گئیں۔

عمران پھر جھومتا ہوا کیبن میں پلٹ آیا۔

کلارا آرام کرسی پر نیم دراز تھی اُسے دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔ عمران بے حد سنجیدہ نظر

آرہا تھا۔ آدھی بوتل اس نے کپ بورڈ پر رکھ دی اور کلارا کے سامنے بیٹھ کر اُسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اب کوئی نیا شعبدہ دکھانے والی ہو۔

دفعتاً کلارا نے پیڈ پر لکھنا شروع کیا۔ "اب یہ ضروری ہے کہ میں سلواس کی آواز میں تم سے تھوڑی سی گفتگو کر ڈالوں ورنہ مسلسل خاموشی جیگوار کو شبے میں مبتلا کر سکتی ہے۔"

عمران شانے سکوڑ کر رہ گیا اور کلارا ہو بہو سلواس کی آواز میں بولی۔ "اُوہ.... تم سوئے نہیں مسٹر خان! میں تو گہری نیند سو گیا تھا۔"

عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مجھے اس طرح نیند نہیں آیا کرتی مسٹر سلواس۔"

"پھر بھی دن میں بھی تھوڑا بہت آرام کرنا ہی چاہئے۔"

"سب ٹھیک ہے۔ تم تو گھوڑے بیچ کر سوئے تھے۔ اب یہ بتاؤ کہ اس سفر کا اختتام کب ہو گا۔ کیا ہم ابھی تک اُن حدود سے نہیں نکل سکے جہاں یہ لانچ تموج کا شکار ہو جائے گی۔"

"اُوہ.... وہ بات تو بہت پیچھے رہ گئی۔" جواب ملا۔ "وہاں تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ہو گا۔"

"میں اس کی تصدیق چاہتا ہوں۔" عمران نے کہا۔

"کیا مطلب....؟"

"میرے آدمی اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ اُس جزیرے پر بمباری کر دیں۔"

"میں تصدیق کر لوں گا۔ تم بے فکر رہو مسٹر خان۔" کلارا نے کہا۔ حیرت انگیز طور پر وہ سلواس کی آواز کی نقل کر رہی تھی۔

اس نے کاغذ پر لکھا۔ "اب جا کر دیکھو۔ وہ پانچوں کس حال میں ہیں۔ اُن کی بیہوشی کو طول دینا پڑے گا۔"

عمران کو عرشے پر چار آدمی تو بے ہوش پڑے ملے۔ لیکن پانچواں کہاں تھا؟ عمران انجن روم کی طرف بڑھا۔ پانچواں بہ ہوش و حواس لانچ کو چلا رہا تھا۔ اُس کی پشت عمران کی طرف تھی۔ لہٰذا وہ چپ چاپ کیبن کی طرف پلٹ گیا اور کلارا کو اس کی اطلاع دی۔

"تم فکر نہ کرو۔ اُسے میں دیکھ لوں گی۔" کلارا نے رائٹنگ پیڈ پر لکھا اور کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

عمران کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر ٹانگیں ہلانے لگا۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود بھی انہی میں سے ہو۔ آنکھوں میں ذرہ برابر بھی تشویش کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔

کچھ دیر بعد مائیکروفون سے سلواس کی آواز آئی۔ "مسٹر خان انجن روم میں آجاؤ۔"

عمران طویل سانس لے کر اٹھ بیٹھا۔ انجن روم میں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ پانچواں آدمی بھی فرش پر اوندھا پڑا ہوا ہے۔

کلارا نے عمران کو اشارہ کیا کہ وہ پانچوں بے ہوش آدمیوں کو کیبن میں پہنچا کر اس کا دروازہ مقفل کر دے۔ اس بیگار کو بھی بھگتنا ہی پڑا پھر وہ انجن روم میں کلارا کے قریب ہی آکھڑا ہوا۔ اور کلارا اس سے سلواس کی آواز میں گفتگو کرتی رہی۔

"مسٹر سلواس آخر اس سفر کے اختتام کی بھی کوئی صورت ہوگی یا نہیں...."

"احکامات پر منحصر ہے مسٹر خان۔ ہمیں اُس وقت تک چلتے رہنا ہے جب تک کہ باس کی طرف سے کوئی نیا حکم نہ ملے۔"

عمران آہستہ آہستہ اپنا سر سہلانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مائیک سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے مخصوص اشاروں میں کوئی پیغام ہو۔ کلارا اُسے بغور سننے لگی اور جب اُن اشاروں کا سلسلہ ختم ہو گیا تو سلواس کی آواز میں بولی۔

"بات بن گئی ہے مسٹر خان! اب مجھے منزل کا علم ہو گیا ہے۔"

"لیکن میرا کیا حشر ہوگا مسٹر سلواس۔"

"اس کا فیصلہ باس ہی کرے گا۔"

"تمہارا باس مجھے کوئی دیوانہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ تمہیں بھی ڈبوئے گا اسے یاد رکھنا۔"

"مسٹر خان!" غصیلے لہجے میں کہا گیا۔ "زبان کو لگام دو۔ ہم باس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔"

عمران کلارا کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔ وہ بھی مسکرائی تھی۔ کچھ دور سیدھے ہی چلتے رہنے کے بعد اس نے لانچ کا رخ بائیں جانب موڑ کر نصف دائرہ بنایا اور پھر اُسے خط مستقیم پر لے آئی۔ رفتار میں بھی کسی قدر تیزی آئی تھی۔ عمران خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ اُس کی

آنکھوں سے بے اطمینانی مترشح نہیں ہوتی تھی۔

دفعتاً کلارا نے پھر کاغذ پر لکھنا شروع کیا۔ "میں نے بذریعہ سگنل ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا ہے کہ ہدایت کے مطابق لانچ بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ جائے گی۔ لیکن حقیقتاً میں اب اسے اپنی کمین گاہ کی طرف لے جا رہی ہوں وہاں میرے اور تمہارے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا۔

عمران نے اس طرح سر ہلایا تھا جیسے یہ اطلاع اُس کے لئے بے حد مسرت کا باعث ثابت ہوئی ہو۔

لانچ تیزی سے مسافت طے کرتی رہی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔

"مسٹر سلواس، کیا ہم کافی نہیں پئیں گے۔" عمران نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور.... لیکن میرے آدمی اس سلسلے میں بہت بد سلیقہ ہیں۔ اگر تم خود تکلیف کرو مسٹر خان تو بہتر ہوگا۔ کچن میں چلے جاؤ۔"

"اچھا.... اچھا! میں خود ہی دیکھتا ہوں۔"

عمران کچن میں چلا آیا۔ کافی تیار کرنے کے دوران میں اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار نظر آتے رہے تھے جلد ہی وہ پھر کافی پاٹ اور پیالیوں سمیت انجن روم میں واپس آگیا۔

"اوہ مسٹر خان۔ بہت بہت شکریہ۔" کلارا نے سلواس کی آواز میں کہا۔ "لیکن تم کس قدر پریشان نظر آرہے ہو! کیا بات ہے؟"

"صرف ایک الجھن ہے مسٹر سلواس۔ آخر تمہارا باس مجھ سے کیا چاہتا ہے۔"

"میرا باس دشمنوں کو دوست بنانے کا ماہر ہے مسٹر خان۔ شائد وہ تمہیں دوست بنانا چاہتا ہے۔ ورنہ تم کبھی کے غرق ہو چکے ہوتے۔"

"میری دوستی سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔"

"ان مسائل کو تو وہی جانے مسٹر خان۔ میں بھی کبھی اُس کا دشمن ہی تھا۔ لیکن اب اس کی خدمت کرنے میں فخر محسوس کر رہا ہوں۔"

عمران نے خاموشی اختیار کر لی۔ اُدھر لانچ کی رفتار بھی کم ہو گئی تھی۔ اور پھر چاروں طرف مکمل تاریکی چھا گئی۔

انجن روم میں صرف ایک بلب روشن تھا۔ کلارا عمران کی طرف دیکھ کر مسکرائی لیکن کچھ

بولی نہیں۔

پھر اس نے لانچ کا انجن بند کر دیا اور کاغذ پر لکھنے لگی۔ ”میں کمین گاہ میں پہنچ گئی ہوں۔ تم عرشے پر چل کر ٹارچ سے روشنی دکھاؤ تاکہ میں لنگر ڈال سکوں۔“

عمران اٹھ گیا۔ ایک طاقتور برقی ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھما دی گئی۔ پھر مختصر سی تاریک ڈوک سے لانچ جا لگی تھی۔ اس کے بعد وہ دونوں ڈوک پر اتر گئے اور کلارا نے ٹارچ عمران کے ہاتھ سے لے لی۔ ڈوک سے گذر کر وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہوئے۔ کلارا روشنی دکھا رہی تھی۔ اچانک ایک جگہ بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیر سے راستہ مسدود ہو گیا۔

”اوہ۔ شاید یہاں اس دوران میں زلزلہ آیا تھا۔“ کلارا اپنی اصل آواز میں بولی اور عمران کے ہاتھ میں ٹارچ تھماتے ہوئے کہا۔ ”تم روشنی دکھاؤ۔ میں راستہ بناتی ہوں۔“

”تم راستہ بناؤ گی۔“ عمران نے حیرت سے کہا اور ٹارچ کا رخ پتھروں کے ڈھیر کی طرف کر دیا۔ یہ پتھر کئی کئی من وزنی رہے ہوں گے۔

”ہاں۔ دیکھو کس طرح راستہ بناتی ہوں۔“ اس نے کہا اور پتھروں کے ڈھیر کی طرف اپنی وہی دونوں بے ہنگم انگلیاں بڑھائیں جن کی بد نمائی کی بناء پر ہر وقت دستانہ پہنے رہتی تھی۔

اور ان دونوں انگلیوں کے حرکت میں آتے ہی وزنی پتھر اچھل اچھل کر اس طرح ایک طرف گرنے لگے جیسے وہ روئی کے گالے ہوں۔

دیکھتے ہی دیکھتے راستہ صاف ہو گیا اور کلارا آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ”دیکھا تم نے۔ بس اسی طرح روشنی دکھاتے ہوئے میرے پیچھے چلے آؤ۔“

”ہاں مجھے اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ تم بھی سنگزاد ہو۔“ عمران نے کہا۔

”نہیں اس صلاحیت کا تعلق کرسٹلز سے نہیں ہے۔ میں ایسی صورت میں اُس مرکزی مشین سے رابطہ قائم نہیں کر سکتی جو میری کھال کو صلابت بخشتی ہے اور میں فولاد سے ٹکرا سکتی ہوں۔“

”کیسی صورت میں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ایسی صورت میں جبکہ میں جیگوار سے چھپتی پھر رہی ہوں۔ اگر میں نے اُس مرکزی مشین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو میری نشاندہی ہو جائے گی اور جیگوار کسی بد روح کی طرح مجھ پر مسلط ہو جائے گا۔“

”تب پھر تم واقعی حیرت انگیز ہو۔“ عمران نے کہا۔

”میری یہ دونوں بدنما انگلیاں قدرتی طور پر ایسی ہیں۔ میں ان سے موٹی موٹی لوہے کی سلاخیں موڑ سکتی ہوں۔“

”خطرناک انگلیاں۔“

”ہاں تم انہیں خطرناک بھی کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ میں ان سے قتل بھی کر سکتی ہوں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ درے کا اختتام ایک غار کے دہانے پر ہوا تھا۔ کلارا دہانے میں داخل ہو گئی۔ عمران اب بھی عقب سے روشنی دکھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہیں قیام کرنا تھا۔ کلارا نے دو کیروسین لیمپ روشن کر دیئے۔

یہاں پتھر ہی میں نشست گاہیں تراشی گئی تھیں اور ان پر چرمی گدے پڑے ہوئے تھے۔

”تو یہ ہے تمہاری کمین گاہ۔“ عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ کلارا نے ایک نشست گاہ کی طرف اشارہ کیا۔

عمران اسے بغور دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔

”جیگوار اگر وہاں تک پہنچ گیا تو اُسے تباہ کر دے گا۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”کہاں تک پہنچ گیا تو کسے تباہ کر دے گا۔“

”تمہارے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کو۔ حالانکہ ہم سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ ہم اس کے نصب کئے جانے کی جگہ کا پتا لگا کر اپنی رپورٹ پیش کر دیں۔ لیکن وہ اسے تباہ کر دے گا۔ کیونکہ اس نے تمہارے ایک حریف ملک سے رشوت لے لی ہے۔“

”اوہو۔ تو وہ گرین فائیل تھرٹین کا قصہ....“ عمران نے اپنے لہجے میں بہت زیادہ حیرت پیدا کر کے سوال کیا۔

”وہ محض الجھانے والی چیز تھی۔ ہمیں تمہارے کسی بھی سیکرٹ سے کوئی سروکار نہیں۔ سوائے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے۔“

”جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔“ عمران ہنس کر بولا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تم جانتے ہو کہ اُسے کہاں نصب کیا گیا ہے۔“

"اسی غلط فہمی کی بناء پر تم لوگ مجھے دوڑاتے پھر رہے ہو۔" عمران نے کہا اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنس پڑا۔

"جیگوار کو محض اسی لئے میری تلاش ہے کہ کہیں میں تم لوگوں کو اصل معاملے سے آگاہ نہ کردوں؟ یقین کرو، اگر وہ وہاں تک پہنچ گیا تو اُسے تباہ کردے گا۔"

"اور اگر تم پہلے پہنچ گئیں تو....!"

"میں صرف اپنی رپورٹ دوں گی جس میں جگہ کی نشاندہی کی گئی ہوگی۔"

"سوال تو یہ ہے کہ اتنے دنوں کی چکر بازیوں کے بعد اب تم ایٹمی پلانٹ کا قصہ سنا رہی ہو۔ اصلیت کیا ہے کلارا ڈکسن۔ اب میں صرف سچی بات سننا پسند کروں گا۔"

"اوہو.... تم تو اس انداز میں گفتگو کر رہے ہو جیسے مجھے گرفتار کرلیا ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔"

کلارا ڈکسن نے زور دار قہقہہ لگایا اور عمران نے کہا۔ "تم لوگوں نے بڑا لمبا کھڑاگ پھیلایا ہے۔ اگر کسی ایٹمی پلانٹ کی تلاش تھی تو یہ کام بڑی خاموشی سے ہو سکتا تھا سنگزاد والے ہنگامے قطعی غیر ضروری تھے۔"

"اچھا تو پھر تم کیا سمجھتے ہو۔"

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے ڈاکٹر فوریل کی بات ہو جائے۔"

"اس کی کیا بات کرو گے۔" کلارا نے کہا۔

"وہ محض اس مرکزی مشین کی نگران ہے۔ جو سنگزادوں کو کنٹرول کرتی ہے۔ چونکہ مشین کا دائرہ کار محدود ہے لہٰذا جہاں کہیں بھی تم لوگوں کو سنگزاد کا شعبدہ دکھانا ہوتا ہے وہاں سے مخصوص فاصلے پر اُس مشین کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ سنگزاد کا ہنگامہ شہر میں برپا کرنا تھا اس لئے یہیں ڈاکٹر فوریل والا ڈرامہ بھی کھیلا گیا۔"

"سامنے کی بات ہے۔" کلارا پھر ہنس پڑی اور پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ عمران میں تو تمہیں بہت عقل مند سمجھتی تھی۔ مجھے بتاؤ وہ پلانٹ کہاں ہے تاکہ میں اُس کی حفاظت کر سکوں۔"

"اگر وہ کہیں ہے بھی تو مجھے قطعاً علم نہیں کہ کہاں ہے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان

ہنگامہ خیزیوں کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ ہمیں از سر نو مرعوب کیا جائے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہمارے دست نگر ممالک ہم سے بہر حال مرعوب رہتے ہیں۔ تمہارا ملک بھی اُن میں شامل ہے۔"

"میں اس عام مرعوبیت کی بات نہیں کر رہا۔ جس میں قرضدار مبتلا ہوتے ہیں۔" عمران نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔ "یہاں بات دوسری ہے۔ اس علاقے کے سیاسی حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم غیر جانبدار رہیں۔ لیکن تم ان حالات میں بھی ہمیں اپنا حاشیہ بردار بنائے رکھنا چاہتے ہو۔ اس لئے تم نے سنگزادوں کا چکر چلایا تھا۔ خصوصیت سے مسلح افواج کو اُن کا نمونہ دکھانے کی کوشش کی تھی۔ محض یہ باور کرانے کے لئے کہ تم ہمیں ہر طرح مجبور کر سکتے ہو۔ ایک سنگزاد بڑے سے بڑے مورچے کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گا۔ لیکن کیا ہوا ایک سنگزاد کا حشر تو تم دیکھ ہی چکی ہو۔ سنو کلارا۔ ہم من حیث القوم احسان مند تو ہو سکتے ہیں لیکن ہمیں کسی طرح کی بھی غلامی قبول نہیں۔"

"خدا کے لئے خاموش رہو۔" کلارا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "تم خواہ مخواہ سیاست کے میدان میں دوڑ لگا رہے ہو۔ وقت ضائع ہو رہا ہے اور جیگوار کو زیادہ سے زیادہ موقع مل رہا ہے۔ پانچ آدمیوں کو اس کا علم ہے کہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کہاں نصب کیا گیا ہے۔ چار تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ پانچویں تم ہو۔"

"تمہاری فراہم کردہ اطلاع غلط ہے۔ مجھے ایسے کسی پلانٹ کا علم نہیں جو دوسروں سے پوشیدہ ہو۔"

"کیا تم ہی ایکس ٹو نہیں ہو....؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

اس پر عمران نے ایک بے حد زور دار قہقہہ لگایا اور اُس وقت تک ہنستا رہا تھا جب تک وہ جھنجلا کر چیخی نہیں تھی۔ "خاموش رہو!"

"تم باتیں ہی ایسی کر رہی ہو کہ آدمی ہنستے ہنستے بیہوش ہو جائے۔"

"میں تم پر تشدد بھی کر سکتی ہوں۔" وہ آپے سے باہر ہوتی ہوئی بولی۔

"لیکن تم اس مرکزی مشین کے احاطہ عمل سے باہر ہو جو تمہاری کھال کو کرسٹلائز کر دیتی ہے۔"

"میری یہ دو انگلیاں....!"

"ہمارے یہاں ایک بڑا رومانی گیت گایا جاتا ہے۔ جس کا موضوع ہی انگلیاں ہیں۔ مثلاً سیاں نے انگلی مروڑی رے۔ رام قسم شرما گئی میں.... تمہیں اتنی اردو تو آتی ہے کہ تم اس مکھڑے کا مطلب سمجھ سکو۔"

"عمران سنجیدگی اختیار کرو.... ورنہ....!"

"تم باتیں ہی ایسی کر رہی ہو کہ....!"

دفعتاً عمران چونک پڑا۔ اس نے متعدد قدموں کی آوازیں سنی تھیں۔ لیکن کلارا لاپرواہی سے بیٹھی رہی اس کی آنکھوں میں تشویش کی رمق بھی نہیں تھی۔

اور پھر سلواس اپنے چاروں آدمیوں کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ وہ سب مسلح تھے اُن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ وہ پانچوں پوزیشن لے کر کھڑے ہوگئے۔

"اب کیا خیال ہے مسٹر عمران۔" کلارا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اب میرا خیال یہ ہے کہ تم اپنے آدمیوں کو بھی دھوکا دیتی رہی ہو۔"

"کیا مطلب....؟"

"جیگوار بھی تم خود ہی ہو۔" عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "سلواس کی آواز کی حیرت انگیز طور پر نقل اتارتی رہی ہو اور میرے سامنے آجانے کے بعد سے پھر جیگوار کی آواز نہیں آئی تھی۔"

"اب تو تمہیں مرنا ہی پڑے گا مسٹر عمران۔" کلارا جیگوار کی آواز میں بولی اور وہ پانچوں بوکھلا کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ عمران کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اُس نے قریبی مسلح آدمی پر چھلانگ لگائی اس کی اسٹین گن چھینتا ہوا ایک ایسی نشست گاہ کی اوٹ میں ہوگیا جو سلواس اور اس کے آدمیوں کی زد سے باہر تھی۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ کسی کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

"یہ نکل کر جانے نہ پائے۔" کلارا چیخی۔

"جائے گا کہاں.... مادام....!" سلواس کی آواز آئی۔

"ہوشیاری سے خطرناک آدمی ہے۔" کلارا نے کہا۔

عمران کی آنکھیں ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھیں۔ اس کے مقابل چار اسٹین گنیں

نہیں۔ اور پھر وہ خطرناک عورت۔ جو خود ہی تنظیم کے اس دستے کی سربراہ بھی تھی۔ اس کے باوجود اس کی آنکھوں میں خوف کی ہلکی سی لہر بھی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جو کچھ بھی ہو رہا تھا روزمرہ معمولات کے مطابق ہو رہا تھا۔

دفعتاً کلارا کی آواز پھر آئی۔ "تم مفت میں مارے گئے عمران! ہم تمہارا اٹیمی ری پروسسنگ پلانٹ تلاش کر ہی لیں گے اور ہاں یہ بھی درست ہے کہ سنگزاد محض تمہاری عسکری قوت کو مرعوب کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور تم دیکھنا کہ ہم کس طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ اس علاقے کے سیاسی حالات خواہ کچھ ہوں۔ تمہاری قوم کو ہمارا حاشیہ بردار ہی بنے رہنا پڑے گا۔ تم ہمارے ایک مختصر سے دستے کے سامنے بھی بے بس ہو۔ مٹو کے جزیرے پر حملہ اسی لئے کیا گیا تھا کہ تم لوگ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔"

اس کی آواز عمران کے کانوں میں ضرور پڑ رہی تھی لیکن وہ اپنی دونوں اطراف سے غافل نہیں تھا۔ اتنی پھرتی سے دونوں اطراف میں اس نے برسٹ مارے کہ ان کی بھی چیخیں نکل گئیں جو زد پر نہیں تھے۔ سلواس کے دو آدمی چھلنی ہو کر رہ گئے۔

"ہوشیاری سے۔" کلارا دہاڑی اور عمران نے اس کی آواز کے ٹھیک اوپر چھت پر برسٹ مارا اور دوسرے ہی لمحے میں کلارا کی چیخ سنائی دی۔

گولیاں چھت سے ٹکرا کر واپسی میں اس کے سر پر پڑی تھیں وہ اپنی نشست سے ڈھلک گئی۔ پھر وہ فرش پر تڑپتی اور چیختی رہی تھی۔ چھت سے پلٹی ہوئی گولیاں اتنی موثر بھی نہیں تھیں کہ فوراً مر جاتی۔

پھر اچانک کسی اور نے بھی اپنی گن سے برسٹ مارا اور وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

پھر سلواس کی آواز آئی۔ "میں نے اُسے ختم کردیا مسٹر خان! اور ہم تینوں خود کو تمہارے حوالے کرتے ہیں۔"

"اپنی گنیں بائیں جانب اسی طرح ڈال دو کہ میں انہیں دیکھ سکوں۔" عمران کہتا ہوا پھرتی سے پیچھے ہٹا۔ آخر اس کے لئے بھی تو وہی تدبیر کی جاسکتی تھی جس کے تحت اس نے کلارا کو زخمی کیا تھا۔ لیکن وہ اندیشہ ہی ثابت ہوا کیونکہ تین اسٹین گنیں اس کے سامنے آگری تھیں۔

"انسانیت کے نام پر مسٹر خان۔" سلواس کی آواز آئی اور وہ تینوں ہاتھ اٹھائے ہوئے

سامنے آ گئے۔

"بالآخر انسانیت ہی کی فتح ہوتی ہے۔" عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کلارا مر چکی تھی۔ عمران نے سلوا سے کہا۔ "فی الحال اس کی لاش یہیں پڑی رہنے دو۔ اور تم مجھے مٹو کے جزیرے کی طرف لے چلو۔ تم تینوں کو میں ہر حال میں بچالوں گا۔ یا اگر تم کہیں جانا چاہو گے تو مٹو کے جزیرے ہی سے رخصت کردوں گا۔"

"شکریہ مسٹر خان۔ ہم سارے سیاہ فام لوگ زبردستی غلام بنائے گئے تھے اور یقین کرو کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ یہی عورت جیگوار ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ چاروں پھر اُسی لانچ پر تھے اور لانچ کھلے سمندر میں سفر کر رہی تھی۔ نصف شب کے بعد وہ لانچ مٹو کے جزیرے کے ساحل پر لنگر انداز ہوئی۔ فوجی ڈوک پر آ گئے لیکن لانچ پر نیوی کا نشان دیکھ کر اُن کا جارحانہ انداز معدوم ہوگیا۔ کیپٹن شمیم پر نظر پڑتے ہی عمران نے اُس سے سب سے پہلے اس جزیرے سے متعلق سوال کیا جہاں سے وہ خود غائب ہوا تھا۔ کیپٹن شمیم نے اُسے بتایا کہ جزیرے کی تلاشی لی گئی تھی لیکن اُس پر بمباری کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کس پر بمباری کی جاتی وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔

قریباً دو بجے عمران نے کرنل فیضی سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کر کے کہا۔ "میں نے تنظیم کی سربراہ کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ مجھے علم ہے کہ اس کے بقیہ ساتھی کہاں ہیں۔ میں اُن تک آپ کے محکمے کی رہنمائی کروں گا۔ ڈاکٹر فوریل کو فوراً حراست میں لے لیا جائے۔ جس عمارت میں اُس کا قیام ہے اُسی میں سنگزادوں کو متحرک کرنے والی مشین بھی موجود ہے۔ اُس کا بھی خیال رکھا جائے۔ اُوور...."

"لیکن آپ غائب کہاں ہو گئے تھے۔ مسٹر عمران اُوور۔" کرنل فیضی کی آواز آئی۔

"آپ مطمئن رہیے۔ کل کسی وقت اپنی مکمل رپورٹ سمیت آپ سے ملاقات کروں گا۔ اُوور۔"

"آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے مسٹر عمران۔ اُوور....!"

"اُس مٹی کا حق نمک ادا کیا ہے جس نے مجھے عمران بنایا ہے۔ اچھا خدا حافظ.... اُوور اینڈ آل۔"

﴿ختم شد﴾